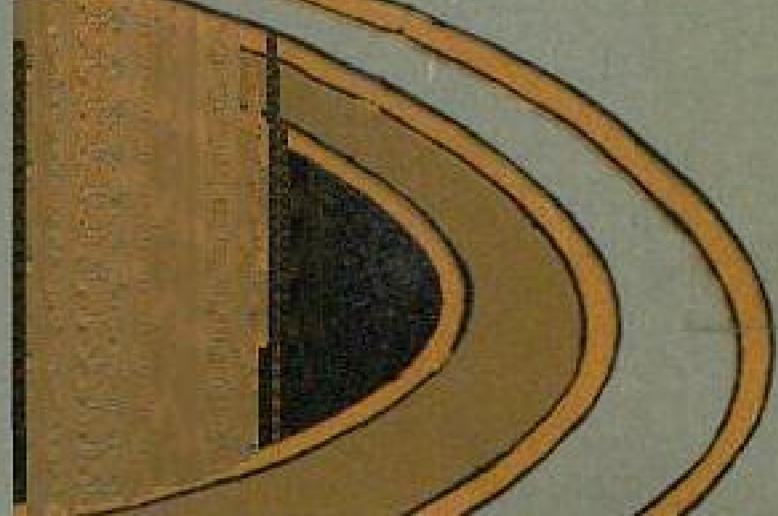
بہروپ نگر

عصمت چغتائی



بہروپ نگر

عصمت چغتائی

شاہراہ قائداعظم
لاہور

اہتمام ——— امبر۔ گگن

پرنٹرز ——— راحیل پریس لاہور

قیمت لائبریری ایڈیشن ——— ایک سو روپے

عصمت چغتائی

اردو ادب کی پہلی نسوانی آواز جس نے مردوں کو یقین دلایا کہ عورت کی معلومات صرف گھر کی چار دیواری تک محدود نہیں اسے مواقع ملیں تو وہ مردوں سے زیادہ بہتر اور سچائی کے ساتھ ان معلومات کا اظہار کر سکتی ہے اس بے باک نڈر اور صداقت پسند عورت نے دنیائے ادب میں افسانے کو سوچ کی جو نئی ڈگر بخشی وہ ترقی پسند ادیبوں کے لیے باعثِ تقلید بنی۔

اردو خواں لوگ تو چغتائیوں کے پرانے
گھائل ہیں، بچپن میں "کولتار" سے چپکے رہے وہ
دَور گذرا، "اگر برادر نہ تواند خواہر تمام کند" بڑے ہوئے
تو گرمیوں تک میں "لحاف" کی گرمی یاد رہی
"ٹیڑھی لکیر" کھینچی تو بڑے بڑوں کے کس بل
نکال دیتے گئے، سب تکلے کی طرح سیدھے
ہو گئے اور پھر تو تابڑ توڑ وہ چٹپٹی، مصالحے دار،
مزے دار چیزیں آئیں کہ واقعی راتوں کی
نیندیں حرام ہو گئیں،

عصمت چغتائی
کے دیگر شاہکار

پندرہ بیس سال پہلے لڑکیاں بالیاں ان کی کہانیاں پڑھ کر "ہائے
اللہ بے شرم" کہہ کر منہ چھپا لیتی تھیں مگر اس بات سے کسے انکار ہے۔
عصمت کی ہر زہریلی کہانی میں فکر کا تریاق بھی چھپا ہوتا تھا جو دھیرے
دلوں میں اتر کر انسان کو سچ بولنے پر اکساتا تھا اور یہ عصمت ہی کی فکر
تھی جس نے مجھ جیسے سینکڑوں ذہنوں کی پرورش اس طرح کی کہ آج ہم اپنے
معاشرے کی ہر غلط روایت سے انحراف کا حوصلہ رکھتی ہیں۔

رعنا فاروقی

دھرم دیو!

کون دھرم دیو؟

وہی دھرم دیو جو کبھی ایک راز تھا، اُسے کسی نے نہ دیکھا تھا۔

ایک جھینپو سا کمسن چھوکرا، جسے دیکھ کر ایک دم خیال آتا تھا کہ ہائے نصیب، یہ لڑکا کیوں ہوا؟ لڑکی ہوتا تو فلم لائن کی ساری پریاں ٹاپتی رہ جاتیں۔ لوگ اس کے عشق میں پاگل ہو تے، اس کی کافر اداؤں پر دل و جان قربان کرنے کے لئے اس کے فلیٹ کے آگے خودکشیوں کی دھمکیاں دیتے۔ ملک کے بانکے اس کی تصویریں سینے سے لگا کر ٹھنڈی آہیں بھرتے۔ دیش بھگت اُس کے ساتھ تصویریں کھنچوانا ملک اور قوم کی خدمت سمجھتے۔

ایسی قدرتی کاجل سے کجلائی معصوم سی آنکھیں، پتلی پتلی ناک، نہایت نزاکت سے ترشے ہوئے گداز مگر چھوٹے چھوٹے ہونٹ۔ ننھے بچے جیسی بھولی سی ٹھوڑی، سڈول ہاتھ پیر، پہلوانوں جیسے مچھلیوں دار نہیں بلکہ کنہیا جی کی طرح چکنے اور لچک دار اگر باریک ترشی ہوئی مونچھیں نہ پالتا تو بالکل اٹھارہ برس کی فلمی جوینت لگتا۔

فلم بالی کچھ اس شان و شوکت سے ہٹ ہوئی کہ اس نے فلمی دنیا میں ہنگامہ مچا دیا۔ بالی جیسی فلمیں دھڑا دھڑ بننا شروع ہو گئیں، جو آدھی بنی تھیں

وہ بالی کی نقل میں کافی کھڑی ہو گئیں۔ بمبئی میں اس وقت کیبرے اتنا عام نہ تھا بالی میں پہلی بار ہوٹل میں حسینہ کا ناچ مغربی انداز میں پیش کر کے دھرم دیو نے اُسے ہر فلم کا لازمی جزو بنوا دیا۔ اس کے بعد بہت کم ایسی فلمیں بنی ہیں جن میں ہوٹل کی اسٹیج یا میزوں کے گرد ناچ نہیں ہوتا۔ مغربی طرز کے غنڈے یا اسمگلنگ یا اسی قسم کی کوئی بیہودگی کرتے ہوئے بدمعاش بھی بالی کے بعد ہر فلم کی جان بن گئے۔ دھرم دیو ایک راز سے ایک دم چوٹی کے ڈائرکٹروں کی صف میں جا کھڑا ہوا۔

۱۹۴۶ء میں جب اشوک کمار اور واچہ نے دوبارہ بمبئی ٹاکیز میں جان ڈالی تو پھر سے ہمانسو رائے کا زمانہ لوٹ آیا۔ فلم اسٹوڈیو کا ماحول کسی تعلیمی یا کلچرل ادارے جیسا معلوم ہوتا تھا۔ بہت سے فلم اسٹار جو اس وقت چوٹی پر تھے، آج لوگ انہیں بھول چکے ہیں اور بہت سے آج کے قد آور فلم اسٹار اس وقت بمبئی ٹاکیز کے احاطے میں بڑی سفارشوں سے داخل ہو پاتے تھے۔ وہ جنہیں دیکھنے کے لئے خلقت آج دیوانوں کی طرح ٹوٹ پڑتی ہے۔ اس وقت بسوں اور ٹرینوں میں جھک مارتے پھرتے تھے۔ ہر بڑے فلم اسٹوڈیو کے احاطے میں کتنے ہی نو عمر امیدوار کسی وسیلے سے داخل ہو جاتے صبح سے شام تک بنچوں پر بیٹھتے، جماہیاں لیا کرتے۔ کوئی بڑا ڈائرکٹر، پروڈیوسر یا کوئی پاٹ دار ہیرو سامنے سے گزرتا تو جھٹ ادب سے کھڑے ہو جاتے۔ کتنی ہی لڑکیاں جو بعد میں مشہور و معروف ہیروئنیں بن گئیں ان دنوں اپنی نانی یا باپ کے ساتھ اشوک کمار یا واچہ سے ملاقات کی آس لگائے باہر بنچوں پر بیٹھی سوکھا کرتیں۔ اس وقت ڈھائی تین لاکھ میں آج کی پچاس لاکھ کے سرمائے سے بننے والی فلم سے زیادہ روپیہ بٹورنے والی فلمیں بن جایا کرتی تھیں۔ نئے امیدواروں کو زیادہ آسانی سے چانس مل جاتے تھے اور اس وقت پروڈیوسر ڈائرکٹر اپنے لڑکوں لڑکیوں کو فلم لائن میں جھونکنا سخت ہتک کی بات سمجھتے تھے۔

ہر بات ہی کچھ نیم گرم سی ہوا کرتی تھی۔ آج کل تو ایک فلم میں کام کر کے لوگ فلم اسٹار بن جاتے ہیں۔ فلم کی ریلیز سے پہلے ہی ان کے گھروں پر پروڈیوسروں کے کیو لگنے لگتے ہیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے انہیں چوٹی پر پہنچا دیتے ہیں۔

دلیپ کمار، راج کپور اور دیو آنند نہ جانے کتنی فلموں کے بعد جمے ہیں۔

فلم اسٹار کو یوں دھماکے سے چوٹی... پر چڑھانے اور ان کی قیمت اتنی بڑھانے میں سب سے بڑا ہاتھ مدراس کا ہے۔ جو نیا ستارہ آسمانِ فلم پر نمودار ہوتا ہے مدراس کی فلم انڈسٹری اُسے اُچک لیتی ہے۔ اور چھ مہینے کے اندر اندر اس کی فلم تیار ہو کر ہٹ ہو جاتی ہے اور وہ بمبئی میں بھی مدراس کی لگائی ہوئی قیمت مانگنے لگتا ہے۔ کبھی اسی طرح بمبئی کی فلم انڈسٹری نے بنگال کی انڈسٹری کو چبا چبا کر نگلا تھا۔ آج مدراس کی انڈسٹری نے بمبئی کا دیوالہ نکال کر رکھ دیا ہے۔

کبھی بمبئی کے پروڈیوسر اور ڈائرکٹر کی بھی یہی شان تھی جو آج مدراس والوں کی ہے۔ اس وقت ہر ہیرو کمپنی کا مالک نہ تھا جیسے آج ہے۔ یا تو خود ہیرو پروڈیوسر ہے اور اپنے مفاد کو مدِ نظر رکھ کر فلمیں بناتا ہے یا بنواتا ہے۔ یا اس کا کوئی دوست یا رشتہ دار اس کی مدد سے ڈھنگ کی فلم بنا سکتا ہے۔ باقی سب بھرتی کے پروڈیوسر ہیں۔ سوائے دو چار کو چھوڑ کر سب فلم اسٹاروں کے رحم و کرم اور ڈسٹری بیوٹر کی دریا دلی پر بھروسہ کر کے فلمیں شروع کر دیتے ہیں۔ اور انھیں مکمل کرنے کے لئے آدمی سے گھن چکر ہو جاتے ہیں۔ لیجئے بات دھرم دیو کی تھی۔ جب وہ بمبئی ٹاکیز میں بہت سے لڑکوں لڑکیوں کے جھگڑے میں چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھا شاید ان خوابوں کے جال بنا کرتا تھا جو بازی کی ریلیز کے بعد حقیقت بن گئے۔ بمبئی ٹاکیز کے احاطے میں ایک جعادری املی کا پیڑ تھا۔ اس پر املیاں کم لگتی تھیں اور کوّے زیادہ بیٹھا کرتے تھے اس کے گرد ایک بڑا سا چبوترہ تھا۔ دائیں طرف کینٹین تھی۔ اونچے اسٹاف کے الگ الگ کمرے تھے مگر نوجوان امیدواروں کا اڈہ یہی چبوترہ تھا۔ ان میں چھوٹے موٹے کیرکٹر آرٹسٹ، اسسٹنٹ اور دنیا بھر کے نٹھالو لوگ بھی جا بیٹھتے۔ گپ شپ ہوا کرتی۔ گیتا بالی ان دنوں ایک چھوٹی سی فلم "گرلز اسکول" میں کام کر رہی تھی۔ اندو بالا "ضدی" میں ویمپ کا رول کر رہی تھی۔ مدھو بالا کو "محل" کے لئے چنا گیا تھا۔ دو چار سین بھی ہوئے تھے مگر اتنی اہم نہیں ہوئی تھی کہ چبوترہ چھوڑ دیتی۔ لتا کی آواز کے ٹرائیل ہو رہے تھے۔ گیتا کے دو گانے ریکارڈ بھی ہو چکے تھے اس زمانے میں شمشاد بیگم، امیر بائی کرناٹکی اور مسز گھوش کا بول بالا تھا۔ خان

مستانہ، دُرّانی کا زمانہ تھا مکیش، محمد رفیع عنبر معروف تھے۔ کشور کی آواز "ضدی" میں ایک غزل کے لئے ٹیسٹ ہو رہی تھی۔ دیو آنند "ضدی" کا ہیرو تھا۔ مگر اپنے ہم عمروں ہی میں جا بیٹھتا تھا۔ پیڑ کے اوپر کوّے اور نیچے یہ سب جنگلی میناؤں کی طرح کچر کچر باتیں کیا کرتے۔ اُن میں دھرم دیو ایک طرف بیٹھا دھیمے دھیمے مسکرایا کرتا!

اندو پال بڑی باتونی تھی۔ کلدیپ کور کا جی تو للچاتا ہوگا چبوترے والوں میں گھلنے ملنے کو مگر اسے اپنا کیریر بنانا تھا۔

پھر بھی وہ اندو پال کو کرید کر پوچھ لیتی اور اندو بھی اَن جانے میں مخبری کر جاتی۔

"دلیپ کمار اور کامنی کوشل کا "شہید" بن رہا ہے۔"

"کپلا اندو کو دیکھ کر شو آف شروع کر دیتا ہے۔"

"کشور کمار روما کو بہت ہنساتا ہے۔" روما "مشال" میں اندھی لڑکی کا رول کر رہی تھی۔ شوٹنگ ہو نہ ہو اسٹوڈیو ضرور آتی تھی۔ کشور کمار کا ایک اشوک کمار کو دیکھ کر دم نکل جاتا تھا کیونکہ وہ خوب اُسے بنگلہ میں ڈانٹتا تھا۔

"گیتا بالی کا کسی سے نہیں چلتا، وہ تو بھگڑ ہے سب سے ٹھٹول کرتی ہے۔"

"دھرم دیو تو سوائے منگلا کے کسی سے بات نہیں کر پاتا۔"

زندگی میں انسان کتنی بار عشق کرتا ہے؟

اور فلمی زندگی کی ریڑھ کی ہڈی ہی عشق ہے۔ جسے عشق کرنا نہیں آتا وہ رُوسین پردۂ سیمیں پر کیسے پیش کرے گا اور رُوسین نہ ہوں گے تو فلمیں کیسے چلیں گی؟

دھرم دیو پرلے درجہ کا عاشق مزاج تھا۔ بقول اندو وہ باری باری ہر لڑکی پر زور شور سے عاشق ہو چکا تھا جن میں وہ خود بھی شامل تھی۔ مگر جتنی تیزی سے بخار چڑھتا اُسی سرعت سے اُتر بھی جاتا۔ اکثر تو ایسا ہوا کہ صبح وہ گیتا بالی کے لئے ہلکان تھا۔ شام کو چلتے وقت مدھو بالا دماغ میں بھر گئی۔ صبح دُوسرے دن آیا تو سلیٹ صاف۔ کوئی پُونا کی واقف کار اسٹیشن پر مل گئی۔ لیکن دوپہر تک پھر منگلا کے عشق کا بھوت سوار ہو گیا۔ منگلا کو اس کے بھائی لے گیا تو بھٹا لو

بیٹھا بیٹھا کامنی کوشل پر فریفتہ ہوگیا، مگر نہ جانے کیا بات تھی کہ لوٹ پھر کر گاڑی آکر منگلا ہی پر رکتی۔

اور پھر متواتر ڈیڑھ دن منگلا ہی منگلا رہی۔ اور شاید طول پکڑ جاتی۔ اگر ثریا اپنے گیت کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں نہ آجاتی۔ جتنے دن ریکارڈنگ ہوتی رہی دھرم دیو اپنی ڈیوٹی چھوڑ چھاڑ کر میوزک روم کا طواف کرتا رہا۔ منگلا نے بہت بہت غصہ کیا مگر عاشق صادق ٹس سے مس نہ ہوا۔ منگلا سے اس دن ریہرسل نہ ہو سکی اور اس کا گانا لتا کو دے دیا گیا۔

ثریا چلی گئی تو وہ یتیموں کی صورت بنائے چبوترے پر بیٹھا رہا اور شاید عمر بھر بیٹھا ہی رہتا اگر منگلا کی آنکھ میں پلک نہ گھس گئی ہوتی۔ پلک نہ پڑتی تو دھرم دیو اُسے اپنے سفید جھک کرتے کے دامن سے اس کے تلملائے ہوئے آنسو کیسے پونچھتا۔

اس دن منگلا نے جو گیت ریکارڈ کروایا وہ آج تک ہٹ ہے۔

وہ گانے کے لئے آئی تھی مگر اس کا سانولا سلونا بنگالی حسن، لمبے لمبے خم دار گیسو اور بھاری بھاری نیند اُڑاتی والی آنکھیں اس کی جڑ بن گئیں۔ کیوں کہ اسے ایکٹنگ سے چڑ تھی۔ اور پھر ادھر کئی مہینے سے دھرم دیو ڈانوا ڈول نہیں ہوا تھا۔ مدھو بالا نہایت ہوش رُبا کو سین دے رہی تھی۔ اور در و دیوار اس پر ہزار جان سے عاشق ہو رہے تھے، مگر دھرم دیو چٹان بنا صرف منگلا کے دھیان میں غرق تھا۔ منگلا بڑی چپکی سی تھی۔ ویسے گانے والیوں کو تو بس میٹھی آواز ہی بلندیوں پر چڑھنے کی ایک سیڑھی ہوتی ہے شکل صورت سکیس اپیل سب بیکار۔ اگر گلا نہیں۔ گانے والوں کو ان راہوں سے نہیں گزرنا پڑتا ہے۔ میک اپ مین کے نخرے کہ ان دنوں یہ فن صرف انہی کی مٹھی میں تھا۔ اب تو یہ لوگ خود ہی میک اپ کر لیتے ہیں۔ کاسٹیوم انچارج کی اہمیت ختم ہو چکی ہے۔ اُسے صرف ایکسٹراؤں کے کپڑے لتّے کی خبر رہتی ہے۔ اونچے اداکار تو اپنے درزیوں سے کپڑے اپنی مرضی سے سلواتے ہیں اور اپنے پاس ہی رکھ لیتے ہیں۔ عموماً واپس کرنا بھول جاتے ہیں۔

مگر ایک اداسی تھی جو دھرم دیو کے گرد کنڈلی مار کر بیٹھی ہوئی تھی۔ جیسے منگلا کے عہد و پیمان بھی نہ دُور ہٹا سکے۔ چھٹے ساتویں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کی نہ کوئی حیثیت نہ کوئی مستقل ذمّہ داری پتھر کی طرح ٹھکا ہوا ہے ایک جگہ۔ عدم اور وجود برابر۔ سیٹ پر ڈائرکٹر حماقت کر رہا ہے مگر راتے کا اظہار گستاخی ویسے ہی کھجایا ہوا ہے۔ بھڑے کھڑے نکال دے گا ہیرو ٹھس ہیروئن اُلٹے سیدھے چکر دے رہی ہے۔ کوئی پُرسانِ حال نہیں۔ سب کا غصّہ اسسٹنٹ پر۔ ساری زرخیز صلاحیتیں دم گھوٹے، ذہانت پیروں تلے روندی جا رہی ہے۔ گدھوں کے ہاتھ میں سب کچھ۔ سمجھ بوجھ عذابِ دوزخ جھیل رہی ہے۔

مگر بن کاجل کالی سوندھی سوندھی آنکھیں کہتی ہیں۔ جمے رہو۔ ہیرے کا نصیب ضرور جاگے گا۔ پتھر کا گمنام ٹکڑا تراشا جاتے گا تو چکا چوند سے آنکھیں بند ہو جائیں گی۔ ایک گونگی بے وقوف سی لڑکی جو بیٹھنے ، ساڑھی بھی نہیں باندھنا جانتی۔ بات کرتے چھوئی موئی کی طرح سمٹ جاتی ہے۔ گلے میں رس ہے تو کیا؟

مگر اور بھی تو کوئی سہارا نہیں۔ سب ہی سلگانا جانتی ہیں۔ ان کے عشق کے شعلہ میں لپک تو ہے پر جھلسن بھی ہے۔ چڑھتی کمانیں ہیں ہر چہار طرف تیر برسا رہی ہیں۔

مصلحت اسی میں ہے کہ کوئی ٹھنڈی میٹھی ہمسفر کا ہاتھ پکڑ لو کہ نبضیں برقرار رہیں۔ اس کے آنچل کی آڑ میں بادِ مخالف کے تھپیڑوں میں پناہ تو ملے گی اور دِل کا ٹھکانا ہو جائے تو دنیا کی خبر لیتے چلو۔

چنانچہ دھرم دیو نے بھی منگلا کو اپنا دِل سنبھلا دیا کہ "بالی" کی ریلیز کے بعد شادی اور ہنی مون۔

اور "بالی" کی ریلیز کے بعد مہینوں زمین پر پیر ٹکانے کی مہلت نہ ملی۔ دعوتیں پارٹیاں اور ایک سے ایک اونچا آفر۔ وہی شخص جو کل تک دخل در معقولات کی حیثیت رکھتا تھا ایک دم عقلِ کُل کے مرتبہ پر پہنچ گیا۔

"وہ اپنی فلم بناؤ دھرم جی کیوں دوسروں کی تجوریاں بھرتے ہو۔"

اُن دنوں خود مختار پروڈیوسر بڑی تیزی سے آگے آتے جا رہے تھے۔ اس سے پہلے فلم کمپنیاں ہی فلم بناتی تھیں جن کے اپنے فلم اسٹوڈیو ہوتے تھے۔ مستقل اسٹاف ہوتا تھا۔ اپنی لیبارٹری اپنے میوزیشین۔ رات کو شوٹنگ ختم کی۔ صبح رش پرنٹ تیار۔ کام شروع کرنے سے پہلے رش پرنٹ دیکھے پھر آگے کام ہوا۔ ایک کمپنی سال میں زیادہ سے زیادہ پانچ چھ فلمیں بنا لیتی تھی۔ بغیر ایک فریم بھی دیکھے فلم کا سودا ہو جاتا تھا۔ مقررہ ڈسٹری بیوٹر بند ڈبہ لے جاتے اور لاکھوں کما ڈالتے۔

جنگ کے بعد ایک دم نئے سینما ہال بنے۔ فلموں کی مانگ بڑھی۔ نئے نئے ڈسٹری بیوٹر میدان میں آئے۔ کمپنیوں میں پہلے ہی سے پرانے ڈسٹی بیوٹر ڈٹے ہوئے تھے۔ اس لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ زیادہ فلمیں بنائی جائیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ زیادہ کمپنیاں بنتیں، اسٹوڈیو بنتے، فلم اسٹار تیتے اور یوں فلموں کی تعداد بڑھائی جاتی، مگر چونکہ نئے ڈسٹری بیوٹر کم سرمایہ لائے اور اُسے بھی کسی مستقل اسٹوڈیو میں جکڑنا نہیں چاہتے تھے۔ دس پندرہ ہزار سے کام شروع کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے ایک نیا ہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان دنوں ڈسٹری بیوٹروں نے سوچا کہ فلم بنانے والے کمپنیوں کے مالک نہیں بلکہ ڈائرکٹر اور فلم اسٹار ہیں، کیوں کہ انہی کے نام پر فلم چلتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ان ڈائرکٹروں سے کہا کہ کیوں مالک کے حکم کے پابند رہتے ہو۔ پوری فلم نہیں ایک ایک صوبے کے حق تقسیم بیچو۔ ہم قسط وار دیں تم قسط وار فلمیں بناؤ۔

کون سی مشکل بات تھی۔ قسط وار فلمیں بننے لگیں۔ اور اب چلی بھیڑ چال یعنی اتنا آسان ہے پروڈیوسر بننا۔ دس پندرہ ہزار ادھر ادھر سے گھیر لاؤ اور جس کا جی چاہے پروڈیوسر بن جائے۔ سب کمپنیوں کا اسٹاف الگ الگ پروڈیوسر بن گیا۔

کمپنیوں میں اُلّو بولنے لگے۔ مجبوراً کہیں تو تالے پڑ گئے اور باقی نے ان قسط وار پروڈیوسروں کو اسٹوڈیو کرائے پر دینے شروع کر دیئے۔ اب اتنے پروڈیوسر بن گئے کہ اسٹوڈیو کم پڑ گئے۔ اسٹوڈیو کی کمی کو آؤٹ ڈور شوٹنگ کر کے کام چلایا۔ فلم اسٹار کم پڑ گئے نئے اسٹار بنانے میں قسطوں پر فلم بنانے والوں کے دیوانے نکل گئے۔ پھر یہ ہوا کہ جس پروڈیوسر نے کسی بڑے اسٹار کو لیا اُس کی فلم قسطوں پر بننے لگی۔ باقی لوگ فلم بنانے سے زیادہ قسطیں وصول کرنے کی

تگ و دو میں گھس گئے۔

فلم بنانے کے لئے ضروری نہیں تھا کہ کوئی مشہور اور کامیاب ڈائرکٹر ہی ہو۔ پرانے ڈائرکٹر جو کمپنیوں سے توڑ کر خود مختار بنا دیئے گئے تھے ان میں سے اکثر لڑھک گئے۔ کہاں ٹھاٹ سے اسٹوڈیو میں فلم بناتے تھے جہاں دنیا بھر کی آسائش میسر تھیں۔ نہ فلم اسٹار سے ڈیٹ لینا نہ اسٹوڈیو بک کرانا، نہ فلم خام کے لئے دوڑ بھاگ، نہ شوٹنگ کے لئے آج یہاں کل وہاں سارا بستر بوریا لے کر جانا۔ کچھ کی بدھیا بیٹھ گئی اور اُن کے مقابلے میں بالکل نئے لونڈے نے دھڑ کے فلم ٹھوک دی جو ہٹ ہو گئی۔

جیسے دھرم دیو نے!

اس کے بعد تو ڈسٹری بیوٹر کو یقین ہو گیا کہ اگر بڑے اسٹار ہوں، اچھا میوزک ہو تو ایگزبیٹر فلم لے لیتا ہے اور قسطوں میں شریک ہو کر بوجھ بانٹ لیتا ہے۔ لہٰذا اُس نے کہہ دیا بس کچھ نہیں چاہیئے۔ فلم اسٹار اور میوزک۔ اور ان کی مانگ بڑھی تو انہوں نے دام بڑھائے کیسی کی جیب سے تو جاتے نہیں۔ پیسہ تو آخر میں پبلک کی جیب سے آتا ہے تو کیوں نہ جو مانگے وہ دیتے جاؤ۔ ایک ایک اسٹار بیس بیس فلموں میں جُٹ گیا اور اُن بیس پروڈیوسروں کو جتنے دن مہینے میں اُن کے حصے میں آئے اُن کو دے دیئے۔ جن کی قسطیں نہیں آئی تھیں وہ رہ گئے منہ دیکھتے۔

اب بیچارے اسٹار پر ایک اور مصیبت پڑی۔ اتنی فلموں سے اتنا روپیہ آنے لگا کہ اگر سب انکم ٹیکس والوں کے سامنے ظاہر کر دے تو ٹیکیں در ٹیکس لگ کر سب نکل جائے گا اس لئے کالا روپیہ یعنی بغیر رسید کے روپیہ کا فیشن چل پڑا۔ اب خود مختار ڈائرکٹر پروڈیوسر کو پروڈکشن کے دوسرے جنجالوں کے ساتھ جھوٹی رسیدیں بنانے کی ذمہ داری اور لینی پڑ گئی۔

دو بالی کی کامیابی کا جشن منانے میں وہ عہد و پیمان جو املی کے پیڑ کے نیچے بیٹھ کر کئے تھے۔ انھیں نبھانے کی فرصت ہی نہ ملی۔

دو بالی کی کامیابی میں کچھ منگلا کا بھی دخل تھا۔ فلم کے گانے ہی اُس کی جان

تھے جو منگلا نے گائے تھے اور ان میں کلیجہ نکال کر رکھدیا تھا۔
باقی بناتے وقت دھرم دیو ایک گمنام اسسٹنٹ تھا۔ وہ سال کا کامیاب ترین ڈائرکٹر نہ تھا اور اب اس کا نام سارے ملک کے گلی کوچوں میں پوسٹروں پر لکھا تھا۔ فلم انڈسٹری میں اُس کا نام گونج رہا تھا۔ کچھ لوگ حسد کی آگ میں سُلگ رہے تھے۔ ڈسٹری بیوٹر اُس کے نام کی مالا جپ رہے تھے اور منگلا؟
منگلا نے دو دن سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ ٹیلی فون کر کے ہار گئی۔ دھرم جی کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ کہانی پر بیٹھے ہیں۔
ایسی تیسی کہانی کی، جاؤ بیٹھو کہانی پر یا چاہے میری سمادھی پر بیٹھو۔ اور جب دھرم کو پتہ لگا تو وہ ننگے پیر پر بھاگا آیا۔
"منگلی —— میری جان —— میری روح ..... میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے۔" اُس نے آتے ہی اپنا سر منگلا کی گود میں رکھ دیا۔ اپنا فاقہ بھول کر وہ اُس کی کنپٹیوں پر بام ملنے لگی۔
"اوہ۔ یہ لوگ مجھے پاگل کر دیں گے۔"
"وہ تو تم پہلے ہی ہو چکے ہو۔"
"ریتا کہتی ہے کہانی لڑکی کی ہونا چاہیے۔"
"تو پھر اڑچن کیسی؟"
"پرکاش کہتا ہے ریتا کو مارو گولی، کوئی نئی چھوکری ڈال دو اور سیکس اپیل پر کیش کرو۔"
"واہ۔ اور چھوکری کے کپڑے تو کیا کھال بھی اُتروالو، چوں نہ کرے گی، بلکہ احسان مانے گی۔" منگلا نے تیر مارا۔ "کپڑا کم ہیروئن زیادہ۔ فائدہ ہی فائدہ!"
"اور سنسر کو جا کر تم سمجھاؤ گی؟"
"تمھیں کتنا سمجھا لیا جواب سنسر کو بھی سمجھاؤں گی۔"
"منگلی خفا ہو؟"
"اگر کہوں ہاں، تو؟"

"منگلی ...... ناگپور کے پاس تیاجی کی ساٹھ بیگھہ زمین ہے۔ چل وہاں املی کے پیڑ بہت ہیں۔ بس چھاؤں میں لیٹیں گے ......" دھرم اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ جیسے اسی دم چل پڑے گا۔

"اور املی کے تتے پر ڈنڈ پیلیں گے۔" منگلا نے جملہ پورا کردیا۔

"اوہ!" منگلا کی موسی دروازے پر کھڑی تھی۔

"نمسکار موسی۔" دھرم نے اس کے پیر چھونے کی دھمکی دی۔

"مجھے یہ منہ دکھیے کی باتیں نہیں بھاتیں۔ تین دن سے مورکھ نے ایک چاول کا دانہ نہیں ڈالا منہ میں۔ اب ہی نقیں چھٹی۔"

"موسی، کام کر رہا تھا کہ ٹھالو بیٹھا تھا" مگر موسی کے ڈانٹنے پر اُسے پیار آنے لگا۔ کوئی تو اُسے اپنا سمجھے۔ پیار سے بام ملے۔ سب شکوہ شکایت بھول جائے۔ چاہے اس کی موسی ڈانٹ بھی نباتے۔

کتنا پیار تھا موسی کی پھٹکار میں!

اور بالی کے ڈائرکشن کا موقعہ ملنے سے پہلے ہی موسی اس سے میٹھی میٹھی باتیں کرتی تھی، میٹھی میٹھی گولیاں، اندر کوتین! منگلا کو اس سے ملنے پر پھٹکار پڑتی تھی! بھائی اس کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے، تیاجی آتم ہتیا کی دھمکیاں دے رہے تھے۔

آج اُسے اپنوں جیسے طعنے دیئے جا رہے ہیں۔ جس کے غارت ہونے کی دعائیں مانگی جاتی تھیں، اس سے نہ آنے کی شکایت ہو رہی ہے۔ کیونکہ اب وہ مشکوک انڈا نہیں، چاق و چوبند چوزا ہے! اب اس سے شادی کے لئے تقاضے ہو رہے ہیں۔ منگلا کا بھائی پروڈیوسر بننے کی سوچ رہا ہے۔ کئی دفعہ کہہ چکا ہے کہانی سن کر پاس کردو تو آرٹسٹ سائین کروں۔

وہ دیر سے آتا ہے تو منگلا سے زیادہ اب اس کا کنبہ دھرم دیو کے فراق میں بے حال ہوتا ہے۔ کبھی اس سے ملنے پر چار چوٹ کی دھمکیاں دی جاتی تھیں۔ آج اُسے چوگنی ملامتیں اس بات پر سننی پڑتی ہیں کہ وہ اُسے پھانس کیوں نہیں سکتی۔ دھرم دیو ہاتھ سے نکل جائے گا۔ بھولی بھالی معصوم لڑکی سے بازاروں

جیسے ہاتھ کھلوائے جا رہے تھے۔ جیسے پیار اور دوستی نہیں کبوتر پھانسنا ہو۔
کہنے سننے سے منگلا کے دل میں تھی پھانس کھٹکنے لگی تھی۔ وہ طبیعت کا ہرجائی تو تھا ہی۔ منگلا کے بعد اگر کسی پر اس کا دل ٹھہرا تھا تو وہ رتنا ہی تھی۔ ویسے املی کے پیڑ کے نیچے بیٹھنے والوں میں منگلا کی سب سے بے تکلف سہیلی بھی رتنا ہی تھی۔

مگر یہ فلم لائن ہے۔ یہاں کوئی کسی کا دوست نہیں۔ موقع سب سے بڑا دوست ہوتا ہے، دھرم دیو کی پوزیشن اب اور تھی۔ وہ چڑھتا سورج تھا۔ اور ورماجی ڈھل رہے تھے۔ رتنا جب بمبئی آئی تھی تو کوئی اُسے کوڑی کی تین نہیں پوچھتا تھا۔ کمسن تو تھی۔ مگر حسین نہ تھی۔

"ناک طوطے جیسی ہے۔" کہیں سے جواب ملتا۔

"ٹھوڑی سپاٹ!"

مگر اداکاری اُس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ ہیروئن کو اداکاری کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے پاس تو بس صورت ہو اور بھرا لو پُر جسم جسے توڑ مروڑ کر فلم بنالو۔ پبلک کا دل گرم!

رتنا کسی بے وقوف سے لڑکے کے ساتھ فلم کے شوق میں بھاگ لی تھی۔ وہ ٹھوکریں نہ برداشت کر سکا اور واپس چلا گیا۔ فلم لائن کا راستہ یک طرفہ ہوتا ہے۔ واپسی کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جب وہ ہر طرف سے نا اُمید ہو گئی۔ اس نے شیر کے منہ میں سر دے ہی دیا۔

"وہ بڑا سور ہے۔ داشتہ بنا کے رکھے گا۔" سب نے رتنا کو سمجھایا، ڈرایا مگر اور پھر راستہ ہی کون سا رہ گیا تھا۔ اتفاق سے اُنھیں دنوں ورماجی خالی ہوئے تھے، اُن کی تراشی ہوئی ہیروئن ہٹ ہو گئی اور ان کے کندھے پر پاؤں رکھ کے آسمان کا تارہ بن گئی۔ زخم تازہ تھا اور مرہم کی سخت ضرورت تھی۔ اُنھوں نے ریزہ ریزہ رتنا کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹا۔ بار بار چوٹیں کھا کر انہیں کچھ زخموں سے پیار ہو چلا تھا۔ مستقبل کی ایسی تیسی، اُنھوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ رتنا ہیرا ہے فلم انڈسٹری گدھوں کی بستی ہے۔ اُسے بام عروج پر پہنچانے کے لئے گھٹنے ٹیک

دیے۔ گڑیا کی طرح اُس سے کھیل کھیل کر ایسی فلم بنا ڈالی کہ ریتا فضاؤں میں تیرنے لگی۔ دھڑا دھڑ معاہدے ہونے لگے۔ ورماجی سے کوئی لکھا پڑھی نہیں ہوتی تھی۔ نہ کبھی اُنہوں نے اور ریتا نے کوئی ضرورت محسوس کی تھی۔ وہی اُس کی نئی گرما گرم بزنس سنبھالے ہوئے تھے۔ کہانی سُن کر فیصلہ کرتے، روپیہ وصُول کرتے۔ غرض کہ پردوں میں چھپائے رہتے۔ ورماجی کی بیوی کو بھی زیادہ اعتراض نہ رہا۔ میاں بیوی کا رشتہ تو ورماجی کی پہلی فلم ہٹ ہوتے ہی ختم ہو گیا تھا۔ اور اب تو بس وہ چیک بُک کی حیثیت رکھتے تھے۔ گو وہ اُس کی کمائی کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے پھر بھی بوئی کھیتی کاٹ رہے تھے۔ ریتا ان کی نئی فلم میں فل کوآپریشن دے رہی تھی۔ جس فلیٹ میں وہ بیوی سے الگ ہو کر ریتا کے ساتھ رہتے تھے اس کا کرایہ بھی خود ہی دیتے تھے۔

ریتا کے فلم اسٹار بنتے ہی اُس کے خاندان کو ایک دم اس پر پیار آ گیا۔ پہلے تو بہن اور بہنوئی ملنے آئے۔ ریتا کی خاک میں رُلی ہوئی عزت کو سہارا مل گیا۔ وہ ان کے قدموں میں بچھ گئی کہ پیاری بہن کو راندۂ درگاہ بہن کا خیال تو آیا۔ اُس نے صندوق بھر بھر کے سارے کنبے کو تحفے بھیجے۔ بہن دو ماہ بعد پھر لوٹ آئیں۔ بمبئی میں ان کا بے طرح جی لگ گیا۔ اُن کے ساتھ ماں بھی بیٹی کی جدائی نہ برداشت کر کے آ گئیں۔ دو چار ماما چاچے بھی آ گئے اور رہ پڑے اب وہاں گاؤں میں بھلا کس کا جی لگتا۔

ورماجی اپنے ہی فلیٹ میں اجنبی ہو گئے۔ بہنوئی نے ہوکے میں آ کے اُلٹے سیدھے سب کانٹریکٹ لے لئے بغیر ورماجی کی رائے لئے۔ وہ بہت چیخے چلائے مگر کچھ نہ کر سکے۔ اُنہیں ریتا کے ساتھ سونے کا شوق تھوڑی تھا۔ وہ تو اُس کے ساتھ گڑیا کی طرح کھیلا کرتے تھے۔ کاروبار کی اُلجھنیں، بیوی کی زیادتیاں، دوستوں کی بے وفائیاں وہ ریتا کے قہقہوں میں ڈبو دیا کرتے تھے، اب جو گھر میں تو گرگی بھرتی جمع ہوئی تو خون کا سا گھونٹ پی کر کچھ دن تو جھیلتے رہے پھر ریتا سے کہا "ان کا پتہ کاٹو۔ تحفے دے دلا کے دفعان کرو۔"
ریتا کا کلیجہ پھٹ گیا۔ ہائے کس جتن سے تو روٹھا کنبہ منایا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ادھر خاندان والوں کا تقاضا تھا کہ یہ کیوں جان کو لگا ہوا ہے؟ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ کی بدنامی ہوتی ہے سو الگ، ویسے ہی کمروں کی کمی ہے۔ اُوپر سے یہ ڈٹا ہوا ہے۔

اور تو رتیا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ایک دن بائی کی شوٹنگ کے زمانے میں دھرم دیو کے کندھے پر سر رکھ کے خوب پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ دھرم دیو دل کا کچا ہل کے رہ گیا۔
تم دوسرا فلیٹ لے لو بس ٹھیک ہو جائے گا۔" اُس نے ساری روداد سن کر فیصلہ کیا۔ اور شام سے پہلے پہلے نئے فلیٹ کی چابی رتیا کو پکڑا دی۔

مگر ورما جی بُری طرح پھیل پڑے۔
وہ تو سمجھتی کیا ہے۔ مٹھی بھر دھول آج میری بدولت آکاش پر چھا رہی ہے۔ تو کہتی ہے میں طوفان ہوں۔ میں بنانا جانتا ہوں تو بگاڑنا بھی جانتا ہوں۔ ایسی کی تیسی کر کے رکھ دوں گا۔ سارے کانٹریکٹ نہ کٹوا دیے تو اندرجیت ورما نہیں بھنگی ایڑی آئی خاندان والی۔"

رتیا تھر تھر کانپنے لگی۔ ورما جی کو وہ دیوتا سمان سمجھتی تھی۔ واقعی وہ ان کے ہاتھوں کا کھلونا تھی۔ تب نئی نئی تھی نا۔ سمجھتی تھی واقعی ورما جی اُسے خاک میں ملا دیں گے۔ اُسے یہ نہیں معلوم تھا کہ ورما جی خالی ڈھول تھے۔ یہ اُسے انڈسٹری میں رہ بس کے معلوم ہوا، اس لئے اس وقت تو اس نے وعدہ کر لیا کہ صرف دکھاوے کو وہ نئے فلیٹ میں رہے گی ویسے اس کا تمام خالی وقت وہیں

گزرے گا۔ یوں بھی گاڑی چلتی رہی۔
مگر ایک اُفتادہ آن پڑی۔ فلیٹ اور ورما جی سے جھگڑے کی خبریں نمک مرچ لگا کر لوگوں نے منگلا تک پہنچائیں۔ کچھ اخباروں میں بھی دونوں کے نام بہت ساتھ ساتھ آ رہے تھے۔ ورما جی دھرم دیو کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔
صبح سے منگلا جلے پاؤں کی بلی کی طرح بے کل گھر کے ایک کمرے سے دوسرے کمرے کا چکر کاٹ رہی تھی۔ ماں کے اور بھیا کے اصرار پر اُس نے دو تین بار دھرم دیو کو فون پر یاد دہانی کی تھی کہ آج رات درگا پوجا ہے جس میں اُس کی شرکت از بس لازمی ہے۔ اگر آج وہ سب کام چھوڑ کر نہ آیا تو پھر منگلا سے ہاتھ دھو بیٹھے، ساری

عمر صورت نہ دکھائے گی۔

بڑی مشکل سے وہ ہلا اور دیر تک پیار کی باتیں کرتا رہا منگلا کا انگ انگ ہمک اُٹھا۔ سارے شک شبے دل سے دُور ہو گئے۔ وہ اس کا ہے اور دُنیا کی کوئی طاقت انہیں جُدا نہیں کر سکتی۔ آج کی پُوجا میں وہ بحیثیت منگلا کے منگیتر کے سارے خاندان کے ساتھ شریک ہوگا۔ اب بات بکھرنے کی حدوں کو پار کر چکی ہے۔ وہ تو اُسے اپنا مان ہی چکی تھی، خاندان والے بھی سویکار کر لیں گے۔ اور دُرگا میّا کا آشیرواد مل جائے گا۔ بس دکھاوے کے سات پھیرے رہ جائیں گے۔

"بھئی اب دھرم جی بڑے آدمی ہو گئے ہیں۔ ایر کنڈیشنڈ آفس میں دن بھر چھوکریوں کے انٹرویو لیتے ہیں، ما مجھے تو لگتا ہے اُن کی نیت ڈانوا ڈول ہو رہی ہے۔ اور پھر ریتا لاکھ کی ہیرو تن ٹھہری۔"

ابھی تو ٹیلی فون پر کانوں میں رس گھول رہا تھا، اور بھیا کی باتیں سُن کر پھر کڑوے کسیلے شبہات بس گھولنے لگے۔ آدھ گھنٹے تک ٹیلی فون کھٹکھٹاتی رہی۔ معلوم ہوا انگیج ہے! گھر میں مہمان آنے لگے مٹھائی اور پھل پھول کی تالیاں سجنے لگیں۔ بچے سیڑھیوں پر دھما چوکڑی مچا رہے تھے۔ بڑی سر ماری کے بعد دفتر کا نمبر ملا۔ معلوم ہوا کہ ابھی ریتا دیوی کو موٹر تک پہنچانے گئے ہیں۔

پندرہ منٹ بعد پھر فون کیا۔ معلوم ہوا ابھی نہیں لوٹے۔

پھر فون کیا۔ ہاتھ بُری طرح لرز رہے تھے۔ اب کے دھرم دیو کی میٹھی آواز کان میں پڑی تو منگلا کی زبان تالو سے چمٹ گئی۔ اپنے شکّی دل پر بہت غصّہ آیا۔

"کیا ہے منگو یار؟"

"آ رہے ہو نا پُوجا میں؟"

"پُوجا؟"

"ہاں..... دُرگا پُوجا ہے نا"

"اوہ!" دھرم دیو کی آواز بُجھ گئی۔ "وہ بات یہ ہے منگلا تھوڑا سا کام نکل آیا۔"

"تو تم نہیں آؤ گے!"

"آؤں گا تو، پر شاید دیر ہو جائے گی۔"

"پوجا کا سمے بیت جائے گا تب؟"

"مگر منگلا بات یہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ سنو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو منگلا۔"

مگر منگلا نے ٹیلی فون پٹخ دیا اور کہنی میں سر دے کر میز پر جھک گئی۔

"نہیں آرہے ہیں؟" بھتیا نے تیر مارا۔

"کہتے ہیں شاید دیر ہو جائے گی۔ آئیں گے تو سہی۔"

"دیر تو ہو گی ہی کبھی جلدی بھی ہوئی ہے۔ ایک پکچر ہٹ ہوئی تو دماغ ساتویں آسمان پر چڑھ گیا۔"

"تو فون ملاؤ میں بات کروں گی۔" ماں پلّو سے ہاتھ پونچھتی لپکیں۔

"نہیں، کسی کی بنتی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ماں، آتے ہیں آئیں نہیں آتے نہ آئیں۔ وہ تو بس خوشامد کی لت پڑ گئی ہے انہیں۔ شیلا کا ٹیسٹ لینے کو کہا تو ٹال گئے "شریف لڑکیوں کے لئے یہ لائن اچھی نہیں۔" شیلا پر بھیا بری طرح ریجھے ہوئے تھے۔

پوجا کا وقت ہو گیا ہے۔ سب کو دھرم دیو کا انتظار ہے، بار بار سب کی نظریں منگلا کی طرف اٹھتی ہیں۔ وہ چور سی بیٹھی ہے۔ کاش وہ سمے کو مٹھیوں میں بھینچ سکتی۔

سات، ساڑھے سات، آٹھ پھر نو! کوئی نہ آیا۔

گیارہ بج گئے، مہمان جا چکے تھے مگر منگلا دروازے سے پیٹھ لگائے چوکھٹ پر بیٹھی تھی۔ جیسے ہر پتی ورتا عورت اپنے لااُوبالی پتی کے لئے انتظار میں بیٹھا کرتی ہے۔ پر ابھی تو وہ کنواری ہے۔ شادی کے بعد کیا ہوگا؟

اگر کیشو بھی ناکام لوٹا تو؟

مگر کیشو ناکام نہیں لوٹ سکتا۔

کیشو دھرم دیو کا سب سے اہم چمچہ تھا۔ وہ منتی ٹاکیز میں کانٹین میں تھا اور اپنے کھانے میں دھرم دیو کا ادھار لکھوا لیا کرتا تھا۔ کتنے سگریٹ پلائے تھے، پان کھلائے تھے، آملیٹ ٹھنسائے تھے، یہ دھرم دیو نہیں بھولا تھا جب اس

کا پہلا کانٹریکٹ ہوا تو کیشو اس کے ساتھ آ گیا۔ کوئی خاص کام اس کے ذمّہ نہیں تھا۔ وہی سگریٹیں پلانا، آملیٹ تلوانا، ورلی ناکہ سے بڑے لگوا کر لانا، مگر اب پیسے دھرم دیو کی جیب سے آتے تھے۔ وہ سائے کی طرح اس کے گرد منڈلاتا رہتا۔ باتھ روم میں بھی جاتا تو وہ باہر پہرا دیا کرتا۔ اگر منگلا اُسے ناپسند ہوتی تو دھرم دیو کی مجال نہیں تھی کہ اس سے راہ و رسم بڑھاتا مگر اُس نے منگلا کو بہن بنایا ہوا تھا۔ اس سے بہتر گھر والی دھرم دیو کے لئے نہیں مل سکتی۔ کوئی تو منہ اور گھوڑے کی لگامیں کھینچتا رہے۔ دھرم دیو ہی نہیں بہت سے اس کے دوست پروڈیوسر بھی کیشو سے مرعوب تھے۔ اگر کوئی ذرا بھی اس سے اکڑفوں کرتا وہ فوراً اس کا پتا کٹوا دیتا۔ ایمان دار ہی نہیں تھا بلکہ دوسرے چمچوں کی ساکھ بگاڑنے کے لئے وہسکی کی بوتلیں جیب سے دام بھر کے سستی لاتا۔

لوگوں نے دوگنی تگنی تنخواہ دے کر اسے دھرم دیو سے توڑنا چاہا مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔

"دھرم جی تو مجھے کوڑی نہ دیں اور جوتے مار کے نکالیں تب بھی نہیں چھوڑنے کا۔" جب دھرم جی یہ باتیں سنتے تو پھول کر غبارہ ہو جاتے۔ نہ جانے کتنے سال انڈسٹری میں گزارے کبھی چھوکری نوکری کے پھندے میں نہیں پھنسا۔ اپنی نہایت گھریلو سی بیوی اور تین بچوں کے ساتھ اسی پرانے دادر کے گھر میں رہتا تھا کبھی شراب کی ایک بوند بھی نہ چکھی۔ حالانکہ ہر وقت بوتل پاس رہتی تھی، نہ جانے کون کب مانگ بیٹھے۔ اس کی واحد کمزوری بس دھرم دیو تھا۔ نہ جانے ایسا عجوبہ انڈسٹری میں کیوں اور کیسے زندہ تھا۔ منگلا جانتی تھی کہ وہ دھرم دیو کے لئے جھوٹ بولنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ چاہے وہ پینے پلانے کی پارٹی میں ہو حق کر رہا ہو جب اُس سے پوچھو یہی کہتا ہے۔ "کہانی پر بیٹھے ہیں۔ ٹرائیل ہو رہا ہے، ٹیونیں سن رہے ہیں۔" بعد میں دھرم دیو خود قبول دیتا تو وہ بات بنانے لگتا کہ دھرم جی تو بس بیٹھے تھے ایک بوند بھی نہیں پی۔"

بالکل سگی بیوی کی طرح وہ دھرم دیو کی دیکھ بھال کیا کرتا۔ کہیں وہ کسی پھڈے میں نہ پڑ جائے۔ اُبھرتے سورج پر اِدھر اُدھر کے بادل منڈلانے لگتے ہیں۔ سیاہ گھنگھور بادل۔ رندھیر اس کی نئی سکریپٹ پر کام کر رہا تھا بڑا اول جلول آدمی

تھا۔ اس کی باتوں میں دھرم دیو آجاتا تو کیشو کو تبانا بھول جاتا۔ تب وہ شکی بیوی کی طرح تمام میں بولایا پھرتا۔ جب وہ لوٹتے اور پتہ چلتا کسی خطرناک جگہ نہیں صرف ناریل کا پانی پینے یا نکڑ کی دوکان پر پان کھانے گئے تھے تو اس کی جان میں جان آتی۔

کوئی بارہ بجے کیشو لوٹا۔ منگلا اُسے دیکھ کر بے تعلق سی ہو بیٹھی

"کل دس بجے برمن صاحب موہن اسٹوڈیو میں پہنچ جائیں گے ریہرسل کے لئے گاڑی لے آؤں؟"

منگلا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھنے لگی۔ اُس نے تو کمبخت کو دھرم دیو کی کھوج میں بھیجا تھا۔ یہ کیا بے پر کی اُڑا رہا ہے "وہ کہاں ہیں؟" اُس نے چڑ کر پوچھا

"اُنھوں نے مجھ سے کہا ہم جا رہے ہیں تم برمن صاحب سے ریہرسل کا ٹائم پوچھ کر دیدی کو بول دو۔ میرے سامنے وہ اور رندھیر صاحب موٹر میں بیٹھے۔ اور ..... وہ........ وہ کوئی بہانہ ڈھونڈنے لگا "شاید گھر جا کر سو گئے۔"

"وہاں نہیں پہنچے۔ فون کیا تھا۔" منگلا جرح کرنے لگی۔

"تو.... تو..... پھر....." وہ مجرموں کی طرح قائل ہو گیا۔

"کہاں ملے تھے؟"

"وہ رندھیر صاحب کے ساتھ..... رتنا دیوی کو کہانی سنانا تھی۔"

"رندھیر خود آٹھ بجے سے فون کر رہا ہے۔"

"تو..... دیدی میں ابھی جا کے دیکھتا ہوں...."

"کوئی ضرورت نہیں۔"

"ٹیکسی کئے لیتا ہوں، فون کر دوں گا۔"

"کہا نا تم سے، کوئی ضرورت نہیں۔" منگلا نے ڈپٹ بتائی اور کیشو گردن جھکائے کھسک لیا۔

وہ خاموش بیٹھی سپاٹ دیوار کو گھورتی رہی۔ پھر دبے پاؤں پنجوں کے بل چلتی گئی۔ ٹیلی فون اٹھایا۔ ایک بار اور قسمت آزمانے میں کیا ہرج ہے؟

"ہلو" اُدھر سے کوئی بولا..... "کس کو مانگتا۔" لڑکھڑاتی ہوئی آواز آئی۔ پھر ایک نقری ہنسی کی جھنکار گونجی اور ٹیلی فون کا سلسلہ کٹ گیا۔

چند لمحوں تک وہ احمقوں کی طرح رسیور پکڑے بیٹھی رہی۔

کتنا سناٹا تھا بتی پچھلے پہر کیسا غافل سو جاتا ہے۔ پڑوس میں کسی بیوقوف نے کسی کا نل بند نہیں کیا تھا۔ کے گھنٹے سے یہ آواز اُس کے کانوں میں برپا کر رہی تھی۔ اُس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا پہلی منزل سے زمین کوئی آٹھ دس فٹ ہو گی۔

دُور کہیں املی کے پتے سسکیوں کی طرح چبوترے کی ٹھنڈی اینٹوں پر گر رہے تھے اور کوّوں کی چیخیں اُس کے دماغ میں بھر گئیں۔

"دھرم جی..... اُٹھئے..... اُٹھئے تو۔" کوئی اس کا شانہ مسلسل پکڑ کر ہلائے جا رہا تھا۔ بڑی مشکل سے وہ کنوئیں کی تہہ سے اُبھر کر اُوپر آیا۔ وہ ویسے ہی کپڑے پہنے صوفے پر آڑا گرا ہوا تھا۔ درد کی ایک سلاخ دماغ میں گہری اور گہری اُترتی جا رہی تھی۔

"دیدی..... ہسپتال....." کیشو کہے جا رہا تھا..... وہ ہڑبڑا کر ایک دم بالکل جاگ گیا۔

"کیوں کیا ہوا؟..... کیوں ہسپتال؟"

"ٹنکچر کی شیشی پی لی..... ماں جی کی آنکھ اتفاق سے کھل گئی....."

دھرم نے اس کی پوری بات بھی نہیں سنی اور بھاگا۔

شام کو کہیں جا کے یقین ہوا کہ منگلا کی جان خطرے میں نہیں رہی۔ دھرم دیو ایک منٹ کے لئے بھی ہسپتال کے برآمدے میں پڑی ہوئی بنچ سے نہیں ہلا۔ اگر منگلا کو کچھ ہو جاتا تو وہ چپکے سے اُٹھ کر باہر چلا جاتا اور کسی موٹر کے سامنے آ جاتا۔ وہ اس کے بغیر ایک پل بھی جینے کو تیار نہیں۔ وہ خودکشی کے سینریو لکھتا رہا، مٹاتا رہا۔ بڑی مشکل سے لوگ اُسے گھسیٹ کر گھر لے گئے۔

دوسرے دن منگلا کو گھر لے آئے۔ مگر ابھی اسے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ سارا کام کاج ایک طرف پھینک کے وہ منگلا کے دروازے میں دھرنا دے کر بیٹھ گیا تھا

پیاسا اور مجسم سمِ صبر و شکر کا مجسمہ۔ یہاں تک کہ دشمنوں کے دل بھی پسیج گئے۔
جوں ہی منگلا کی طبیعت ٹھیک ہوئی دونوں کی شادی ہو گئی۔
ہوٹل کی ہزار بار اونٹی ہوئی چاہے پینے والے کو اگر بڑے میں نفیس نیلگری کی پتیاں کیتلی میں دم کرکے ملیں تو اس چائے میں وسکی جیسا نشہ ہوتا ہے۔
دھرم دیو کی کہانی پر کام کرنے بیسیوں بار جہاں پیتو آچکا تھا۔ وہاں اونٹی ہوئی چائے سے بھی زیادہ اونٹی ہوئی چھوکریوں کا لنگر بھی بٹا کرتا تھا۔ مگر دھرم دیو کبھی اس لنگر سے سمجھوتہ نہ کر پایا۔ اس نے بہت اپنے دل کو دھوکہ دینے کی کوشش کی بدمزاق آبرو باختہ لڑکیوں پر ایک رات کے لئے عاشق بھی ہونا چاہا۔ گرم اور ٹھنڈی ہوئی مرغی کے بل ٹوٹتے پر گرو دیو کی گیتا سنجلی اور شرت بابو کی میج دیدی پر تبادلہ خیال بھی کیا۔ مگر اُن کی کھوکھری بکسی ہوئی ہنسی نے ہمیشہ آنکھوں میں آنسو بھر دیئے۔
دیس دیو ہوٹل کی پُر سکون فضا میں منگلا کا پیار اور عبادت کا سا تقدس لئے ہوئے تھا۔ ان حسین لمحوں کے بغیر وہ اب تک کیسے زندہ تھا۔ کیا حماقت ہے انسان اپنا کتنا وقت شہرت اور دولت کے پیچھے بھاگنے میں ضائع کر دیتا ہے۔ دھرم دیو نے بڑی سنجیدگی سے فیصلہ کیا کہ آئندہ وہ صرف ہنی مون ہی منائے گا ایک مسلسل کبھی نہ ختم ہونے والا ہنی مون۔
لیکن پانچویں روز سے ہی لوگوں نے ان خلا میں کھوئے کھوئے پریمیوں پر کمندیں پھینکنا شروع کر دیں۔ ہوشیار اور چابک دست ڈائرکٹر چھ دن کی شوٹنگ چار دن میں ختم کر سکتا ہے۔ کیا ہنی مون کے آٹھ دن کچھ تھوڑی سی ایڈیٹنگ سے سکڑے نہیں جا سکتے۔ ساری عمر ہی پڑی ہے چومنے چاٹنے کو کوئی بھاڑے کا مال تو ہے۔ نہیں کہ خان اُسے ایک نشست میں نمٹائے۔ دہلی۔ یو۔پی کے ڈسٹری بیوٹر انتظار کر رہے ہیں۔ جنوبی ہند سے جو چیک آیا ہے اُس کے بل بوتے پر خام فلم کا آرڈر بک کرنا ہے۔ اسٹوڈیو کی تاریخ طے کرنا ہے۔ اوّل نمبر اسٹیج پھر گھر جانے کا خطرہ ہے۔ وہاں ٹریفک جام ہو رہا ہے اور آپ ہنی مون منا رہے ہیں۔ آٹھ دن میں تو بادشاہتیں لوٹ پوٹ ہو سکتی ہیں۔ روز کتنے محل ڈھے جاتے ہیں۔ زبانی فلمیں بنتی ہیں۔ اور بگڑ جاتی ہیں۔ یہ لائن ایسی نہیں کہ اسے کلیجہ چھوڑ دیا جائے۔ ذرا سی غفلت سے پھنسی چڑیا اڑ بھی سکتی ہے۔ کیا خبر کسی دوسرے جال میں جا پھنسے۔ آخر

کتنی ہنی مون باقی رہ گئی ہے ۔ایک سیٹ پر تھوڑا سا کام رہ جاتے تو پھر کٹ لگوا کر پورا کر لیتے ہیں۔ ہنی مون ہی تو ہوا موت اور زندگی کا سوال تو نہیں ۔

"میری مانو تو یہاں سے سیدھے ناگ پور چلیں۔ بس وہاں املی کے پیڑ کے نیچے پیار کریں۔" دھرم دیو نے منگلا کو مشورہ دیا۔ اس کی وجہ سے کتنی فلموں کے گانوں کی ریکارڈنگ رکی پڑی تھی، چھٹے روز کچھ منچلے فوٹوگرافر اور جرنلسٹ دولہا۔ دلہن کی تازہ ترین تصویریں لینے پہنچ گئے۔ ان سے جان چھوٹی تو کسٹم ڈاک کا تھیلا اور پھلوں کا ٹوکرا لے کر ان دھمکا۔ وہ دفعان ہوا تو ہنی مون کچھ کرکرا سا ہو گیا۔

شادی دھرم دیو کو راس آئی اور اس کا شمار فلم انڈسٹری کی قسمت بنانے والوں میں ہونے لگا۔ پہلے بیٹے کی پیدائش پر جو فلم ریلیز ہوئی وہ سپر ہٹ ثابت ہوئی۔ لوگ اس کے نام کی قسمیں کھانے لگے۔ دھرم دیو کی پوجا شروع ہو گئی۔

دھرم دیو ٹکنیک
دھرم دیو ٹچ
دھرم دیو اسٹائل۔

"دھرم دیو مگھئی پان کا دلدادہ ہے۔" ورلی ناکہ کے پان والے کی دوکان ہٹ ہو گئی۔

"دھرم دیو جوہو ہوٹل میں بیٹھ کر اسکرین پلے تیار کرواتا ہے۔" جوہو ہوٹل میں کمرہ ملنا مشکل!

دھرم دیو کا درزی، آم والا، ناریل پانی والا، چاٹ والا، منگلا کا سنار، بنارسی ساڑیوں والا، چوڑی والا، اگر دھرم دیو کی ہٹ فلم کی ریلیز سے پہلے وہ اتفاق سے کہیں کیچڑ میں پھسل پڑتا تو تمام ہوشیار پروڈیوسر کیو بنا کر اس کیچڑ میں پھسلنے لگتے اور اس کی مٹی تبرک بن جاتی۔

شادی اور بچوں میں ڈوب کر منگلا نے کام چھوڑ دیا۔ صرف دھرم دیو کی فلم میں گانے گاتی۔ دوسرے بیٹے کی دفعہ منگلا کچھ بیمار ہو گئی، اس لئے فلم کی ریلیز پر دھرم دیو اکیلا ہی دہلی، کلکتہ، مدراس اور حیدرآباد کے ٹور پر گیا۔ جہاں وہ جاتا ڈسٹری بیوٹر اس کے اعزاز میں ہنگامہ کھڑا کر دیتے۔ فلم سٹار سے بھی کچھ بڑھ چڑھ کے پبلسٹی کی جاتی، لوگ اس کو گھیر لیتے۔ شوقین لڑکے اور لڑکیاں شوہروں سے اکتائی ہوئی حسینائیں، بگڑے نوابوں

راجاؤں کی بگڑے دِل لڑکیاں، اسکولوں کالجوں میں فیل ہونے والے طلبا، پیشے سے تنگ آئی ہوئی رنڈیاں سب یہی چاہتے تھے کہ جادو کی چھڑی سے وہ انہیں بھی آسمان پر پہنچا دے۔ بمبئی ٹاکیز کے احاطے میں لگے املی کے پیڑ والے چبوترے پر بیٹھا ہوا وہ جھینپا شرمایا کمسن لڑکا کب تک اپنا مقام نہ پہچانتا۔ اُس کی پسند اور ناپسند انڈسٹری کا ایمان بن گئی تھی۔ اُس نے جسے ہاتھ لگا دیا وہ سونا بن گیا۔

وہ ابھی تک وہ دن نہیں بھولا تھا جب وہ کامیاب نہیں ہوا تھا۔ ایک ناتراشیدہ ہیرا تھا جو منوں مٹی کے بوجھ تلے دبا پڑا تھا۔ اُسے محنتی اور شوقین نوجوانوں سے ہمدردی تھی۔ اُس نے اپنے کئی اسسٹنٹ اوّل درجہ کے ڈائرکٹر بنا دیئے۔ گمنام لوگوں کو چمکا دیا۔ اگر اُس نے کسی کو اس قابل نہ سمجھا تو اُس کا فیصلہ نصیب بن گیا۔ وہ کبھی نہ اُبھر پایا۔ اُس کے انتخاب پر لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ اُس کا نشانہ اُچوک تھا۔

دھرم دیو نے کچھ یوں ہی سا پڑھ پڑھا کر تعلیم چھوڑ دی تھی اور فلم کے چکر میں گھر سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ اُس کے دِل میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے بڑی عزت تھی، مگر ایک عجیب قِسم کی چڑ بھی تھی وہ ان کی بڑی بڑی ڈگریاں اور ادب کے میدان میں قدر و منزلت دیکھ کر بے حد مرعوب ہوتا تھا، لیکن فلمی سچویشن گڑھنے میں خود اس کی جیسی مہارت نہیں رکھتے تھے تو اُس کی اَنا کو بڑی تقویت ملتی۔

وہ فلم کا اسکرپٹ لکھنے کے لیے کسی بہت بڑی توپ کی ضرورت نہیں، بڑھئی کا کام ہے۔ جو بھی ذرا سیدھی کیل ٹھونکنا جانتا ہے۔ بہترین کہانی بنا سکتا ہے۔" اور پھر وہ تو پارس پتھر تھا۔ سدھیر بڑی سیدھی کیل اُتار لیتا تھا۔ اُس کی کئی ہٹ فلمیں لکھ چکا تھا ہر وقت کا ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔ دوستی بھی تھی اور کام بھی مرضی کے مطابق ہو جاتا تھا، مگر دھرم دیو مشکل پسند تھا۔ ایک دن ویسے ہی کچھ چڑا ہوا سا بیٹھا تھا۔ بڑے ہیرو سر بات میں دخل دینے کی پوزیشن پر پہنچے ہوئے تھے، اور روز دخل اندازی سے دھرم دیو کی شان کو بٹہ لگتا تھا کہ خود اُس کی پوزیشن کوئی معمولی نہ تھی۔ حالانکہ ڈائرکٹر کی اہمیت دن بدن کم ہو رہی تھی، وہ ان گنے چنے ڈائرکٹروں میں سے تھا جن کی اب کی ساکھ بندھی ہوئی تھی۔ سدھیر ایک ایک سین دس دس مرتبہ لکھ چکا تھا، مگر دھرم دیو منہ بسکار رہا تھا۔

"کچھ بات نہیں بنی مزہ نہیں آ رہا ہے۔" وہ ہر سین سن کر کہہ دیتا۔ دو دن پہلے وہ

بنگال کے ایک مشہور اسکرپٹ رائٹر سے ملا تھا، دماغ کچھ بلندیوں کی طرف پرواز کر رہا تھا۔

"آپ میری مجبوری پر غور نہیں کرتے۔ اصل میں یہ رول انڈسٹری کا کوئی ہیرو نہیں کر سکتا۔ میں ٹھوک پیٹ کر اس کے قد پر لباس فٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کوئی ڈھنگ کا ہیرو دیجئے۔ پھر آپ سین سُن کر پھڑک نہ اٹھیں تو جو چور کی سزا وہ میری۔" سدھیر نے چکر دیا۔

"اب انڈسٹری کے باہر سے کسے لایا جائے۔ نیا لڑکا......"

"آپ خود یہ رول کیوں نہیں کرتے۔"

"اماں گھاس کھا گئے ہو۔"

"کیوں؟ آپ جتنا اس رول کو سمجھتے ہیں نہ کسی بڑے ہیرو کو اتنی دلچسپی اور نہ ہی کچھ زیادہ فٹ ہوتا ہے۔ یہ "ہی مین" (HE MAN) کا رول ہے۔ کسی ڈھیلے ڈھالے ہیرو کے بس کی بات نہیں۔ اور پھر ناک نقشے میں بھی رئیسانہ رعب داب ہونا چاہیے۔ ہیرو ہے تو راج کمار...... اور آپ کو کوئی پکچر بیچنے کے لئے ہیرو لینا نہیں، آپ کی پکچر ویسے ہی ہاتھوں ہاتھ جاتی ہے۔ پھر ان کی اوندھی سیدھی کیوں جھیلیں۔ ہیروئن تو آپ ہمیشہ معمولی ہی لیتے ہیں، بس ساری مصیبت ہیرو کی رہ جاتی ہے۔"

"مگر......" مسکا کچھ کام کرنے لگا۔

"خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔ دیکھئے راج کپور کس ٹھاٹ سے فلم بناتا ہے کیا بات ہے اس میں؟ کون سا ہمفری بوگارڈ ہے۔ مگر دنیا دیوانی ہے۔ پوچھئے کیوں؟"

"اچھا ڈائرکٹر ہے اور......"

"اور رول اپنے اوپر فٹ کرواتا ہے۔ اُسے سمجھتا ہے، پسند کرتا ہے اور نبھاتا ہے۔"

دھرم دیو اب ویسا نازک اندام تو نہیں تھا جیسے ہوا کرتا تھا جسم بھر گیا تھا۔ دیکھنے میں ذرا گول مٹول سا ہو گیا تھا۔ پھر بھی سمندری ڈاکو کے لباس میں کچھ مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ چہرے کی قدرتی ملاحت اور نرمی گل مچھوں اور موچھوں سے بھی نہ دبی۔ فلم دھڑ سے گری، لیکن جو ڈسٹری بیوٹر اس کی اگلی فلمیں پہلے ہی سے خرید چکے تھے اور بھاری ایڈوانس بھر چکے تھے، انہوں نے اس فلم کو چپکے سے ہی دفن کر دیا۔

اور لائن ایسی گاڑی کہ کچھ پتہ ہی نہ چلا اور جلدی سے دوسری فلم کی دھوم دھام شروع کردی ۔ اس کا ہیرو بھی دھرم دیو تھا ۔ نہایت لچر سی بھونڈی کامیڈی تھی ۔ مگر گانے ایسے ہٹ ہوئے کہ شاید لوگوں نے آنکھ بند کر کے دیکھ لی اور ہٹ ہوگئی ۔ اور جو چیز ہٹ ہو جائے وہ جائز بلکہ لازمی ۔ ان دو تین غل غپاڑے کی فلموں سے وہ ہیرو تو بن گیا مگر صرف اپنی کمپنی کا ۔ باہر کوئی جوا کھیلنے کو تیار نہ ہوا ۔

بجائے باہر کے ہیرو کو پیسہ دینے اور اس کے نخرے سہنے کے دھرم دیو نے فلموں میں سکیس اپیل بڑھا دی ۔ گانے ناچ ، مار دھاڑ اور چھوکریاں بھر دیں ۔ پبلسٹی چوگنی کردی ۔ پھر فلم کو خوب دھوم دھام سے اٹھایا جاتا ۔ سینما میں گانوں پر پیسے پھنکوائے جاتے ۔ تالی مارنے والے بٹھائے جاتے ۔ یہی تالی باز جب کسی اور کی فلم ریلیز ہوتی تو وہاں ہوٹ کرنے پہنچ جاتے ۔

اس انڈر ہیڈ پبلسٹی کا انچارج کیشو بغیر پوچھے گچھے خود بن گیا تھا ۔ دھرم دیو کو تفصیل نہیں معلوم تھی ، کبھی تو اپنی لچر سی فلم کے ہٹ ہونے پر بڑی ناامیدی اور کوفت ہوتی ۔ پبلک کا مذاق کتنا بھونڈا ہے ۔ ہاں جہاں فلم ریلیز ہوتی وہ پبلسٹی کے لئے جانے میں کوئی عیب نہیں سمجھتا تھا ۔ اور ضرور جاتا تھا ۔ ڈسٹری بیوٹر وہاں بڑی شاندار دعوتیں اس کے اعزاز میں کرتے ۔

حیدر آباد میں اس کی نئی فلم کی ریلیز پر آئے ایرپورٹ سے پھولوں سے سجی موٹر میں لایا گیا ۔ رقص و سرود کی محفلیں جمیں ، شراب پانی کی طرح لنڈائی گئی ۔ اس نے ایک یتیم خانہ کا معائنہ کیا اور دس ہزار روپیہ کا عطیہ بھی دیا ۔ ایک حسن کے مقابلہ کی صدارت کی جس میں عین وقت پر عوام کے احتجاج پر شریف گھرانوں کی لڑکیاں غائب ہوگئیں ۔ صرف پیشہ ور خواتین آئیں ۔ ایک نئے سینما ہاؤس کا افتتاح بھی بڑی شان و شوکت سے ہوا ۔ کوئی تیلگو فلم تھی ۔ ربن کاٹنے کے لئے ایک چاندی کی قینچی پیش کی گئی ۔ تیلگو فلم بے انتہا طویل تھی ، بیچ میں وہ اونگھ بھی گیا مگر ناچ لاجواب تھے ۔

خاص طور پر وہ ایک دبلی پتلی لڑکی کو دیکھ کر تو وہ قطعی جاگ پڑا ۔

"یہ کون ہے ؟" اس نے کیشو کو مخبری کے لئے دوڑایا ۔

"مدراس کی کوئی لونڈیا ہے ۔ پہلے اسٹیج پر شو دیا کرتی تھی ۔ رتی بھر کام کی نہیں

ایک دم لکڑی کی طرح سوکھی۔" کیشو جانتا تھا دھرم دیو کو لالب قسم کی چھوکریاں پسند ہیں۔ اپنے گھر جیسی سوکھی ماری لڑکیوں کو کون دیکھنے آتا ہے؟ کھائی پی ہیروئن جچتی ہے۔ بس مقدار میں ڈھیروں ہونا چاہیے۔ پھر دھرم دیو کو یاد آیا کہ ایک سانولی سوکھی سی لڑکی کو کسی نے انٹرویل میں ملایا تھا مگر اس نے نوٹس نہیں لیا تھا آگے بڑھ گیا تھا۔

"معلوم کرو ہے یا گئی۔" اس نے کیشو سے کہا "وہ ابھی تو یہیں تھی۔ فلم کے پریمیر پہ آئی ہو گی۔"

شو کے بعد جب ڈنر پر وہی لڑکی ایک کونے میں سہمی ڈری نظر آئی تو وہ اچھل پڑا۔

"وہ ... وہ دیکھو، وہی ہے نا۔" اس نے کیشو کی پسلی میں کہنی ماری۔

"کدھر؟" وہ چھاتی سہلانے لگا۔

"وہ ..... وہ موٹا سیٹھ ہے نا۔"

"یہاں تو ہر تیسرا آدمی موٹا سیٹھ ہے بوس!"

"ابے۔ وہ شوکیس کے پاس کچھ دیکھ رہی ہے۔ وہ .... ارے وہ تو باہر جا رہی ہے۔"

"ارے ہٹاؤ بوس، چھپکلی جیسی۔ ایک دم سوکھی ...." کیشو منہ بنانے لگا۔

لڑکی باہر نہیں گئی صرف جھانک کر لوٹ آئی۔ ہرنی جیسی ترسی ہوئی نظروں سے کسی کو مجمع میں ڈھونڈ رہی تھی۔ بادامی رنگ کی سبز کور کی ساڑی، سبز منچنگ بلاؤز میں وہ کچھ تھکی ہوئی اور بیمار سی لگ رہی تھی جیسے ابھی بر تان سے اٹھ کر آئی ہو۔ وہ جسے ڈھونڈ رہی تھی وہ اب تک نہیں ملا تھا۔ اس کی آنکھیں مجمع پر سے بھٹکتی ہوئی پل بھر کے لیے دھرم دیو کی آنکھوں سے جڑیں پھر جھپک گئیں اور وہ منہ موڑے سر جھکائے دوسرے کمرے کی طرف ٹھنک گئی۔

مہمان خصوصی سے سب کا تعارف کرایا گیا۔

"یہ زرینہ جمال ...." زرینہ جمال اپنے ہی جیسی مریل سی سفید ساڑی میں ملبوس ایک عورت کا بازو تھامے کھڑی تھی۔ شاید وہ اس کی ماں تھی۔

"آپ کا ڈانس بہت اچھا تھا۔"

"ہی ـــــ" اس نے بچوں کی طرح دانت نکوس دیئے۔

"دانت ہموار ہیں۔" دھرم دیو نے اپنے موتی جیسے دانتوں پر زبان پھیر کر سوچا
"آپ کو ہندی آتی ہے؟" دھرم نے پوچھا۔
"جی نہیں۔"
"مگر ہندی بول جو رہی ہیں۔"
"جی یہ تو اردو ہے۔"
"اوہ!" دھرم دیو اس کی سبک ناک اور ہونٹوں کی بے ساختہ بناوٹ پر
نظریں جما کر بولا۔ "وہ ایک ہی بات ہے۔"
"یہ میری والدہ ہیں۔"
"آداب عرض۔" دھرم دیو نے لکھنوی سلام جھاڑا۔
"نمستے۔" ماں نے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا۔
"آپ بمبئی کی فلموں میں کام کریں گی؟"
"کیوں؟" زرینہ نے احمقوں کی طرح کہا۔
اور دھرم دیو کچھ لاجواب ہو کر بے ساختہ ہنس پڑا۔ دوسرے مداحوں نے

اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی اور وہ ان کی طرف مڑ گیا۔
"آج کیا ہو گیا ہے بوس کو؟" کیشو آپ ہی آپ کھول رہا تھا۔
دھرم دیو نے دوسرے دن صبح آنکھ کھلتے ہی زرینہ جمال کی ماں کے پاس پیغام
بھیجا۔ فی الحال پانچ سو روپیہ مہینہ جب فلم شروع ہوگی تو ایک ہزار۔ دھرم دیو پروڈکشن
سے پانچ سال کا کانٹریکٹ۔ بغیر اجازت باہر کام نہیں کرے گی۔ اور اگر کرے گی تو معاوضہ
کا پچاس فی صدی کمپنی کو دینا ہوگا۔
"پانچ سو!" زرینہ جمال نے کالی کالی آنکھیں موندلیں اور کھن کھن ہنس پڑی۔
شام کو کانٹریکٹ ہو گیا۔ ماں بیٹیاں خاک نہ سمجھیں۔
"آپ جو مناسب سمجھیں۔" ماں نے روئی ہوئی آواز میں کہا "یہ بن باپ کی
بچی ہے۔ ریڈی صاحب تیلگو فلم کے پروڈیوسر خاندانی دوست ہیں اپنی بچی سمجھتے ہیں۔"
دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ زرینہ اکتائی ہوئی ٹکٹکی چھت پہ لٹکے فانوس کو تکنے لگتی۔ کبھی
قالین کے پھول گننے لگتی۔

"وہ کیا نام ہے اس چڑیا کا؟" ان کے جانے کے بعد دھرم دیو نے کیشو سے پوچھا۔

"چڑیا؟ کیسی چڑیا؟"

"وہ ...... وہ ہوتی ہے نا...... فاختہ!"

فاختہ؟" سنا ہے خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے۔ اس سے زیادہ کیشو نہیں جانتا تھا۔

"اس چھوکری کو دیکھ کر فاختہ یاد آتی ہے۔" دھرم دیو نے خود سے کہا۔ اور چاندی کی قینچی سے ناخن کترنے کی کوشش کرنے لگا۔

ویسے پر ساتا کروز ایرپورٹ پر پورا اسٹاف موجود تھا۔ دو چار ڈسٹری بیوٹرز بھی موجود تھے۔

"یار ایک رائے لینا ہے تم سے" سی۔ پی کے ڈسٹری بیوٹر اگروال جی بڑی راز داری سے الگ لے جا کر بولے۔ ان کے ساتھ ایک پھڑکتی ہوئی چھوکری لگی ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے؟"

"کیسی رہے گی۔" انہوں نے پھڑک دار چھوکری کی طرف آنکھ ماری۔

"کون؟"

"ترینی...... دھرم دیو"

ترینی نے نہایت شرم میں ڈوبی ہوئی آواز میں آداب کیا اور ڈھیروں کاجل لگی چھوٹی چھوٹی اندر کو گھسی آنکھیں پٹپٹانے لگی۔

"دیو کے ساتھ پردیپ کی پکچر میں ڈال رہا ہوں۔ یار تمہاری رائے ضروری ہے۔ تم لونڈیوں کو تولنے ناپنے میں ماہر ہو۔ کیسی رہے گی؟"

"اچھی رہے گی۔ کیمرہ مین سے پوچھو۔ میں کیسے بتا سکتا ہوں؟"

"اماں یار تم نہ بتاؤ گے تو سالا کیمرہ مین کیا بتائے گا" پھر قریب جھک کر کان میں بولے۔ "سیکس اپیل کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

دھرم دیو ہوں ہاں کر کے ٹالنے لگا۔ بھلا سیکس اپیل کے بارے میں کیا پتہ چل سکتا ہے۔ نہ جانے کتنی اصلی ہے کتنی نقلی!

"سو فی صدی جنیوین مال ہے!" اگروال جی نے چشم دید گواہ کی حیثیت سے یقین دلایا۔ "دو لیتے ہوا اپنی نئی فلم کے لئے۔ بسی پی کے حقوق تقسیم میرے۔۔۔۔۔"

"دیکھیں گے۔" دھرم نے ٹالا۔

"تو چلو ورسودا۔۔۔۔۔ رندھیر کو بھی بلوائے لیتے ہیں۔ ذرا رہیے گی یار۔"

اگروال ٹھہرے تو رنز میں تھے۔ ایک کاٹیج ترلس کے لئے ورسودا میں لے لی تھی۔

"یار بچے کی طبیعت نہیں اچھی۔۔۔۔"

"اماں ہمیں سکھا رہے ہو۔ دانت نکل رہے ہیں بچے کے۔ ایک گلاس میں میں کون سی دیر ہو جائے گی۔"

مگر کبھی ایک گلاس شیطان کی آنت ہو جاتا ہے۔ ترلینی سمندر میں ڈبکی لگا کر آئی تھی۔ اگروال جی جھوٹ نہیں بول رہے تھے۔ ترلینی سر سے پیر تک جنیوین تھی۔ بلکہ ڈگڈگی کی طرح اوپر سے نیچے افراط۔ بیچ میں کمر ایسی کہ چھلّے میں پرو لو۔ ایک فوٹوگرافر بھی ٹھبکتا ٹھبکتا آنکلا، وہ فوراً پوز دینے لگی۔ اُس کی انگلیوں کے بیچ میں ریت بھر گئی تھی جو بُری طرح کھٹک رہی تھی۔ اُس نے پیر دھرم دیو کی گود میں رکھ کر حکم دیا۔

"یہ دیکھو۔۔۔۔۔ کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ دیکھو نا"

دھرم دیو دیکھنے لگا تو کیمرے نے آنکھ ماری۔

کبھی ایک پیگ بھی شیطان کی آنت کی طرح لمبا ہو جاتا ہے اور وہ چار لوگ آ گئے۔ جب صبح وہ گھر پہنچا تو صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ سوچا شاید منگلا روٹھ کر میکے چلی گئی ہوگی۔

"بے بی سک ہو گیا۔ اس کو اسپتال لے گیا۔" گورکھے نے بتایا۔

ہنی مون کے آٹھ دن کی رنگ رلیوں کے بعد کبھی اتفاق سے ہی میاں بیوی کا ملن ہو جایا کرتا تھا۔ دن رات کی شوٹنگ، ایڈیٹنگ ادھر جگہ جگہ ریلیز ——— اس کے باوجود منگلا پھر امید سے تھی۔ ابھی ببلو دس مہینے کا تھا کہیں وہ بھی مشغول تھی۔ روز ہی کوئی نہ کوئی ریہرسل یا ریکارڈنگ چلتی رہتی تھی۔ اچھا دن گزر جایا کرتا تھا۔ پر شادی کے بعد اُس کی حیثیت ایک شو پیس کی سی رہ گئی تھی۔ وہ دھرم دیو کی سجاوٹ کی چیز کی طرح اس کے پہلو میں رکھ دی گئی تھی۔

"ایرپورٹ سے کہاں چلے گئے تھے؟" جرح شروع ہوئی۔

"ایک ڈسٹری بیوٹر سے چپک لیا تھا۔ پے منٹ رکا ہوا ہے۔ ریکارڈنگ کا۔" وہ بہانے بنانے لگا۔

"ورسووا میں کون سا ڈسٹری بیوٹر رہتا ہے۔"

"رہتا نہیں..... وہ اگروال جی نے..... کاٹیج لی ہے۔"

"تم سے منع کیا اس اگروال سے نہ ملا کرو۔ دلال ہے موا! کون تھی آج اس کے سنگ؟"

"کیسی باتیں کرتی ہو؟"

"پدما ہو گی۔"

"نہیں پدما نہیں۔"

"تو سپنا ہو گی۔"

"اوہ..... تم تو پیچھے پڑ جاتی ہو..... سپنا مدراس گئی ہے۔"

"مگر تھی تو کوئی ضرور..... کون تھی..... آخر بتاتے کیوں نہیں۔"

"وہ تھی..... کوئی کمبخت..... نام نہیں یاد آتا.....۔"

"وہ جو دلی سے بھگا کر لایا ہے وہی موٹی بھتنیں؟"

"مجھے کیا معلوم کہاں سے بھگا کر لایا ہے۔ میں تو حیدرآباد......"

پیٹ کے بچے نے اُسے بے حد چڑچڑا بنا دیا تھا۔

"وہاں بھی ہو گی کوئی۔"

"ارے وہاں کوئی بھی نہیں تھی۔ تمہاری جان کی قسم۔"

"ہاں کھاؤ میری جان کی قسم کہ مروں تو عیش کی چھوٹ ملے۔"

"اچھا پوچھ لو کیشو سے۔"

"پوچھ لیا۔"

"ایں؟..... تو......"

"ہاں، کہاں ٹھہرایا ہے۔"

"دماغ خراب ہوا ہے۔ وہ..... وہ تو......"

"کانٹریکٹ کیا تو سنگ لاتے نہیں۔"

"کیا اونگی بونگی باتیں لگا رکھی ہیں۔ کہاں ہے یہ حرام زادہ کیشو۔ آنے دو سالے کو۔" دھرم دیو لاجواب ہو کر بڑبڑانے لگا۔

"ہر بات میں شک کرتی ہو۔ ایک حد ہوتی ہے۔ بے کار کو غصہ دلاتی ہو"

"کیشو کو کیوں گالیاں دیتے ہو۔ اس نے تو بلکہ یہ کہا کہ بالکل تھرڈ کلاس لڑکی ہے۔ سو کھی پیچی۔" منگلا ذرا نرم پڑ رہی تھی

"نہیں جی تو ٹال دیں گے۔ بڑی بے وقوف سی لڑکی ہے۔ ماں بیمار ہے۔ باپ ہے نہیں۔" دھرم نے منگلا کو نرم پڑتے دیکھ کر حیدرآباد سے لائی ہوئی چیزیں سوٹ کیس سے نکال کر دیں۔ رہا سہا غصہ بھی رفوچکر ہو گیا۔ وہ جھکا ہوا سامان نکال نکال کر اس کے آگے ڈالتا جا رہا تھا۔ اور حیدرآباد ریلیز کی رپورٹ بھی دیتا جا رہا تھا۔

"گانے تو اچھے ایک سپر ہٹ" سوٹ کیس کی تہہ میں وہ چاندی کی قینچی بھی پڑی تھی جو سینما ہال کی رسم افتتاح کے موقع پر اسے پیش کی گئی تھی، وہ کچھ دیر اس کے دودھ جیسے سفید پھل دیکھتا رہا۔ پھر منگلا کی گود میں ڈال دی۔

ایک چیخ مار کر منگلا قینچی جھٹک کر کھڑی ہو گئی جیسے وہ چاندی کی کھلی قینچی نہیں پھنپھناتا ہوا سانپ تھا جس نے اس کے وجود کو ڈس لیا۔

"تم نے میری ہری بھری گود میں قینچی ڈال دی، یہ کوئی اچھا شگن ہے؟"

بڑی مشکل سے بہلانے پھسلانے کے بعد وہ قابو میں آئی۔

"ارے اس سے کچھ نہیں ہوتا پگلی" ایسی حالت میں عورتیں کیسی توہم پرست ہو جاتی ہیں!

"ہوتا کیوں نہیں ہے۔ قینچی کا شگن ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ پتی پتنی کے بیچ قینچی چل جاتی ہے۔"

"تو اٹھا کر پھینک دو۔"

"نہیں نہیں۔۔۔۔ اصلی چاندی کی ہے۔"

"اچھا تو ایسا کرو۔ پوجا کے لئے اس سے پھول کاٹ کے لایا کرو۔ سارا پاپ دھل جائے گا، بابا۔"

جب منگلا اس کے پاؤں دبانے بیٹھ گئی۔ تب کہیں جا کر اس پر بے انتہا پیار آیا۔

واقعی اتنی لڑکیاں دن رات اُس کے گرد منڈلاتی رہتی ہیں، مگر کوئی بھی تو نہیں جچتی، جیسے منگلا نے اُس کے دل میں گھس کے اندر سے دروازے بند کر لئے ہوں اور اُوپر سے کنڈی چڑھا دی ہو۔

اور وہ احمق سی یرقان زدہ لڑکی بار بار کیوں کانٹے کی طرح دماغ میں چبھتی ہے۔ شاید اس کا نشانہ اس بار غلط بیٹھا۔ اُس نے غلط معاہدہ کر لیا ہے۔ تبھی اس کے بھیتر کا مکمل انسان اپنی حماقت پر پچھتا رہا ہے۔

مگر ایسا کیا اندھیر ہے۔ معاہدہ سے گلو خلاصی کوئی ایسی ناممکن بات تو نہیں۔

زرینہ جمال اپنی ماں کے ساتھ وعدے سے کچھ پہلے ہی آگئی۔ دھرم تو بھول بھی چکا تھا کہ وہ لوگ کب آنے والے ہیں۔ منگلا کو تار ملا اُس نے بہت چاہا کہ دھرم کو اطلاع دے مگر وہ کلکتہ ریلیز پر گیا ہوا تھا۔ ماں بیٹی کو دیکھ کر اُسے بڑا ترس آیا۔ جواس باختہ ہانپتی کانپتی بڑی بی اور اُجاڑ صورت ایکسٹراؤں سے بدتر کپڑے پہنے گم سُم سی لڑکی۔ اُوپر کا کمرہ اب تک دھرم دیو کی کتابوں اور پُرانے فائیلوں سے اٹا پڑا تھا۔ زرینہ نے تو بہت کہا۔ وہ زمین پر ہی سو جاتے گی مگر اُس نے ایک پلنگ اور ڈلوا دیا اور فائیل وغیرہ بکس میں بھر کر مچان پر ڈلوا دیئے۔

"یہ جو بہیا کیا فلم لائن میں ٹک سکے گی۔ پہلے ہی شاٹ پر رو کر بھاگ کھڑی ہو گی"۔ منگلا نے اُسے دیکھ کر سوچا۔ بات چیت سے معلوم ہوا اُس کی کوئی رائے نہیں، فرسٹ سب کچھ کراتی ہے۔ سو کرنا پڑے گا۔ تیلگو فلم میں کام کر چکی ہے۔ مگر تیلگو فلموں کا کیا۔ دوسری زبانوں کے فلم کچھ فضول سی مد لگتے ہیں۔

مگر یہ اُن زہر کی پڑیوں سے ہزار درجہ بہتر رہے گی۔ دھرم اس کے چکر میں خاک پھنسے گا۔ اچھا ہے کوئی پھُس پھُسی ہیروئن مستقل ہو جائے تو دھڑکا جو جی ہر دم لگا رہتا ہے اُس سے تو نجات ملے گی۔ منگلا نے دونوں کی بے انتہا خبر گیری کی۔ کمپنی کے خرچ پر ڈاکٹر بلوایا ورنہ تو وہ لرز رہی تھیں بیچاریاں۔ زرینہ تو مصر تھی کہ ماں کے لئے جو کھچڑی یا شوربہ پکے گا وہی کھائے گی۔ مگر منگلا اُسے زبردستی کھلاتی کہ ذرا تو بوٹی چڑھے۔ دھرم مصنوعی ٹھُوسم ٹھاس سے سخت نفرت کرتا تھا کبھی سیٹ

پر کوئی منچلی سیکس اپیل بڑھا لاتی تو وہ فوراً اُسے میک اَپ روم واپس بھجوا کر کوڑا کرکٹ نکلوا دیتا۔

ویسے سوکھی ماری ہے مگر چال میں ایک عجیب رچاؤ ہے۔ گردن کیسی مورنی جیسی اُٹھاتی ہے۔ پُشت میں ذرا بھی کُبھ نہیں۔ کمان کی طرح کھنچی رہتی ہے۔ ماتھا بڑا پھیچ پیچ ہے۔ دھرم بال نوچنے کا قائل نہیں۔ مگر فلم سٹار بننے کے کوئی آثار نہیں۔ اگر ہوتے تو شاید خود منگلا کو اتنی پیاری نہ لگتی۔

وہ بڑی دیر تک اُسے بناؤ سنگھار رکھ رکھاؤ سکھاتی۔ کپڑے میچ کر کے پہننا۔ خود اپنے ہاتھ سے اس کے طرح طرح کے بال بناتی۔ پھر بڑے سلیقے سے ہلکا ہلکا میک اَپ کر کے دیکھتی کہ واقعی وہ تو کچھ سے کچھ نکل آئی۔ اپنی ساڑھی بلاوز پہنایا۔ ذرا ٹانکے لگانے پڑے۔

"چلو کچھ تھوڑے سے کپڑے خرید لو..... میں تیار ہو کے تمھیں پکار لوں گی۔" وہ جھٹ پٹ تیار ہوئی۔ زرینہ جب نیچے آئی تو منہ دھلا ہوا تھا۔ بال سپاٹ اور کپڑے سلیقے سے تہہ کر لائی تھی۔

"کپڑے پہنے ہی نہیں، اور میک اَپ کیوں دھو ڈالا۔" اُس نے ٹوکا۔

"وضو کرنا تھا۔ اور کپڑے یہ کیا بُرے ہیں؟" اُس نے وضو کے معنی سمجھائے۔

"لو بھئی یہ آئی ہیں ہیروئن بننے اور ساتھ میں مالا جپتی چلی آ رہی ہیں۔ منگلا کا جی اُداس ہو گیا۔ محفوظ قسم کی ہیروئن اُس کے نصیب میں نہیں۔ یہ تو اکسٹرا بھی بن جائے تو بہت ہے۔"

"اماں نے کہا ہے کپڑے بہت ہیں۔ دو تولیاں لے آؤ۔" اُس نے دس روپے کا نوٹ نکال کر کہا۔

"تم پیسے کی فکر نہ کرو۔ میں نے تمھارے پیسے میں سے ایڈوانس لے لیا ہے۔"

"میرے پیسے؟" زرینہ جمال نے آنکھیں جھپکائیں

"تمھاری تنخواہ مہینہ کی پہلی تاریخ سے شروع ہو گئی ہے۔"

"مگر میں تو اٹھارہ کو آئی ہوں..... پہلی تاریخ تو بہت دور ہے۔"

"ٹر ٹر بہت کرتی ہو۔ تمھیں اس سے کیا۔ میں جو کہتی ہوں...... چلو۔" منگلا نے ڈانٹا۔

دھرم دیو آیا تو منگلا نے زرینہ جمال کا ذکر کر کے اس کا دماغ چاٹ لیا۔

"اس کا ایک ڈانس ڈال دو۔"

"اپنے سر میں ڈال دوں۔ فلم تیار ہو گئی۔"

"تو کیا ایک ڈانس نہیں ڈال سکتے؟"

"کہاں ڈال دوں؟" دھرم چیخ پڑا۔ ڈسٹری بیوٹر بھی دبی زبان سے کہہ رہا تھا۔ کچھ تھوڑا سا مسالہ ہو جائے۔

"اور گانا بھی تو چاہیے۔"

"وہ میری ٹھمری تمھیں بہت پسند ہے نا۔" پھول گیندوا"۔۔۔۔۔۔

بس اسی پر بول لکھے جائیں گے۔ دادا کو فون کروں۔"

"ادھر آؤ۔۔۔"

"کیا؟"

"پہلے ایک پیار دو۔" دھرم نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"وحشت۔" وہ دہری ہو گئی۔

"تو پھول گیندوا کینسل۔۔۔۔"

"رشوت دے کر راتوں رات گانے کے بول چپکائے گئے۔ ریہرسل ہوئی اور تیسرے دن ریکارڈنگ ہو گی۔ نواں مہینہ لگ چکا تھا۔ ساتھ ڈاکٹر بیٹھا تھا، مگر وہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔ بہت دنوں بعد اسے یوں کچھ کرنے کا موقع ملا تھا۔ اس کی ریکارڈنگ پر ویسے بھی بڑی بھاگ دوڑ مچا کرتی تھی۔ اب تو معلوم ہوتا تھا۔ امیرجنسی آگئی ہے دادا منتھ بنا رہے تھے کہ ایسے پورے دنوں میں سانس بھول جائے گی۔ مگر ریکارڈنگ کے بعد جب گیت سنا گیا تو اس میں گربھ وتی نے اپنا سارا رس نچوڑ دیا تھا۔ بوجھل سانس سے دادا نے وہ کام لیا کہ معلوم ہوتا تھا کوئی رس دنتی جذبات کی شدت سے ہانپ رہی ہے۔

جب اس نے زرینہ کو یہ خوش خبری سنائی تو وہ ایسے ہکا بکا رہ گئی جیسے اس کے ساتھ انتہائی ظلم ہوا ہے۔ منگلا کچھ پھیکی سی رہ گئی، مگر ریہرسل میں اس نے جان نکال کر رکھ دی۔

شوٹ تیار تھا۔ زرینہ جمال کا پہلا شوٹ۔ اس کی قسمت کا فیصلہ اسی پہلے شوٹ پر تھا کہ اس کی قسمت میں فلم سٹار بننا ہے یا پھر گمنامی کے غار میں اُترنا ہے۔
اگر یہ ڈائس کوڑا ہو گیا تو؟

"ارے بھئی آخر دیر کاہے کو ہو رہی ہے۔"

"وہ نہیں پہنتی۔" میک اَپ مین بھنّایا ہوا آیا۔

"کیا نہیں پہنتی؟"

"ڈریس!"

"کیا؟" سارا اسٹوڈیو مجسم سوال بن کر رہ گیا۔ دھرم دیو کے سیٹ پر کسی کی اتنی مجال کہ عدول حکمی کرے۔ اور وہ بھی ایک گمنام سوکھی سی چھوکری۔

"اس سے کہو پانچ منٹ کے اندر ڈریس پہن کر سیٹ پر آجائے۔" دھرم نے بڑے ضبط سے کہا۔

دس منٹ بعد میک اَپ مین غصّہ سے بھرا ہوا لوٹا۔

دھرم دیو جب میک اَپ روم میں داخل ہوا تو زرینہ میک اَپ کئے اسٹول پر بیٹھی تھی۔

"یہ ...... ڈریس ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"اس کا فیصلہ تم نہیں کرو گی۔"

"پھر کون کرے گا فیصلہ؟ ...."

"جو بھی کرے تم ....."

"تو وہی یہ ڈریس پہنے۔" اُس نے نہایت ڈھٹائی سے کہا۔
جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"جی ..... کہ ...... یہ ڈریس"

"تم نہیں پہنو گی۔"

"نہیں۔" اُس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

پھر شوٹنگ نہیں ہو گی۔"

"نہیں۔"

"جانتی ہو پھر تم کبھی فلم میں کام نہیں کر سکو گی۔ کم از کم بمبئی میں تو نہیں کر سکو گی۔"

"جانتی ہوں۔"

"مگر یہ ڈریس نہیں پہنو گی۔"

"نہیں۔"

پتہ نہیں اگر کوئی اور ہوتا تو دھرم دیو نے اُسے لات مار کر نکال باہر کیا ہوتا۔ اُسے اپنے تحمل پر تعجب ہو رہا تھا۔

"بتاؤ گی ناکہ کیوں نہیں پہنو گی۔"

"یہ...... یہ بہت ننگا ڈریس ہے اور ڈریس مین کہتا ہے اس کے ساتھ دوپٹہ نہیں اوڑھنا ہے۔" اس کے آنسو بہنے لگے۔ "میں نے تو سُنا تھا دھرم جی کی فلمیں ان باتوں سے پاک ہوتی ہیں۔" اُس نے ڈریس اُٹھا کر دکھایا۔ "دیکھئے کتنی روئی ٹھونسی ہے۔"

"ہوں۔" وہ کھسیانہ رہ گیا۔ "اچھا دوپٹہ ہو تو کام چلے گا۔" اُس نے انسانیت سے پوچھا۔

"جی ہاں.... اور...... روئی؟"

"وہ بھی نکل جائے گی۔"

زرینہ جمال نے دانت نکوس دیئے اور میک اپ درست کرنے لگی۔

دھرم دیو نے شوٹنگ اپنے اسسٹنٹ پر چھوڑ دی اور خود رندھیر کے ساتھ پیڈر روڈ والے فلیٹ میں نئی کہانی پر کام کرنے چلا گیا۔

زرینہ جمال کے رقص نے فلم انڈسٹری میں دھوم مچادی۔ دھرم دیو کے سب سے منہ چڑھے اسسٹنٹ ترویدی نے کچھ اس چابکدستی سے فلمایا کہ وہی سوکھی ماری چھپکلی جیسی چھوکری قیامت بن گئی۔ لوگ فوراً آفر لے کے چڑھ دوڑے مگر دھرم دیو نے سب کو ٹال دیا۔ وہ فلم جو ترویدی ڈائرکٹ کرنے والا تھا۔ فوراً سیٹ پر چلی گئی۔ اس میں رتیا کے ساتھ ایک لڑکے انیل کو سائن کیا تھا، مگر رتیا کے پاس اتنی ڈھیر ساری فلمیں ہو گئی تھیں کہ وہ ٹال مٹول کر رہی تھی۔ ویسے بھی رتیا ان دنوں بوکھلائی سی پھر رہی تھی۔ دریا جی نے اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ خاندان کے آنے کے بعد وہ پرانا رشتہ دم توڑ چکا تھا، مگر انہیں اس کی صورت دیکھے بغیر چین نہ پڑتا۔ ان کی اپنی فلم جس میں رتیا کے ساتھ انہوں نے رمی کو ہیرو لیا تھا کھٹائی میں پڑ گئی تھی۔ اور پروڈیوسر اسے مفت چھونے کو تیار نہ تھے، دریا جی رتیا کو قابو میں رکھنے کے لیئے اس کا رول بڑھاتے گئے۔ بس ہر وقت کیمرہ رتیا پر منڈلاتے چلا جا رہا ہے۔ رمی بیچارہ کچھ دن ٹکر ٹکر دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں نے اسے اونچ نیچ سمجھائی اور وہ سمجھ گیا۔ اب ہوا یہ کہ دریا جی تو رتیا کا رول بڑھاتے اور رتیا رمی کا رول بڑھانے پر مصر ہوتی۔ یہ وہی رتیا تھی جو کبھی ایک ایک کلوزاپ کا ڈبل معاوضہ پیشگی ادا کرنے پر مصر رہا کرتی تھی۔ اب رمی کے کلوزاپ کے لیئے ضد کرنے لگی۔ دریا جی تھک چکے تھے اور وہ جوان پٹھا تھا۔ رتیا سے سال دو سال چھوٹا ہوگا۔ بے انتہا طرار اور دلچسپ۔ ہمیشہ تو رتیا دریا جی کے پاس ہی بیٹھی رہا کرتی تھی۔ ٹھاٹ دیا اور آ کر قدموں کے پاس بیٹھ گئی۔

"کیسا رہا شوٹ!" وہ ضرور پوچھتی۔

"جواب نہیں۔"

"جھوٹ! میرا دل رکھنے کے لئے کہہ رہے ہیں۔" وہ اُن کے گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھ دیتی۔

مگر اب نشاط ختم ہوجاتا تو وہ رمّی کے ساتھ ویسے ہی کھٹی ہٹی کئے جاتی یا دونوں نہ جانے کدھر غائب ہوجاتے۔ درباجی کا موڈ خراب ہوجاتا اور وہ اسٹاف کی ٹانگ لینے لگتے۔ شروع شروع میں انہیں شبہ بھی نہ ہوا مگر لوسین حد سے زیادہ طویل اور سنسنر ہونے لگے تو ایک دم بدک گئے۔ یہ فلم انڈسٹری کا دستور ہے کہ اگر کسی ہیروئن ہیرو کی کنٹی نیوٹی مل جاتے تو سب اُسی جوڑے کو لے کر فلم بنانے لگتے ہیں۔ شاید وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح کچھ ان کی غبی محبت پردہ سیمیں پر بھی جھلک دکھائے گی۔ ایسے جوڑے بڑے ڈوب کر لوسین کرتے ہیں۔ دوسرے دونوں زیادہ سے زیادہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ہمارے سیٹ پر انہیں اس کا اچھا موقع ملے گا۔ زیادہ وقت دے سکیں گے۔ پریمیوں کا جوڑا بھی ساتھ ہی کام پر زور دیتا ہے۔ کبھی ایک دم بیچ میں دونوں کی کٹی ہوجاتی ہے۔ اور لینے کے دینے پڑجاتے ہیں۔ درباجی کو بھی باہر رتیا کے ساتھ دو تین فلمیں ملی تھیں، دو کی تو مہورت بھی ہوگئی تھی مگر جب ان کے کھچاؤ کی افواہیں اُڑنے لگیں تو وہ بھی کھٹائی میں پڑ گئیں۔ بیوی پہلے ہی انہیں صرف بینک بیلنس کے سوا اور کچھ نہ سمجھتی تھی۔ بڑی بیٹی کے ہاتھ پیلے کرنے کا وقت آرہا تھا۔ جب تک چیک کیش ہوتے رہے جھیلتی رہیں کہ مشرقی عورت کیا کچھ جھیلنے کی عادی نہیں۔ مگر جب اس حد کو بات پہنچ گئی کہ ایک ایک کر کے سب دروازے بند ہونے لگے تو وہ دودھاری تلوار بن گئی۔ رتیا تو اپنے نئے بنگلے میں اٹھ گئی تھی اور درباجی والے فلیٹ کا کرایہ دینے لگی تھی۔ جب حساب کتاب بیوی کے ہاتھ میں آیا تو اس نے فضول مدیں بند کردیں۔ رتیا سے کہا بھی نہیں۔ درباجی پر مکان دار نے دعویٰ کردیا۔ ان کی حمیت نے گوارا نہ کیا کہ رتیا سے التجا کریں کہ نیک بخت تیرے کارن گھر بار چھوڑ کر آیا ہوں۔ اب واپس اسی گھر میں کس منہ سے جاؤں۔ کچھ دن دوستوں کے یہاں پڑے رہے۔ مگر بمبئی میں کسی کے ہاں کب گنجائش ہوتی ہے۔ اور درباجی کے سارے گنجائش والے یار دوست کب کے کٹ چکے تھے۔ انہیں رتیا کی دیکھ بھال کے بعد فرصت ہی کہاں ملتی تھی اور پھر فلوپ فلمیں بنانے والوں کا ہٹ فلمیں بنانے

والوں کے ساتھ کیسا رشتہ؟

ریتا کہیں، آؤٹ ڈور شوٹنگ پر گئی ہوئی تھی۔ ویسے بھی وہ کئی کئی دن نہیں ملتی تھی، نہ جانے کس ہوٹل میں باسی تباسی کھالیا۔ ورما جی کو شدید بدہضمی کا حملہ ہوا انہیں چھوٹ گئیں۔ بیوی بچوں کو خبر ہوئی تو وہ آکر انہیں سمیٹ لے گئے۔

ملوا منگل میں آغا حشر کاشمیری کا بڑے معرکہ کا سین ہے۔ جب سورداس کی پتنی چنتامنی نائیکہ سے اپنے سہاگ کی بھیک مانگنے کے لئے آنچل پھیلاتی ہے۔ مسز ورما نے آنچل تو نہ پھیلایا اور وہ بھیک مانگنے کے موڈ میں تھیں۔ موقع پاکر انہوں نے ریتا کو گھیرا اور ورما جی کو یوں بیچ منجھدار میں چھوڑ دینے پر خوب آڑے ہاتھوں لیا۔

" دیدی ورما جی میرے گرو ہیں، وہ میرے پتا سمان ہیں۔ وہ جب شوٹنگ کے لئے حکم دیں میں حاضر ہونے کو تیار ہوں۔ مگر ان کی زبان تالو میں نہیں۔ فلم نہیں بکتی تو میں کیا کرسکتی ہوں۔ میں اپنی ساری فلموں کا سودا انہیں سے کرواتی ہوں۔ میں نے ایک کوڑی بھی مانگی ؟"

" مانگنے کا منہ بھی ہے۔ منہ۔" مسز ورما غرائیں۔

" نہیں دیدی، بھوکوں مرتی ہوں گی، تب بھی نہ مانگوں گی، میں ایسی احسان فراموش نہیں۔ چاہے بازار میں میری کچھ بھی قیمت ہو، میں آپ کی فلم میں مفت ہی کام کرتی رہوں گی۔ مگر دیدی آپ ہی انصاف کیجئے۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ساری انڈسٹری میں میرے بارے میں نہ جانے کیا الٹی سیدھی باتیں اڑائی ہیں۔"

ایک دن شوٹنگ کے سلسلہ میں کچھ پانی میں ریتا اور رمی کو اترنا تھا۔ شوٹ کے بعد دونوں حسب معمول غائب ہوگئے۔ ریتا کے کپڑے اس قابل نہ تھے کہ جوان لڑکے کے ساتھ غائب ہونے پر باتیں نہ بنتیں۔ ورما جی بوکھلا گئے اور جب وہ دونوں ایک دوسرے کے کپڑے نچوڑتے ہوئے جھاڑیوں میں پائے گئے تو انہوں نے وہ ڈنڈ مچادیا کہ یہ چٹکلا انڈسٹری میں عرصے تک نمک مرچ لگا کر اڑایا گیا۔

" اچھا جی تو دو بول انہوں نے کہہ دیئے تو تمہاری عزت پر بٹہ لگ گیا۔ جب سنگ فلیٹ میں رہتی تھیں تو کچھ نہیں تھا۔" لاجواب ہوکر مسز ورما اوچھے واروں پر اتر آئیں۔

" آپ نے گھر سے نکال دیا تھا تو پھر کہاں جاتی۔ کیا سڑک پر جا بیٹھتی۔"

وہ بڑے ضبط سے مسلسل اداکاری کر رہی تھی۔ دوسرے دن شوٹنگ کے وقفہ میں مسز ورما کو رگید نے کا قصہ خاصہ پر لطف رہے گا۔

ورما جی کو جب پتہ چلا کہ بیوی اُس نا ہنجار کے گھر گئی تھی تو بہت برافروختہ ہوئے۔ "کیا سمجھتی ہے حرام زادی۔ میں بنانا جانتا ہوں تو بگاڑنا بھی جانتا ہوں۔ اگر آج چاہوں تو انڈسٹری سے نکال باہر کردوں۔ ایکوں ایک کلوزاپ نہ کاٹ دوں تو بات نہیں۔"

ان دھمکیوں کو سُن کر رتیا ہنس ہنس کر رمی پر ڈھے پڑی۔ وہ مزے لے لے کر ان بوڑھے چونچلوں کا بڑی بے حیائی سے ذکر کرتی تو سب بے انتہا ٹھٹھے لگاتے۔

عجب اتفاق ہوا جس دن دھرم دیو کی فلم بمبئی میں ریلیز ہوئی اُسی دن منگلا کو اسپتال جانا پڑا۔ وہ ساری رات پرنٹ بھجوا رہا تھا۔ ریلیز کے بعد پتہ چلا سخت ہوٹنگ ہو رہی ہے۔ ہونٹوں کی جنبش اور الفاظ کا تال میل نہیں۔ دوسرے دن دِلی میں ریلیز تھی۔ دھرم دیو کا ایک پیر لیبارٹری میں دوسرا ایڈیٹنگ روم میں۔ کئی دن سے پلک نہیں جھپکائی تھی۔ وہسکی کے بل بوتے پر انجن چل رہا تھا۔ بار بار آنکھوں تلے اندھیرا آ کر دُنیا گم سی ہو جاتی۔ دھرم دیو پاگلوں کی طرح ہر ایک پر برس رہا تھا کسی جرنلسٹ سے جھڑپ ہو گئی۔ مار پیٹ تک نوبت آگئی منگلا کے ہسپتال جانے کی اطلاع مل چکی تھی۔

وہ لیبارٹری سے نکل کر ہسپتال جا رہا تھا کہ رتیا کا ڈرائیور ہانپتا کانپتا آیا۔ رتیا سری ساؤنڈ اسٹوڈیو سے میک اپ کر کے نکل رہی تھی کہ ورما جی نے اس پر تیزاب پھینک دیا۔

"کون سے ہسپتال میں ہے؟"

"زیادہ نہیں پڑا۔ وہ ڈر کے مارے بنگلے میں نہیں گئیں۔ آپ کے یہاں اُتر گئیں۔ مجھ سے کہا آپ سے کہہ دوں۔ بنگلے پر بھی فون کر دیا ہے۔"

گھر راستے میں ہی پڑتا تھا۔ دھرم نے سوچا دو منٹ کے لئے ہوتا چلے۔ اُسے دیکھ کر رتیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دل پر دہشت بیٹھ گئی تھی۔ ذرا سی چھینٹ گردن پر پڑی تھی۔ دھرم نے فوراً پڑوس کے ڈاکٹر کو فون کیا۔ اُس نے کچھ دوا لگا دی اور آرام کرنے کو کہا۔

"پریمیئر پرچوجاتا ہے!" ریتا نے سسکی بھری۔

"کیا ضرورت ہے۔ میں بھی تھوڑی دیر کو جاؤں گا"

"آپ جا سکتی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ خیر ہوگئی کہ نشانہ چوک گیا۔

ورنہ ایسڈ بڑی خطرناک چیز ہے۔

"کون پاگل تھا؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"آ...... کوئی...... نامعلوم"

"یہ فین بھی دیوانے ہوتے ہیں!"

ڈاکٹر کے جانے کے بعد دھرم دیو نے پوچھا۔

"کیا قصّہ تھا؟"

"کچھ نہیں بس...... پاگل کمینہ کتّا......" ریتا پھر پھوٹ پڑی۔

"میری زندگی اجیرن کردی ہے۔ اپنی ناکامی کا بدلہ مجھ سے لے رہا ہے۔ کہتا ہے کسی کرم کا نہ چھوڑوں گا!"

دھرم نے جو ذرا تسلّی دینے کا پچھتاوا تو وہ بالکل ہی بکھر گئی۔ جلدی سے اُسے تھوڑی سی برانڈی پلائی۔ تھوڑی سی خود بھی گلاس میں ڈال کر اوپر سے برف کے ٹکڑے بھر دیئے۔ ریتا کی طبیعت کچھ سنبھلی اور وہ اپنی دکھ بھری کہانی سناتی رہی۔ اُدھر درماجی نے ناطقہ بند کر رکھا ہے ادھر رمی بکھرا جاتا ہے۔ بہت پینے لگا ہے اور پی کر ہاتھ پیر چلانے لگتا ہے۔ درماجی کے طعنے دے دے کر کلیجہ چھلنی کئے دیتا ہے۔

پیگ ختم ہو گیا تو دھرم نے ایک اُس کے لئے اور ایک اپنے لئے بھی بنا لیا۔

وہ اُسے سمجھاتا رہا۔ بیٹے کے پیدا ہونے کی خبر ہر جگہ اُسے ڈھونڈتی پھری۔ کسی کو خیال بھی نہ آیا کہ وہ گھر پر ہوگا۔ اُسے منگلا کا خیال ستانے لگا۔ کتنے ظالم ہوتے ہیں یہ بچّے۔ کتنا دکھ دیتے ہیں۔ اُس کی ہدایت کے مطابق ڈاکٹر درد کے حملے کو سہنے کے لئے دقفہ سے کلورو فارم دے رہے ہوں گے...... جب اپنڈ سائیٹس کا اپریشن ہوا تھا تو اُسے بھی دیا گیا تھا۔ درد کے آرے کیسے آہستہ آہستہ ڈوب گئے تھے۔ پلکیں آپس میں ملیں، کئی دن کی بھری جھلائی نیند بھو کی شیرنی کی طرح حملہ آور ہوئی اور اُسے سدھ نہ رہی۔

اس کی بھابی کملا کمرے میں قدم رکھتے ہی ٹھٹھک کر رہ گئی۔ پھر جلدی سے

واسو کا بازو پکڑ کر اسے گھسیٹتی ہوئی ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ پھر "ہائے رام"، کہہ کر لرزتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا؟" واسو جھنجھلا گیا۔

"سو رہے ہیں۔"

"تو کیا ہوا۔ ارے تو بھیا سے اب تک ڈرتی ہے۔ ارے بھئی بیٹا ہوا ہے یہ وقت کوئی سونے کا ہے؟" وہ کمرے کی طرف چلا۔

"نہیں نہیں.... سنو تو۔ جی؟" اس نے بڑی رازداری سے کہا "وہ... ...وہ بھی ہے۔ رینا۔"

"رینا!" واسو سناٹے میں رہ گیا۔ کچھ آہٹ ہوئی دونوں چوروں کی طرح بھاگ کر بالکنی میں چلے گئے۔ رینا دبے پیر کمرے سے نکلی، وہ منگلا کا ڈریسنگ گاؤن پہنے تھی۔ جلدی سے واپس پلٹ گئی۔ واسو دیو کا چہرہ سرخ انگارہ ہو گیا۔ وہ تیزی سے فلیٹ سے باہر نکل گیا۔

"سنو جی....." کملا پیچھے دوڑی۔ وہ اس پاپ سے بھرے گھر میں ایک پل تنہا نہیں رہ سکتی تھی۔ جب وہ موٹر میں واپس جا رہے تھے تو رینا نے انھیں کھڑکی میں سے دیکھا اور گم سم رہ گئی۔ مگر یہ سب ہوا کیسے؟

دھرم دیو کرسی سے لڑھک کر اس کے اوپر کب ڈھے پڑا۔ جب رینا کی آنکھ کھلی تو وہ آدھا پلنگ پر تھا اور آدھا فرش پر۔ سوتے میں منہ کھل گیا تھا۔ اور رال بہہ رہی تھی۔ اسے بڑی زور سے گھن آئی۔ درباجی کی سوتے میں ہمیشہ رال بہا کرتی تھی۔ اتنے میں ڈرائنگ روم میں واسو اور کملا کے بولنے کی آواز آئی۔ وہ اسے آہستہ سے دھکیل کر اٹھی۔ اس کی ساڑی بری طرح مسل گئی تھی، اس نے منگلا کی ساڑی نکالنے کے لئے الماری کھولی۔ تب ہی اسے معلوم ہوا کہ واسو آ رہا تھا۔ اس نے کرسی پر پڑا ہوا منگلا کا ڈریسنگ گاؤن پہن لیا۔ جب واسو نہ آیا تو اس نے جا کر ڈرائنگ روم میں جھانکا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے اطمینان سے ساڑی نکالی، باندھ ہی رہی تھی کہ کھڑکی میں سے واسو اور اس کے پیچھے کملا بھاگتی ہوئی دکھائی دی۔

سارا ڈرامہ اس کی سمجھ میں آ گیا۔ ان لوگوں نے اُسے اور دھرم کو دیکھا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اُف زندگی میں ویسے ہی کیا کم اُلجھنیں تھیں۔ ورما جی....
..... رمّی اور اب یہ! اس لائن میں تو لوگ ہر بات پر یقین کر لیتے ہیں۔ اور اب رمّی اور بھی خون تھکوائے گا۔ رمّی جس کے بغیر زندگی خار خار تھی۔ اور سب سے بڑا کانٹا تو یہ ورما کا بچّہ اس کے حلق میں پھنسا ہُوا تھا۔ وہ کتنی بے وقوف تھی۔ بچپن ہی تو تھی ورما جی تو دیوتا سمان معلوم ہوتے تھے۔ محلہ کے چھچھورے لونڈوں کی طرح نہیں۔ نہ اس پاجی کیدار کی طرح جو ہمیشہ اُسے ترساتا ہی رہتا تھا اور چھوڑ کر بھاگ گیا۔ پھر ورما جی نے ہی اُس پر رحم کھایا۔ کہ ان سے پہلے تو وہ ڈھول پھانک رہی تھی۔ ورما جی تو چند دن تھے چند دن، اس کا دم رودم کجھل اُٹھا...... واقعی؟
بہت سی باتوں میں انسان خود اپنے سے بھی سچ نہیں بولتا۔
نہیں اسے قطعی ان سے عشق نہیں تھا۔ اُس نے سُنا اور دیکھا تھا کہ وہ مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں۔ اور وہ سونا بننے کے لئے سب کچھ کر سکتی تھی۔ اسی لئے اس نے مسز ورما کی موت کی دعائیں مانگی تھیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ مسز ورما بننا چاہتی تھی۔ بلکہ اس لئے کہ پھر وہ ان پر حکومت کر سکے گی۔ تب انھیں اسے فلم سٹار بنانا ہی پڑے گا۔ اس نے یہ بھی سُنا تھا کہ ورما جی نے بھونرے کی سی طبیعت پائی ہے۔ جب جی بھر جاتا ہے تو وہ دوسری نوخیز کلی پر جھک جاتے ہیں۔ کبھی وہ بے شک ڈرتی تھی کہ ورما جی کا اس سے جی بھر گیا تو وہ کسی دوسری کو چانس دے دیں گے۔
...... مگر..... اس کے حلق میں تو وہ بھونرا نہیں جونک ثابت ہوئے۔ ایسے چمٹے کہ چھٹائے نہیں چھوٹتے۔
ریتا نے سوئے ہوئے دھرم دیو کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے ساری پہنی اور اپنی ایک سہیلی کے ہاں چلی گئی۔
جب دھرم دیو کی آنکھ کھلی تو ٹیلی فون کی گھنٹی بری طرح چیخ رہی تھی۔
"دو بیٹا!" تھوڑی دیر تک تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کس کے بیٹے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس نے رندھیر کی پوری بات بھی نہیں سُنی۔ ٹیلی فون پٹخ کر بھاگا۔
"دو بڑے زور کا مقابلہ ہے منگو.... تم بیٹے پیدا کرو ہم ہٹ بنائیں۔"
"دو ناجی، ہمیں تو بیٹا چاہیئے۔"

"اچھا اب کے بیٹیا سہی، پھر ہم سپر ہٹ ہی بنائیں گے۔"
"بناتے جاؤ ہٹ۔" اس نے رکھائی سے کہا اور منہ پھیر لیا۔
"کیا ہے منگلا..... ڈارلنگ۔"
"جاؤ، پریمیر میں دیر ہو گئی ہے ویسے ہی۔" اس نے آنکھیں موند لیں۔
"منگلا کچھ خفا ہے۔" دل ہی دل میں سوچتا ہوا وہ تھیٹر پہنچا۔ لوگ پاگل ہو کر اس کی موٹر پر ٹوٹ پڑے اور پولیس کو لاٹھی چارج کرنا پڑا۔ پیٹھ پیچھے انڈسٹری کے لوگ اس کی ایکٹنگ کا مذاق اڑاتے تھے، مگر ہٹ کے بعد کون بول سکتا تھا۔ ویسے تو کرن دیوان اور پردیپ کمار ایکٹنگ کے نام لٹھ نہیں جانتے، مگر تاریخی ہٹ فلموں کے ہیرو ہیں۔

واسو دیو اور کملا کچھ بجھے بجھے سے نظر آ رہے تھے، دھرم کے فرشتوں کو بھی وہ سین یاد نہ تھا۔ جوان دونوں کے دماغوں کو داغ چکا تھا۔ ضرور کملا اور واسو میں جھگڑا ہوا ہے۔ اس کی کامیابی سے دونوں کے منہ اترے ہوئے ہیں۔ کملا نے طعنہ دیا ہوگا وہی کہ ایک بھائی آسمان اونچا، دوسرا اس کے ٹکڑوں پر پڑا ہے۔ ان رشتہ داروں کو کتنا بھی ساتھ گھسیٹو دماغ ہی نہیں ملتے۔ دھرم تو کے بھائی ہیں بس لوگ اسی سے مرعوب رہتے ہیں۔

"بیٹیا مبارک ہو بھائی جی۔" کملا نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ شاید جل رہے ہیں دونوں کہ اس کے ہاں پھر بیٹیا ہوا ہے۔ واسو کی پہلوٹھی کی لڑکی ہوئی۔ دھرم دیو کی طبیعت مکدر ہو گئی۔ اتنے میں زرینہ جمال اپنی ماں کے ساتھ دکھائی پڑی۔ وہ ایک دم چڑھ گیا۔ کیا تام جھام بن کے آئی ہے۔ اس لڑکی کو بھی بمبئی کی ہوا لگ گئی۔ نیا رسی ساڑی اور اوپر سے لپ سٹک با ایک ڈانس کیا دے دیا کہ پوری ہیروئن بن بیٹھیں۔ جی چاہا ابھی جا کر لپ سٹک پونچھ دے۔

"آج سب مجھے جلانے پر تلے ہوئے ہیں۔" اس نے کبیدہ خاطر ہو کر سوچا۔ اتنے میں ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ ساری کوفت دور ہو گئی۔ ان تالیوں میں تو ایک فن کار کی جان ہوتی ہے۔ ان تالیوں کے عدم اور وجود سے وہ مرتا اور جیتا ہے۔ ان تالیوں سے تو من برستا ہے۔ تجوریاں بھرتی ہیں۔ شاید یہ تالیاں کیشو کے کرایہ کے ہاتھ بجا رہے ہیں۔ اور اگر یہ تالیاں نہیں بجتیں تو پروڈیوسر کے

بار ، بج جاتے ہیں ۔

رنیتا اپنے جیتے رمّی کے ساتھ تھی ۔ اُس نے دھرم دیو کو کئی بار کنکھیوں سے دیکھا ۔ سمجھ گئی ابھی بم نہیں پھٹا ۔ فلم لائن میں کوئی راز ایسا نہیں جو طشت از بام نہیں ہوتا ۔ اور اخباروں میں اُس کے پرزے نہیں اڑائے جاتے ۔ پرزے اڑیں گے تب رمّی اس کے پرزے اڑائے گا ۔ کمسن محبوب کتنا ظالم اور نخرے باز ہوتا ہے ۔ گھٹنے ٹکوا کر ہی دم لیتا ہے ۔

جیسے وہ درباجی کو ......

پریمیر کے بعد وہ باہر نکلا تو دیکھا زرینہ جمال اور اس کی ماں ایک طرف کھڑی تھیں ۔ کسی نے اُسے پہچانا تک نہیں ۔ ایک دن پہچان جائیں گے تو اسے دیکھ کر باد لے کتوں کی طرح زبانیں لٹکائے اس پر حملہ کر دیں گے ۔

اس نے کیشو سے کہا انھیں اسٹیشن ویگن میں ان کے گھر چھوڑ دینا ۔

صُبح اُس کی آنکھ کھلی تو دِل دھک سے رہ گیا۔ اُس نے ساڑھے نو بجے تک منگلا سے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور نو بج چکے تھے، اب آدھ گھنٹے میں ضرورِیات سے فارغ ہو کر شیو کرے یا اخباروں کے ڈھیر میں فلم کے ریویو پڑھے۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وقت بچانے کے لئے اُس نے ایک ہاتھ میں الیکٹرک شیور تھاما، اور دُوسرے میں اخبار اور کموڈ پر بیٹھ گیا۔ پھر اُسے اپنی حماقت پر غصّہ آیا۔ وہ اپنی بیوی بچّے سے ملنے جا رہا ہے، اُس کی بیوی، نصف بہتر اور اس کا پیارا بچّہ۔ منگلو جانتی ہے وہ کس قدر تھکا ہوا ہے۔

ہسپتال میں مُبارک باد دینے والوں کا جمگھٹا تھا۔ زندگی ایک مستقل مُبارکباد بن کر اُس پر سے نچھاور ہو رہی تھی۔

لوٹتے وقت اُس نے ہیرے کا سیٹ منگلا کے لئے نانو بھائی جوہری کے ہاں سے لیا کہ شام کو دے گا۔ کلکتہ ریلیز پر جانے سے پہلے وہ منگلا کے پاس گیا تو ہار گھر ہی بھول آیا تھا۔ منگلا سے ذکر بھی نہ کیا۔

رتیا بھی کلکتہ جا رہی تھی۔ رمّی سے اُس کا پریمیر کے دن خُوب جھگڑا ہوا تھا۔ ساری رات جنگ برپا رہی۔ ورماجی کی حرکت پر اُس سے ہمدردی کرنے کے بجائے وہ گڑے مُردے اُکھیڑ رہا تھا۔ ہاتھ پیر جوڑ کر اُسے کلکتہ چلنے پر راضی کیا۔ وہ کھسیانہ ویسے ہی ہو رہا تھا۔ لوگ رتیا کو دیکھ کر دیوانے ہوئے جا رہے

تھے۔ اُس کے آٹوگراف لے رہے تھے۔ اس کے ساتھ تصویریں کھنچوا رہے تھے۔ اُسے کوئی نہیں پہچان رہا تھا۔ وہ کُلا بُھنا شراب کے نشے میں دھت ہو رہا تھا۔

ہوٹل میں رمّی نے شراب پی کر اینگلو انڈین لڑکیوں کے ساتھ فلرٹ کرنا شروع کر دیا۔ اس پر ریتا کا موڈ بالکل آف ہو گیا۔ وہ دکھاوے کے لئے الگ کمرے میں ٹھہرا تھا مگر ریتا کے کمرے سے ملا ہوا اُس کا کمرہ تھا۔ پریمیر پر جانے کے سلسلے میں اور بھی تُو تُو مَیں مَیں ہُوئی۔ دھرم نے بیچ بچاؤ کرنا چاہا تو اُسے بھی دو چار سُنا دیں۔ مگر پھر فوراً معافی مانگی اور پیر پکڑنے لگا۔ خیر دونوں گلے ملے اور آئندہ فلم میں کام کرنے کے وعدے ہُوئے۔ مگر سب نشے میں۔ موٹر میں پھر دونوں اُلجھنے لگے اور رمّی موٹر سے اُتر کر چل دیا۔ ریتا کو بھی غصّہ آ گیا اور وہ چلا چلا کر اُسے ماں بہن کی گالیاں دینے لگی۔

انٹرول میں پھر نہ جانے کدھر سے آن پہنچا۔ اور بھی پئے ہوئے تھا۔ اس کی سیٹ پر کوئی ریتا کے مداح آن کر ڈٹ گئے تھے۔ رمّی بے توجہ ہو کر مُڑ گیا۔ ریتا جلی بیٹھی تھی۔ اُس نے بھی خوب دھرم دیو سے چمٹ کر اُٹھلاتی ہوئی تصویریں کھنچوائیں۔ رمّی نے دال گلتے نہ دیکھی تو نہ جانے کدھر کھسک گیا۔ رات کو پریمیر سے واپسی پر ریتا دھرم دیو کے کمرے میں آ کر چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اُس نے بمبئی ٹرنک کال بُک کر رکھی تھی۔ چلتے وقت منگلا چُپ چُپ سی تھی۔ کیا کچھ گڑبڑ تو نہیں ڈاکٹر اس سے چھپا رہے ہوں۔

ایک دم ریتا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ارے...... کیا ہُوا؟"

"ہائے دھرم جی......" وہ اُس کے شانے سے لگ کر سسکیاں لینے لگی۔

"ناحق اُس لونڈے کے پیچھے پریشان ہو رہی ہو۔ گولی مارو کمبخت کو۔" اُس نے سمجھایا۔

"گولی مارنے سے کام نہیں چلے گا...... آئی ایم پریگنینٹ!"

"یو...... یو آر واٹ؟" دھرم دیو اُچھل پڑا۔ "اوہ ... مائی گوڈ۔"

دھرم نے اُٹھ کر دو تگڑے تگڑے پیگ بنائے۔

"پر تم کیوں مرے جا رہے ہو، تمھاری فلم تو پوری ہو گی" رتیا نے طعنہ دیا۔
"دوسری جو سیٹ پر جا رہی ہے" دھرم دیو نے جھوٹ بولا۔ اس کا ارادہ قطعی رتیا کے ساتھ فلم بنانے کا نہیں تھا۔ ساتھ میں رمّی کو لازمی طور پر لینا پڑے گا۔ وہ اتنا احمق نہیں جو ان گھستوں میں آجاتے۔ آج ملاپ کل لڑائی۔ پکچر کا ڈبہ گول ہے۔
"دوسری کو ڈالو چولہے میں۔ یہاں جان پر بنی ہے اور تمھیں پکچروں کی پڑی ہے۔ مجھ سے کسی کو دلچسپی نہیں۔ میں مر جاؤں، خاک میں مل جاؤں بس ہٹ فلمیں بنتی رہیں۔"
"مگر وہ الو کا پٹھا گیا کہاں؟"
"گیا ہوگا کہیں اپنی اماں بہنا کے ساتھ" اچھے گھرانے کی لڑکی ایسے مزے سے بازاری گالیاں بک دیتی تھی کہ لوگ ہکا بکا رہ جاتے تھے۔
"لو کوئی حل سوچو میری مصیبت کا۔"
اتنے میں بمبئی سے کال مل گئی۔
"ہلو... کیسی ہو منگل...." اس کا جی چاہ رہا تھا رتیا بھلے ہی غارت ہو تو وہ منگلا سے کوئی بہت پیاری سی بات کہے۔ اس نے رسیور پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
"پلیز رتیا۔"
"تمھاری بلا سے میں چاہے مر جاؤں۔"
"کب آرہے ہو؟" منگلا نے چھوٹتے ہی پوچھا۔
"تم لگی ہونا، بس تم.... تمہاری چہیتی بیوی.... بچے...." رتیا نے لمبی سی آہ بھری.......
"صبح کے پلین سے دہلی.... پھر.... افوہ رتیا پلیز.......
ہلو......"
"دہلی نہ جاؤ گے تو کیا دیوالہ نکل جائے گا" منگلا نے کہا۔
"سیٹیں بک ہو گئی ہیں۔ وہاں انتظار ہو رہا ہوگا۔ پریمیر ہے آخر...."
"بس پریمیر... مہورت شوٹنگ.... اڈیٹنگ.... اسی میں زندگی بیت جائے گی۔ تمھیں شادی کی کیا ضرورت تھی......"
افوہ مر مر کے تو یہ لڑکیاں شادی کرتی ہیں۔ پھر الٹے طعنے دیتی ہیں۔
"بھگوان.... میں ماں بننے والی ہوں!" رتیا نے اپنی کسی پرانی فلم کا مکالمہ

دہرایا اور ایک سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

"شٹ اپ رتنا"

"یو شٹ اپ حرام زادے.... کمینے"، رتنا چنگھاڑی۔

"یہ تم کس سے باتیں کر رہے ہو" منگلا نے پوچھا۔ کون ہے تمھارے کمرے میں؟"

"رتنا ہے۔"

"رتنا..... تمھارے کمرے میں..... کیا کر رہی ہے۔"

"رو رہی ہے۔" دھرم دیو نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں.... میں..... مشہور فلم اسٹار رتنا دیوی...... نصیب کو رو رہی ہوں"، رتنا پر خوب چڑھی ہوئی تھی۔ وہ رسیور پر جھک کر چیخی۔ "دو میں جنم جلی ابھاگن..... میں ماں نہنے والی ہوں" اس نے رسیور چھیننے کی کوشش کی۔

"ہلو..... ہلو..... منگلا.... ہلو" مگر لائن کٹ چکی تھی۔ اس نے رتنا کو دور جھٹکا دیا اور پھر سے کال بک کرنے لگا۔ دھرم دیو کا دم گھٹنے لگا۔ منگلا کی خفگی کے خیال سے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ جی چاہا رتنا کو اُٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دے۔ خواہ مخواہ کڑھ رہی ہو گی منگلا۔ پچھلی دفعہ کی طرح دودھ خشک ہو گیا تو بڑی مصیبت ہو گی۔ مگر ایسی بات ہی کیا ہے۔ منگلا ایسی تو نہیں کہ اس پر کوئی ایسا ویسا شبہ کر بیٹھے۔

وہ تھوڑی دیر سر پکڑے بیٹھا رہا۔ صبح نو بجے ایر پورٹ پہنچنا تھا۔ جی چاہ رہا تھا بجائے دہلی جانے کے سیدھا بمبئی ہی چل دے۔ مگر پروگرام لوٹ پوٹ ہونے کا ڈر تھا۔ بڑے زور کے رسیپشن کی تیاریاں ہوں گی۔

"چلو رتنا اپنے کمرے میں"

مگر رتنا اڑ گئی۔

"تمھو بھی رمی آگیا ہوگا"

"نہیں وہ نہیں آئے گا.... کبھی نہیں آئے گا۔ وہ چار لڑکیوں کے ساتھ گیا ہے" اس نے چار انگلیاں پھیلائیں اور گندی گندی تفصیلیں بیان کرنے لگی۔

"رات کے دو بجے ہیں...."

"ابھی تو دو لڑکیاں باقی ہوں گی۔" وہ دھرم کے گلے میں باہیں ڈال کر چنگھاڑنے لگی۔

"گھبراؤ نہیں ریتو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا ٹھیک ہو جائے گا۔ میرے پیٹ میں کلبلاتے کیڑے کا کیا ہوگا بس ایک ہی راستہ ہے۔ موت!" وہ پھر کسی فلم کے سیٹ پر پہنچ گئی۔

"پاگل نہ بنو...." وہ اُسے گھسیٹتا کمرے کی طرف لے چلا۔

"صبح سے پہلے اُسے چھٹی نہیں ملے گی۔ بڑی لمبی ڈیوٹی ہے...... چھوڑ دو مجھے حرام زادے......" اُس نے دھرم کو دُور جھٹکا اور کھڑکی کی چوکھٹ پر چڑھ گئی۔

کیا کرتی ہے پگلی۔" اُس نے ریتا کو پکڑ کر بیڈ پر بٹھا دیا۔ اتنے میں ٹرنک کال مِل گئی۔

"میں جینا نہیں چاہتی...." وہ پھر کھڑکی کی طرف لپکی اور چوکھٹ پر چڑھ گئی۔

"ہلو...... منگلا...... ارے۔" وہ ٹیلی فون پھینک کر لپکا۔

"مجھے مرنے کیوں نہیں دیتا حرام زادے۔" وہ چنگھاڑی۔ "چھوڑ دے ظالم......"

ایک ایک کر کے ہوٹل کے کمروں میں بجلیاں جلنے لگیں۔ کوئی دھرم دیو کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔ ریتا جنگلی بلی کی طرح اُس کا منہ نوچ رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اُس نے ریتا کو زمین پر گرایا۔ لپک کر دروازہ کھولا اور لپک کر واپس اُسے دبوچ لیا۔

جب کیشو، رندھیر، ہوٹل کا منیجر اور چند اِدھر اُدھر کے تماشبین داخل ہوتے تو اُنھوں نے دیکھا ریتا اور دھرم ایک دُوسرے میں اُلجھے ہوئے قلابازیاں لگا رہے تھے۔ سب نے ریتا کو دھرم دیو سے بھیڑ میں لپٹتے چپٹتے دیکھا ہی تھا۔ رتی سے بھی اُس کے جھگڑے کی بات سب پر عیاں ہو چکی تھی۔ سوائے کیشو کے کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ دھرم کی حیثیت اُس ڈرامے میں در و دیوار سے زیادہ نہیں

جن سے بدبخت رینا اپنا سر پھوڑ رہی ہے۔

جب لوگ تڑپتی بلبلاتی املا کو لے گئے تو دھرم کی نظر پھانسی پر لٹکے ہوئے رسیور پر گئی۔ لائن ابھی تک کٹی نہیں تھی۔

"ہلو۔۔۔۔ ہلو منگلو۔۔۔۔" وہ ہانپا

ادھر سے صرف ایک ادھوری سی سسکی ابھری اور لائن کٹ گئی۔

وہ بڑی دیر تک رسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ پھر اس نے مردہ رسیور رکھ دیا۔ بوڑھوں کی طرح گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھا۔ وہسکی کا گلاس بھرا اور غٹ غٹ گیا۔ پھر قالین پر بیٹھ گیا۔ دونوں ہاتھوں سے پیر پکڑ کر آگے پیچھے جھوم جھوم کر سسکیاں بھرنے لگا۔

بچپن میں جب اس کی ماں غصہ ہو کر اسے اکیلے کمرے میں بند کر کے باہر سے کنڈی چڑھا دیا کرتی تھی تو وہ اسی طرح زمین پر پھسکڑا مار کر بسورنے لگتا تھا۔

صبح جب وہ ایرپورٹ جا رہا تھا۔ تو اس نے دیکھا رینا سجی سجائی لاونج میں بیٹھی ہے۔ رمی اسے نارنگی کی پھانکیں چھیل چھیل کر کھلا رہا تھا اور وہ تتلا تتلا کر اس سے پیار کی باتیں کر رہی تھی۔

رات ضرور اس نے کوئی ڈراونا خواب دیکھا تھا

بمبئی پہنچ کر اس نے سب یار دوستوں کو ٹال دیا۔ سیدھا گھر پہنچا۔ سامنے برآمدے میں کیشو اکڑوں بیٹھا تنکے سے زمین کرید رہا تھا۔ وہ اور رندھیر رات کے پلین سے پہنچ گئے تھے۔ اسے دیکھ کر وہ لپکا۔ دھرم دیو اترنے لگا تو وہ دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

"منگلا اسپتال سے تو آ گئی نا۔ کیسی ہے؟"

"اچھی ہیں۔ دفتر چلو۔" اس نے ڈرائیور سے کہا۔

"ابے کیا بات ہے؟" دھرم دیو کھٹک گیا۔ "ٹھہرو" اس نے ڈرائیور سے کہا۔

"کچھ نہیں۔۔۔۔ چلو تو دفتر۔"

"کیوں؟"

"گھر میں تالا پڑا ہوا ہے!" اس نے چپکے سے کہا۔ حالانکہ ڈرائیور کو سب معلوم تھا۔

"خیریت تو ہے؟" اس نے ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ کیا۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔"

"کیشو!"

"اب میں کہتا ہوں ایسی گھبراہٹ کی کیا بات ہے ۔ مدراس کے ڈسٹری بیوٹر کا صبح فون آیا تھا۔ میں نے انھیں دو بجے کا ٹائم دے دیا ہے۔ بس آتے ہی ہوں گے"

کیشو اِدھر اُدھر کی ہانکنے لگا۔

"یہ کیا...... اُمتھر" وہ ضبط کر کے ناخون کاٹنے لگا ۔ اسے کیشو کی اس لیپا پوتی سے بڑی چڑ تھی ۔

"کہاں گئی ہیں؟" اس نے دفتر میں پہنچ کر بے تابی سے پوچھا۔

"مائیکے ، اور کہاں جاویں گی۔"

"مگر......"

"میں نے بہت سمجھایا مگر وہ تو مجھے آپ کا چمچہ سمجھتی ہیں ۔ واسو اور کملا نے انہیں سب بتا دیا۔ پھر اس روز ٹرنک کال پر تو غضب ہی ہو گیا۔ دیدی کو ننٹ پڑ گیا۔ تمام میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔"

"کملا اور واسو نے کیا بتا دیا؟"

"اس دن ..... جب ورما جی نے ایسڈ پھینکا تھا تو آپ اُسے ساتھ لے آئے تھے ۔ کمرے میں اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔"

"ایں؟"

"جی؟"

"مگر...... بڑا گدھا ہے یہ واسو کا بچہ......"

"اب دیکھو زیادہ گڑبڑ مت کرو۔ خود ہی تو کہتے ہو کہ بزنس اور رومینس کو گڈمڈ نہیں کرنا چاہیے۔"

"ابے سالے کیا بک رہا ہے۔ تو جانتا ہے میرا اور رتیا کا کوئی گھپلا آج تک نہیں ہوا۔"

"میں تو جانتا ہوں بابا ۔ پر میں تمھاری بیوی تو نہیں ہوں ۔ وہ تو عورت ذات ہے اور سچویشن ایسی بگڑ گئی ہے کہ پتہ پانی ہو جائے گا ثبوت دیتے دیتے۔"

"میں کوئی ثبوت دبوت نہیں دوں گا ۔

"مگر دیدی کا بھی دوش نہیں۔ واسوا ورکملا نے انھیں کیوں بتایا کہ ریتا بیڈ پر لیٹی تھی۔"

"تو اس میں کون سا غضب ہو گیا۔"

"اور آپ...... اور یہ......" کیشو بد ذاتی سے مسکرایا۔ وہ کملا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا میری کون سنتا ہے۔ مجھے تو دیدی نے باہر نکال دیا۔"

"تو ریتا بتا دے گی۔"

"وہ تو اس نے ٹرنک کال پہ کلکتہ میں ہی بتا دیا تھا۔"

"کیشو ببلو کی سوگند...... میں"

"میں جانتا ہوں جی، مگر بچے کو اس گند میں نہ گھسیٹو۔ بابو یہ فلم لائن ہے۔ یہاں سب چلتا ہے۔ یہ سب فلم لائن کے فیتے سے ناپے جاتے ہیں۔" اتنے میں اسٹاف کے لوگ آ گئے اور بات وہیں گھٹ گئی۔

دھرم دیو سسرال پہنچا وہاں ہر شخص کا منہ پھولا ہوا تھا۔ منگلا کیا روٹھی سارا کنبہ روٹھ گیا۔ اپنا سگا بھائی کترا کر نکلا جا رہا ہے۔

منگلا تھی بھی بے انتہا شکی مزاج۔ کبھی بات ادھر کی ادھر ہو جاتی تو جان کو آ جاتی۔ اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔

"تم تو کہتے تھے ایڈیٹنگ کرنا ہے پھر جوہو کیوں چل دیئے۔"

"اور رسیز والے ڈسٹری بیوٹر سے ملنا تھا۔"

"بس ہوٹلوں ہی میں ملنا ہوتا ہے۔ یہ کمبخت دفتر کی پھر کیا ضرورت ہے، ہاں وہاں ننگی چھوکریاں جو نہیں ناچتیں۔ جونہی وہ گھر سے روانہ ہوتا وہ اس کا پیچھا شروع کر دیتی۔ آفس پہنچا کہ نہیں۔ جگہ جگہ فون کرتی۔ جب وہ واقعی کام میں مشغول مل جاتا تو چور سی رہ جاتی۔

"کیا قصہ ہے؟ جگہ جگہ فون کر رہی ہو۔ کیا سمجھتی ہو کسی رنڈی کے ہاں مجرا سن رہا ہوں۔" وہ چڑ جاتا۔

"ارے واہ، ببلو یاد کیے جا رہا تھا۔ گھنٹہ بھر سے ڈیڈی ڈیڈی کی رٹ لگا رکھی ہے۔" وہ فوراً بچوں کی آڑ میں دبک جاتی۔ دھرم پگھل جاتا۔ کیسی بدنصیبی تھی اسے بچوں کو پیار کرنے کے لئے بھی چھٹی نہ ملتی تھی۔ کئی کئی دن تو صورت بھی دیکھنے کو

نہ ملتی ۔ صبح وہ اُٹھتا تو بچے ہوا خوری کو چلے جاتے ۔ رات کو واپس لوٹتا تو سوتے ہوتے ۔ اُسے کتنا ارمان تھا اپنے بیٹے کو دودھ پلانے کا اُسے اپنے ساتھ سلانے کا ۔ واسو چھوٹا تھا تو دھرم اور وہ ساتھ سویا کرتے تھے ۔ کبھی وہ ضِد کرنے لگتا ۔

”بلو کو میرے پاس لٹا دو ۔“

”ابھی سویا ہے جاگ گیا تو رونے لگے گا ۔“ منگلا ٹال دیتی ۔ وہ خود اس کی بھوکی ہوتی تھی ۔

”کچھ دن یہاں رہ لے گی تو کیا اندھیر ہو جائے گا ۔“ منگلا کی اماں بولیں ۔

”آپ ہی وہاں چلی چلیں ۔“

”میں کہاں سارا گھر بار چھوڑ کے جاؤں ۔“

”تو وہاں بھی تو گھر بار ہے ۔“ اُسے ڈھنڈ بار گھر کے خیال سے وحشت ہونے لگی ۔ ”دوسرے جانا ہے نا ۔“

”کہاں جانا ہے ۔“

”کل رسیپشن ہے ۔ رینا اور رمتی کی شادی کا ۔“ اُس نے گپ ماری ۔ منگلا کان لگا کے سننے لگی ۔

”شادی ہو گئی ۔ کب ؟ کہاں ؟“

”شادی تو دہلی میں چپ چپاتے ہو گئی ۔“ وہ دلیری سے جھوٹ بولتا گیا ۔

گھر جاتے وقت وہ موٹر ہی میں جرح کرنے لگی ۔

”رات گئے اُس دن تمہارے کمرے میں کیا کر رہی تھی ۔“

”میرے کندھے پر آنسو بہانے آئی تھی ۔ رمتی سے جھگڑا ہو گیا تھا ۔“

”پھر ؟ ..... کیسے راضی ہوا ؟“

”تو نے مجھے بہت ستایا بھوتنی ۔“ دھرم نے منگلا کو گھسیٹ کر اُس کے ہونٹ چوم لئے ۔ ”جی چاہتا ہے تیرا منہ توڑ دوں ۔“

”ہوں ہوں ۔“ منگلا نے ڈرائیور کی طرف اشارہ کیا

”آخر پھانس ہی لیا رینا نے اُسے ۔“ اور دھرم ڈرا کہ دِل بیٹھنے لگا کہ اگر جھوٹ کھل گیا تو ؟

”پیٹ سے ہے رینا ؟“

"وہ کہتی تو ہے۔"

"پر ہی میچیور بچہ ہوگا۔" منگلا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

گھر پہنچ کر سب سے پہلا کام دھرم دیو نے یہ کیا کہ کیشو اور رندھیر کو طلب کیا اور تینوں رتیا کے سر پر جا سوار ہوئے۔

"شادی ہوگی اور آج رات ہی ہوگی۔" اُس نے الٹی میٹم دیدیا "ورنہ لاشیں پڑجائیں گی۔"

"ارے واہ کیا گھاس کھا گئے ہو، کوئی گڑیا گڈے کا بیاہ ہے جو آج ہی ہوجائے۔ انتظام کرنا ہے۔ کوئی مذاق ہے۔"

کل تک رتیا شادی کے لیے بلبلا رہی تھی آج نخرے ہونے لگے۔ کیشو اور رندھیر نے منگلا کو سمجھایا کہ یہ دکھاوے کی شادی ہے۔ اصلی دہلی میں ہو چکی۔

کیا دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ نہایت شاندار ریشمی رقعے چھپے۔ ڈلہن سب شوٹنگ وغیرہ جھٹک کر مایوں بیٹھ گئی۔ ساری انڈسٹری کی بہو بیٹیاں جمع ہوئیں۔ اُبٹن لگا، مہندی رچی۔ بنگلا قمقموں اور رنگین جھنڈیوں سے جگمگا اُٹھا۔ پھاٹک پر نوبت بج رہی تھی۔ لگن منڈپ زرتار لڑیوں اور پھولوں سے لدا ہوا تھا۔ پھیرے پڑے۔ وہی پروڈیوسر ڈائرکٹر اور آرٹسٹ جو برات میں آئے تھے ڈلہن والے بھی تھے۔ دُولھا پھولوں سے لدا پھند اگھوڑے پر سوار ہو کر بینڈ باجے کے ساتھ بارات لے کر چڑھا۔ حیدرآباد سے خاص طور پر نظام کے توشہ خانہ سے جھلا جھل کرتی پینس منگوائی گئی تھی۔

جب دھرم دیو نے کنیادان کیا تو منگلا کے آنسو چھلک پڑے۔ شاید جی بھر آیا ہوگا۔ مگر بعض لوگوں کا یقین تھا کہ اپنی زندگی کی راہ سے خطرہ ٹل جانے کی خوشی میں آنسو چھلک آتے۔ رخصتی کے وقت جب "کاہے کو بیاہی بدیس" فلم لائن کی بہترین آوازوں سے اُٹھایا تو دُلھن کی چیخیں نکل گئیں اور کوئی آنکھ ایسی تک نہ تھی جو چھلک نہ اُٹھی ہو۔ رتیا اپنے پرائے سے ایسے گلے مل مل کر دہاڑی جیسے وہ واقعی ہزاروں کوس بیاہ کر جا رہی ہو۔ سب نے اُسے تحفوں سے لاد کر رخصت کیا۔ ان میں ڈسٹری بیوٹر اور پروڈیوسر بھی تھے۔ میک اپ

ہیں اور ڈریس انچارج بھی تھے۔ وہ جنہوں نے اس سے لاکھوں بناتے تھے اور وہ بھی جنہوں نے برے دنوں میں اُس کی ناک بھی رگڑی تھی۔ آج سب براتی تھے۔ برات گشت کر کے واپس لوٹ آئی کہ اب یہ بنگلہ ہی دولہا کا تھا۔ دلہن دولہا کے لیے ایک کمرہ لڑکی بابیوں نے سجا کر تیار کر رکھا تھا۔ میرجکہ آرٹ ڈائرکٹر نے اس میں دھرم دیو کے اسٹور میں سے لا کر کانچ کے قمقمے اس چابک دستی سے سجائے تھے کہ پرستان کے کسی حجلۂ عروسی کا گمان ہوتا تھا۔

جب لڑکیاں قہقہے مارتی رمیؔ کو لائیں اور کمرے میں بند کر کے چٹخنی چڑھا دی تو وہ ریتا کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ وہ شرمائی لجائی گٹھڑی بنی مسہری پر بیٹھی تھی۔ ایسی ریتا کو تو اس نے خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ تو اُس کے حملوں کو وصول کرنے کا عادی تھا۔

ڈرتے ڈرتے اُس نے گھونگٹ اُٹھایا۔ ریتا مہندی لگے ہاتھوں سے منہ چھپا کر اور جھک گئی۔ بڑی مشکل سے اُس نے ہاتھ ہٹائے تو ریتا کی نرگسی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ اس کے معصوم چہرے پر کس بلا کا کنوارپن تھا کہ رمیؔ کو پھریری آگئی۔

منگلا: دنوں کے بعد بھی کئی ہیروئنوں سے زیادہ لچک دار اور نازک تھی۔ اس کی آواز کا جادو تو ملک بھر میں چھایا ہوا تھا، مگر ایکٹنگ سے وہ بہت خائف تھی۔ نہ جانے کس نے یہ تجویز پیش کی کہ بنگالی کہانی کے لئے اس سے بہتر لڑکی نہیں مل سکتی۔ اس کی باوقار شخصیت رول کو چار چاند لگا دے گی۔ منگلا نے صاف انکار کر دیا اور دھرم نے بھی زور نہ دیا۔

زرینہ کی فلم کے سوا اور سیٹ پر کوئی فلم نہ تھی۔ اتنی چھوٹی سی فلم کے بل بوتے پر کیسے گاڑی چلے گی۔ سب نے بہت کہا مدھو بالا یا نمی کو لے کر فوراً فلم شروع کر دی جائے، مگر نہ جانے دھرم کو کیا ہو گیا تھا۔ حال ہی میں کہانی کے سلسلے میں اتنی بنگالی اور مراہٹی فلمیں دیکھی تھیں کہ کوئی چیز جچ ہی نہیں رہی تھی۔ انھیں دنوں بمبئی میں بیرونی فلموں کا ایک میلہ ہو رہا ہے۔ دھرم نے کچھ اٹلی اور فرانس کی شاہکار فلمیں دیکھیں اور انھیں دل دے بیٹھا۔ ایک دم اسے محسوس ہوا وہ اب جو بھی فلم بنا چکا ہے، سوشل اور اسٹنٹ فلموں کا مجموعہ تھے۔ کوئی فلم اس قابل نہ تھی کہ کسی مہذب ملک میں ہندوستانی فلم انڈسٹری کا نمائندہ بنا کر بھیجی جا سکے۔ اس نے بڑی تندہی سے ایک واقعی اچھی کہانی کی تلاش شروع کر دی۔

بڑی دلچسپ ہوتی ہے یہ کہانیوں کی تلاش! ہر چہار طرف ہرکارے چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ پھر وقت مقرر کیا جاتا ہے، کہانی سنی جاتی ہے،

وو ربھی چلتا جاتا ہے، گپیں ہوتی رہتی ہیں۔ انڈسٹری کے سارے اسکینڈلوں پر تبصرہ ہوتا ہے، پھر کہانی چلتی ہے۔ وہی پٹے پٹائے موضوع۔

جب ایک چیز مل جاتی ہے تو انسان دوسری کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ جب روٹیوں کی محتاجی تھی تو بس دولت کمانے کی ترکیبیں سوچی جاتی تھیں۔ پھر دولت قدموں کی لونڈی بن گئی تو شہرت کی ہوس بڑھی۔ وہ ڈسٹری بیوٹر اور ایگزیبیٹر کی بخشی ہوئی شہرت نہیں۔ انٹلیکچویل طبقے کی تعریف۔ خواہ اس سودے میں دولت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ کالی اور سفید دولت اپنی جاذبیت کھو چکی تھی۔ ہر چیز سے جی بھر گیا تھا۔ جیسے لمبے سفر کے بعد گاڑی اطمینان سے شیڈ میں کھڑی تھی۔ عجیب اکتاہٹ سی ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔

اگر کوئی کہانی جی کو لگتی تھی تو وہ بنگالی کہانی تھی جو نکہ خرید لی گئی تھی۔ اور اس پر کچھ دنوں کام بھی ہو چکا تھا۔ اس لئے جب بہت اکتاہٹ چھا جاتی تو اسی کو لے بیٹھتے۔ کیٹو جو صرف دھوم دھڑکے والی فلموں میں یقین رکھتا تھا۔ نہ جانے کیا مصلحت دیکھی کہ وہ بھی اسی کے حق میں ہو گیا۔ اس نے منگلا کو پٹانے کا دل ہی دل میں بیڑا اٹھا لیا۔

"دیدی، رول تمہارے سوا کسی پر نہیں سجتا۔"

"کیوں جی تم تو شریف گھرانے کی لڑکیوں کا فلم میں کام کرنا عیب سمجھتے ہو۔"

"ارے تو میں فلم میں کام کرنے کو تھوڑی کہتا ہوں۔ دھرم جی یہ فلم کوئی مارکیٹ کی مانگ پوری کرنے کو تھوڑا ہی بنا رہے ہیں۔ ایک اونچی ایکجبر بنا رہے ہیں۔ اور دیدی۔ ان سالی ہیروئنوں سے تو پیچھا چھوٹے گا۔ آخر کو جوان ہیں۔ سندر ہیں۔ پوزیشن ہے۔ مکھیوں کی طرح لڑکیاں ٹوٹتی ہیں۔ وہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ آپ کے آگے وہ ہر کسی کو دھول سمجھتے ہیں۔ کیوں ان کا دل توڑتی ہیں؟"

منگلا بھی کچھ گھرداری سے اوب چلی تھی۔ گھر کی سجاوٹ بن کر رہ گئی تھی۔ اور اس سجاوٹ کو دیکھنے کی گھر والے کو مہلت بھی نہ تھی۔ کم سے کم ساتھ ہی رہے گا۔ صرف گلنے گا کر اور کبھی کبھار شوٹنگ میں غیروں کی طرح بیٹھنے سے ساتھ کہاں ملتا

ہے۔ اگر کام کر لیا تو کہانی پر بھی ساتھ بیٹھنے کو ملے گا۔ اُچھل کود تو نہیں کرنی جو شرم آئے۔

جب شام کو دھرم آیا تو وہ بیٹھی اسکرپٹ پڑھ رہی تھی۔ بے ساختہ اُس کے انتخاب کی داد دی۔

"مگر کیا فائدہ پیسے بھی ڈوبے بنے گی کہاں۔"

"کیوں؟ ایسا بہت تو خرچ بھی نہیں آئے گا۔ کاسٹیوم اور سیٹ کا تو کچھ جھگڑا ابھی نہیں۔ کیریکٹر بھی چار چھ ہی ہیں۔"

"مگر ہیروئن کا بڑا ٹیڑھا سوال ہے۔"

"نرگس کو لے لو۔"

"نہیں۔"

"آخر اُس سے اچھا اُس رول کو کون کر سکتا ہے؟"

"رول تو سارا ہیرو کا ہے۔ بڑی ہیروئن کیوں تیار ہوگی۔ اور شیاما شکیلہ کے بس کا یہ رول نہیں۔"

"ہوں۔" منگلا سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اسکرپٹ کھول کر بولی۔ "یہ سین تو بڑا ہی دل کو پکڑتا ہے جہاں ہیرو ہیروئن کی کمر میں ہاتھ ڈالتا ہے تو وہ اُس کی نیت کو سمجھ کر ہونٹوں پر پلّو رکھ لیتی ہے۔"

دھرم نے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنی طرف کھینچا۔ بے اختیار منگلا نے ہونٹوں پر پلّو رکھ لیا۔ دونوں ہنس پڑے۔

منگلا کا ٹیسٹ ضرورت سے زیادہ قابلِ اطمینان ثابت ہوا۔ دھرم میں جیسے کسی نے جان ڈال دی۔ دونوں رات رات بھر بیٹھ کر سیٹ بنواتے، منگلا نے دھوتیاں اور بلاؤز دھول میں رگڑ کر عین اسکرپٹ کے مطابق خود تیار کروائے۔ ایک ایک سین موتی کی طرح جڑا جانے لگا کسی طرح دونوں کی تسلی ہی نہ ہوتی۔ بار بار سیٹ لگتے اُکھڑتے اور پھر سے سین لئے جاتے۔ پہلی بار کلاس پکچر بن رہی تھی۔ شروع شروع میں تو خوب پبلسٹی ہوگئی پھر بات ٹھنڈی پڑ گئی۔

ڈسٹری بیوٹر نے فلم دیکھی تو تعریفوں کے پُل باندھ دیئے مگر جا کے دیو آنند اور مدھو بالا کی فلم خرید لی۔ دھرم نے جل کر زرینہ والی فلم "ناز" بھی دینے سے

انکار کر دیا۔ اس کی رپورٹ بری نہیں تھی، مگر بالکل نئی ہیروئن اور گمنام سے ہیرو انیل کی فلم سے کسی کو بہت زیادہ دلچسپی بھی نہیں تھی۔

فلم روبینہ ٹور نے کے لئے نہیں بنائی گئی تھی مگر خرچ بہت بڑھتا جا رہا تھا۔ کیونکہ دھرم اور منگلا دونوں ہی اپنی بات کو نبھانے پر تلے ہوئے تھے۔ پھر سے نیو تھیٹر کی روایت کو دہرانے کا قصد تھا۔ گانے بھی بے حد کلاسیکل رنگ میں تھے اور منگلا نے بڑی جان لگا کر گائے تھے۔ مگر چلتے ہوئے دفتی گانوں کی طرح لوگ ان پر سر نہیں دھنتے تھے۔ پھر ذرا چلتے گانے ریکارڈ ہوئے وہ اور بھی بجھ گئے۔ نہ ادھر کے نہ ادھر کے۔ اس اُدھیڑ بن میں دونوں ہی کچھ چڑھے سے رہنے لگے۔ بات بات پر بحثیں چل نکلتیں۔ اسٹاف کا دم سوکھنے لگتا پہلے کبھی ہیروئن سے کھٹک جاتی تھی تو پیک اپ کے بعد پیچھا تو چھوٹ جاتا تھا۔ یہاں تو دونوں موٹر میں روٹھتے۔ منتے جاتے۔ گھر جا کر پھر وہی سلسلہ نبٹنے لگتا۔

اسی موڈ میں ایک دن دھرم "ناز" کے سیٹ پر چلا گیا۔ وہاں زرینہ ایک بھڑک دار اودی ساڑھی اور لال بلاؤز پہنے مصنوعی زیور میں سر سے پیر تک ڈوبی انیل کے ساتھ کوئی سین کر رہی تھی۔ اس کے تیور دیکھ کر لوگوں کی ویسے ہی جان سوکھ جاتی تھی۔ زرینہ تو دانت نکال کر ہنس دی مگر انیل کے پسینے چھوٹ گئے۔

"اس سے کہو یہ بیہودہ ڈریس جا کر بدلے۔" اس نے ترویدی کو بلا کر کہا۔

"مگر کنٹی نیوٹی؟" ترویدی یوں سیٹ پر پھٹکارے جانے سے نروس ہو گیا۔

"چولھے میں ڈالو کنٹی نیوٹی، بہت بیہودہ ہے ڈریس۔ اور انیل بالکل الو کا پٹھا لگ رہا ہے۔ یہ دو رنگ کی جیکٹ کیوں پہنا دی؟"

"مگر......" ترویدی پسینہ پونچھنے لگا۔ "پچھلے سین ری شوٹ کرنا پڑیں گے۔"

"تمھاری بلا سے پیسہ میرا ڈوبے گا۔" اسٹوڈیو میں کھسر پھسر ہو رہی تھی۔ یہ فلم تو اس وقت سیٹ پر گئی تھی جب دھرم دیو پر ٹیکنیکل فلم کا بھوت نہیں سوار ہوا تھا۔ بلیک اور وہائٹ فلم میں اودے اور لال میں کیا فرق پڑتا ہے۔ ترویدی کا منہ پھول گیا۔ دھرم ایک دم نرم پڑ گیا۔

"اچھا بابا جیسا تم ٹھیک سمجھو مگر یہ ڈریس تو......"

"آپ ہی نے بنوایا تھا...... اب آپ کہتے ہیں۔"

"اچھا چلو سین لو" وہ سیٹ چھوڑ کر دفتر میں جا بیٹھا۔ منگلا سے بڑے زور کی جھڑپ ہو گئی تھی۔

"ہاں اب تم بھی دوسری ہیروئنوں کی طرح رعب گانٹھنے لگیں" اس نے جل کر کہہ دیا اور اسٹوڈیو چلا آیا۔

ترویدی تو اسی وقت سیٹ چھوڑ کر جانے والا تھا۔ مگر سب نے سمجھایا کہ دھرم جی بہت پریشان ہیں۔ آج کل تم ہی ان کا لحاظ نہ کرو گے تو کون کرے گا۔ کوئی نہیں چاہتا کہ فلم کھنڈت میں پڑ جائے۔

فلم اچھی چل رہی تھی۔ سب کی روزی اسی سے لگی ہوئی تھی۔ منگلا اور دھرم کی فلم "دو نیا" ڈوبتی ہی نظر آ رہی تھی، فلم ذرا ٹھنڈی ہونے لگے تو اسٹاف کی سٹی گم ہونے لگتی ہے کہیں فاضل اسٹاف کی چھٹی کی نوبت نہ آ جائے۔

مگر دھرم نے خود ہی ترویدی کو بلا کر اپنی غلطی مان لی۔ اسی وقت ایک جرنلسٹ کو فون کیا کہ سیٹ پر آ کر کچھ ڈائرکٹر کی پبلسٹی کے لئے تصویریں لے لو۔ اور جب ترویدی نے ہدایت کاری کے پوز دے کر تصویریں اتروائیں تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

چار دن "دو نیا" کے پرانے سیٹ کی پھر سے شوٹنگ ہوتی رہی۔ نتیجہ کچھ اطمینان بخش نہ نکلا، اس سے تو پرانی شوٹنگ ہی اچھی تھی، مگر نیا گانا جو ریکارڈ ہوا اسے سن کر سارا اسٹوڈیو جھوم اٹھا۔ پتہ نہیں واقعی گانا لاجواب تھا یا مصلحت ہی کچھ ایسی تھی کہ ڈوبتی "دو نیا" سنبھالا جائے۔

نہ جانے کیا ہو جاتا ہے کامیابی کی ایک سیڑھی پر پہنچ کر انسان بالکل تنہا رہ جاتا ہے۔ آس پاس اس کے نوکر اور خوشامدی رہ جاتے ہیں۔ غرض کی تو یہ دنیا ہے۔ دوستوں کو نبھانے کے لئے نہ فرصت اور نہ فلمی زندگی اس کی مہلت دیتی ہے، ساتھ کام کرنے والے ہی دوست یا دشمن رہ جاتے ہیں۔ کبھی تو دوست بھی ماتحت بن کر غیر لگنے لگتے ہیں۔ خلوص کی جگہ مصلحت آڑے آ جاتی ہے۔ وہ اپنے کچھ پرانے دوستوں کو اپنے ساتھ لایا کہ شاید ان کی صحبت میں پھر وہی املی کے درخت کے نیچے بتائے ہوئے دن واپس لوٹ آئیں گے۔ وہی ہنسی مذاق، دھول دھپا، لونڈیوں کے پرزے اڑانا، مگر بہت جلد نوکر اور آقا کا رشتہ آڑے آ گیا۔ اگر پھر بھی وہ دوست ہی نبنے پر مصر ہوا تو سارے ماتحت اسٹاف کی نظر میں کھٹکنے لگا۔ بگاڑ بکھائی شروع ہو گئی اور اس

کا پتہ کٹ گیا کبھی ترویدی سے کیسی بے تکلف دوستی تھی۔ اس کے گھر کھانا کھانے جانا تو ہمیشہ پیٹ خراب کر لیتا تھا۔ اُس کے کپڑے برسوں پہنے اور احسان اُتارنے کے لئے اپنے ساتھ لے لیا۔ ترویدی ہوشیار تھا اور ایسی حرکت کبھی نہ کی اسٹاف کو شکایت ہوتی۔ وہ پیٹھ پیچھے سب کے ساتھ بیٹھ کر ہاں میں ہاں ملایا کرتا تھا۔ اور دھرم کے بارے میں اُس نے بہت سے لطیفے ایجاد کئے تھے۔

"تم دونوں کو چھٹی کی ضرورت ہے۔" "تاز" کی آوٹ ڈور شوٹنگ کے لئے یونٹ نینی تال جا رہا تھا۔ رندھیر نے دھرم کو بھی رائے دی کہ چلو ذرا تفریح رہے گی۔

مگر منگلا کی حماقت دیکھئے کہ عین وقت پر ایک چیریٹی شو میں گانے کا وعدہ کر لیا۔

"تم چلو میں تین چار دن میں آجاؤں گی۔"

دھرم واقعی تھک گیا تھا۔ ویسے اس دن سیٹ پر ترویدی کو ٹوکنے کے بعد دھرم نے اپنی غلطی مان لی تھی، مگر پھر بھی ترویدی یہ نہیں چاہتا تھا کہ انڈسٹری میں یہ بات اُڑ جائے کہ دھرم فلم کی طرف سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ کیونکہ ترویدی کو دخل در معقولات ناگوار گزرتی ہے۔ اسٹوڈیو سے ہمیشہ بات توڑ مروڑ کر باہر پھیلائی جاتی ہے۔ وہ دھرم دیو کو مانتا تھا بڑے کھلے دل سے اُس کی رائے مانتا تھا۔ دھرم کی رائے ہمیشہ مفید ثابت ہوتی تھی۔ وہ دھرم ہی سے نہیں، رندھیر سے، کیمرہ مین سے اور دوسرے اسسٹنٹوں کی رائے سے بھی فائدہ اُٹھاتا تھا۔ فلم اچھی بنی تو نام اسی کا ہوگا۔ کوئی رائے دینے والوں کو نہیں گنے گا۔

نینی تال پہنچ کر وہ دو دن مسلسل سونے کا پروگرام بنائے رہا کبھی بے تعلقی سے شوٹنگ کی طرف بھی نکل جاتا۔ ترویدی اُسے دیکھ کر جھٹ ڈائرکٹر کی کرسی پیش کرتا۔

"بوس یہ سین بالکل قابو میں نہیں آرہا ہے۔ یہ تمھارے لینے کا ہے۔" وہ مسکا لگاتا۔

"نہیں بھئی تم ہی لو۔۔۔۔"

"اچھا دیکھتے تو رہو، غلطی کروں تو دُنیا ایک جھانپڑ۔"

"ایک نہیں دو ملیں گے۔" دھرم ہنستا۔

سناٹ نیار تھا۔ آخر یہی ہرسل اور ٹیک۔ ترویدی نے پوچھا۔

"کیسا لگا؟"

"کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ ایک ری ہرسل اور۔" دھرم کا دھیان نہ جانے کدھر تھا۔ "کون سا سین ہے؟"

"ہیرو برف پر چلتا ہوا آتا ہے کسی کے چھینکنے کی آواز آتی ہے۔" ترویدی نے سین کا خاکہ کھول کر بتایا۔

"اچھا اچھا، دہ سین۔ ہاں ایک ری ہرسل ہو جاتے۔"

ہیرو آیا۔ چھینک کی آواز آئی۔ مگر اس سے پہلے ہی ہیرو ٹھٹک گیا۔

"پھر سے۔" ترویدی نے کیمرہ ٹرک بیک کروایا۔

آٹھ دفعہ ہیرو چل کر آیا اور آٹھوں دفعہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہو گئی۔

"بالکل ہی بکس ہے۔" دھرم نے رندھیر کے کان میں کہا۔

نویں بار خدا خدا کر کے معاملہ نٹ بیٹھا۔ ہیرو ٹھیک وقت پر چھینک کی آواز پر ٹھٹکا جھک کر دیکھا برف کے تودے کے پیچھے ہیروئن بیٹھی تھی۔ وہی چھینک رہی تھی۔

"کون ہو تم؟" ہیرو پوچھتا ہے۔

"لڑکی!" ہیروئن پھر چھینک کر جواب دیتی ہے۔

"کیا کر رہی ہو؟" ہیرو پوچھتا ہے۔

"چھینک رہی ہوں۔" ہیروئن جواب دیتی ہے۔ زرینہ نے کچھ اس بھولپن سے کہا کہ دھرم زور سے ہنس پڑا۔ سارا اسٹاف ساتھ میں ہنسنے لگا۔ دھرم کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ رندھیر کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس کے لکھے ہوئے سین کی ایسی بے ساختہ داد

اور وہ بھی دھرم کے منہ سے! شورٹ ٹھیک تھا۔ قہقہے نے بگاڑ دیا۔

"سوری ترویدی .... میری مسٹیک ..... پھر سے لو ......"

"بس ہو جائے یہ سین!" ترویدی مسکانے لگا۔

"نہیں جی، ڈائرکٹر تم ہو میں کون؟" دھرم تکلف کرنے لگا۔

"دھرم جی، دیکھئے کٹی ہو جائے گی۔ یہ سین تو لینا ہی پڑے گا۔" وہ الگ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اے .... دیکھو یوں ناک مسلو۔" وہ زرینہ کو بتانے لگا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ

دھرم بذاتِ خود اُسے ڈائریکٹ کر رہا تھا۔ عقیدت سے اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اور منہ دیکھتی رہ گئی۔

"منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ ہاں یوں ناک مسل کر پھر چھینکو۔"

زرینہ نے بے ساختہ چھینک ماری۔

"اُوہ ایسے نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پہلے ناک۔" مگر زرینہ چھینکے جا رہی تھی۔

"میں تھوڑی چھینک رہی ہوں۔ آپ سے آپ آ رہی ہے چھینک۔" وہ پھر چھینکی۔

"اِیں؟ اچھا جلدی کرو۔ ورنہ برف میں اکڑ کے مر جاؤں گی۔ ایک پیالی چائے دو۔"

"ارے بھئی تم بیٹھو۔" ترویدی نے انیل سے کہا۔ وہ بڑی معترض نظروں سے کبھی ترویدی کو اور کبھی دھرم کو دیکھ رہا تھا۔

اتنے میں ایک بادل کا ٹکڑا آ گیا اور سب چائے پینے لگے۔

چائے کے بعد پھر کام شروع ہوا۔

"رندھیر یہ سین او۔ کے ہوا تھا۔"

"ہاں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ دیکھو تمہارے ہاتھ کا نوٹ لکھا ہوا ہے۔ کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں، کچھ جم نہیں رہا ہے۔ مزے دار سین ہے۔ ذرا کچھ اور ہونا چاہیئے۔"

"ریڈی۔" ترویدی نے دھرم سے کہا۔

"سنو، ایسا کرو تم دوسرا سین شروع کر دو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آج ذرا اسے دیکھ لیں۔ کل شوٹ کریں گے۔ کیوں؟"

"بالکل بالکل۔" ترویدی سین جمانے لگا۔

یہ سین بڑا ٹیڑھا تھا۔ ہیرو ٹہلتا جا رہا ہے۔ بازو سے ہیروئن اچانک نکل کر ٹکرا جاتی ہے۔ پہلے ریہرسل میں جب ہیروئن ٹکرائی تو ہیرو کا توازن بگڑ گیا۔

دوسری دفعہ زرینہ کی چپل کی ایڑی برف میں پھنس گئی۔ اور وہ لڑکھڑا گئی۔

اب کے جو زرینہ آئی تو انیل نے بے اختیار ہاتھ پھیلا کر اُسے روک دیا۔ وہ بیوقوفوں کی طرح منہ تکنے لگی۔ جتنی زیادہ ریہرسل ہوئی اتنے ہی انیل کے حواس گم ہوتے گئے۔

"تھوڑی دیر سستا لو۔" ترویدی نے اُسے ایک طرف لے جا کر کہا۔ سب کو

غریب ہیرو پر ترس آرہا تھا۔ یہی تو موقع ہے اس پر ترس کھانے اور ہنسنے کا۔ دو چار نلمیں گوڑ کے پھر چوٹی پر چڑھ جائے۔ پھر مرضی ہے جو کچھ کرے کسی کی مجال نہ ہو گی چوں بھی کرنے کی، ایسے وقت میں لوگ بڑے بے رحم ہو جاتے ہیں۔

انیل گم سم سا ایک طرف بیٹھ گیا۔ سالا دھرم دیو جب سیٹ پر آجائے گا ستیاناس مار دے گا۔ بڑا نازک وقت تھا۔ پرانا ہیرو پچاس ری ٹیک کروائے کوئی اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ دھرم دیو بڑا مشکل پسند ہے۔ چار پانچ ریلیں بن گئیں تو کیا ہوا جی میں آگئی تو چھری گردن پر پھیر دے گا۔

دھرم نے انیل کو خود ریہرسل کر کے بتایا۔

زرینہ بھاگتی آئی۔ ٹکرانے کی ہمت نہ پڑی۔ ایک دم جھجک گئی۔

"ارے!" دھرم مسکرایا۔

دوسری بار آئی تو ایک دم لنگڑانے لگی۔ اس کے جوتوں میں برف بھر گئی۔

تیسری بار بھاگتی آئی۔ قریب آکر چال سست کی پھر ہولے سے ٹکرا گئی۔ بے حد نادم و کھسیانی۔

"ایسے نہیں، یہ کیا۔ پہلے رک گئیں پھر پھس سے ٹکرا گئیں۔ ایک دم بے خیالی میں بھاگتی آؤ زور سے ٹکراؤ۔ سمجھیں"

"جی" وہ پھر واپس گئی۔

اب کے وہ قلانچیں بھرتی ہرنی کی طرح آئی اور دھائیں سے دھرم دیو کی چھاتی پر گولی کی طرح لگی۔ دھرم اس ٹکر کے لیے قطعی تیار نہ تھا۔ دونوں لڑھک کر گر رہے۔ سارا اسٹاف ہنس پڑا۔ زرینہ اپنی ہنسی دباتے بیٹھے بیٹھے دور کھسکنے لگی جیسے دھرم اس کے تھپڑ ہی تو مار دے گا۔ پھر دھرم ہنس پڑا اور وہ بھی ہنسنے لگی۔

انیل خاموش بیٹھا سگریٹ کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا۔

ریہرسل پر ریہرسل ہوتا رہا۔ زرینہ تھک کر چور ہو چکی تھی۔ ہاتھ پیر برف ہو رہے تھے۔ کئی بار آنکھوں تلے اندھیرا آگیا۔ دھرم دیو ڈھٹائی سے کھڑا ریہرسل لئے جا رہا تھا۔

آخری بار زرینہ بھاگتی آئی۔ چھ پانچ دور رُک گئی۔ سمجھ میں نہیں آیا۔ بگڑتے سین کو کیسے سنبھالے۔ ایک دم سسکیاں لے کر سر دھرم دیو کی چھاتی پر ٹکا دیا۔

ایک لمحہ کے لئے دھرم سناٹے میں رہ گیا پھر اس نے زرینہ کو دونوں ہاتھوں سے ایسے دور پھینکا جیسے وہ کوئی سانپ یا بچھّو تھی۔ وہ اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ مارے غصّے کے دھرم کا مُنہ لال ہو گیا اور اس سردی میں بھی روم روم سے پسینہ پھوٹ نکلا۔ وہ ایک دم مُڑا اور ترویدی کو سین لینے کے لئے کہہ کر گیسٹ ہاؤس کی طرف چل دیا۔

زرینہ کو اپنی قسمت کا فیصلہ معلوم ہو گیا۔ وہ برف پر ہاتھ ٹیکے ہوتے بیٹھی رہی۔

"کیا مرنے کا ارادہ ہے۔ اُٹھو" ترویدی نے ریہرسل لینا شروع کیا۔

دو چار دفعہ میں اچھا خاصہ سین جم گیا۔

"ٹیک کیجئے نا" انیل نے کہا۔

"ابھی سے پیر نہ نکالو پیارے دو چار فلموں کے بعد حکم چلانا" ترویدی دھرم کے پاس پہنچا۔ وہ دراز سے بوتل نکال رہا تھا۔

"بوس شوٹ ریڈی ہے!"

"ٹیک کرو"

"ٹیک تو تمھیں ہی کرنا ہوگا"

"بس جی جیسا بھی ہو ٹھوک دو"

"ٹھوکوں گا نہیں"

"تو پیک اپ کرو" دھرم دیو بھی گرم ہو گیا۔

"بہت اچھا" وہ پیر پٹختا واپس لوٹ گیا۔

"پورا دن خاک میں مل گیا" کیشو اس کے گلاس میں برف ڈال رہا تھا اور آپ ہی آپ بڑبڑا رہا تھا۔

"پہلے تو کچرا بھر لیتے ہو پھر جب گھوٹالا ہو جاتا ہے تو اپنا خون بہ جاتے

ہو۔ کیا فائدہ ان باتوں سے، کتنا کہا بے کار سارے نئے ہیرو پر پیسہ نہ بہاؤ نہ باہر کام کرنے ہو تو اپنی فلم میں۔ آخر سوچا کیا ہے؟"

دھرم منگلا کو کال بک کر رہا تھا اس نے کیشو کی بکواس سنی ان سنی کردی۔

سارا دن مٹی میں مل گیا۔ ہوٹل میں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی موت ہوگئی ہو روز شوٹنگ کے بعد برامدے قہقہوں سے گونجا کرتے تھے۔ پینے پلانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ دو چار میزوں پر رمی یا فلیش ہونے لگتا۔ رندھیر ترویدی اور کیشو دھرم کے ساتھ گپ شپ یا دوسرے دن کے پروگرام کے بارے میں باتیں کیا کرتے۔ زرینہ بہت جلدی سو جایا کرتی تھی۔ کبھی اپنی ہیر ڈریسر کے ساتھ کیرم کھیلنے لگتی۔ پھر جا کے سو جاتی۔ آج وہ ماں کے پاس خاموش بیٹھی ناریل کے تیل سے میک اپ اتار رہی تھی۔ ترویدی سب سے الگ منڈیر پر بیٹھا تھا۔ انیل خط پوسٹ کرنے ذرا نیچے گیا تھا۔

دھرم دیو کو بمبئی کی کال مل گئی۔ وہ منگلا پر غصہ ہو رہا تھا۔

"خاک ڈالو چیریٹی شو پر تم فوراً آؤ۔" اس نے حکم دیا۔

"مگر تم نے خود کہہ دیا تھا۔ رفیع برا مانیں گے۔"

"اور میں جو برا مانوں گا تو، تمہارے بغیر بھی تو شو ہو سکتا ہے۔"

"اوہ .... دیکھو"

"کچھ نہیں دیکھنا ہے۔ منگلو، پلیز آجاؤ .... ورنہ میں شوٹنگ بند کر کے آرہا ہوں۔"

"ایسا نہ کرنا..... کتنا نقصان آگے ہی ہو چکا ہے۔"

"اور ہو جائے گا۔"

"پوسٹر میں نام دے دیا ہے۔ نہ جاؤں گی تو لوگ بڑا دنگا مچائیں گے۔ نا جی سے تو رفیع صاحب کی ان بن ہے۔ میرے ہی بھروسے پہ ہیں۔"

"اور میں کس کے بھروسے پر رہوں؟"

"بات کیا ہے؟"

"بات کیا ہوتی۔" وہ چڑ گیا "وہ نہیں آتی تو نہ آؤ۔" اس نے فون

پٹخ دیا۔

اُسے خود نہیں معلوم تھا تو وہ کیا بتاتا کہ کیا بات ہے۔ بعض جانور اتنے حساس ہوتے ہیں کہ آنے والے خطرے کی بو دور ہی سے سونگھ کر چوکنے ہو جاتے ہیں۔ ایک ان جانی سی اُلجھن۔ بلا وجہ کی جھلاہٹ۔

زرینہ جمال کی ماں اپنے ہی خیالات میں گم تھیں۔

چھوٹی چھوٹی بچیوں کو چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ پہلے موٹر بکی پھر فرنیچر نیلام ہوا۔ پھر گھر بھی چھوڑنا پڑا۔ ایک چھوٹے سے گھر میں بچیاں پھوٹ پھوٹ کر روتیں، ضد کرتیں۔ شوقیہ بچیوں کو ڈانس سکھوایا تھا وہی روزی کا ذریعہ بن گیا۔ اسٹیج پر مہینے میں دو چار پروگرام ہو جاتے تھے۔ بڑی کی چودھویں سال ہی شادی کر دی۔ تین سال بعد باقی کی دو بھی تھوپ دیں۔ زرینہ سب سے چھوٹی رہ گئی۔ جب دوستوں کے کہنے پر فلم میں کام کروایا تو کسی نے اعتراض تک نہ کیا۔ کسے اتنی پرواہ تھی کہ ان سے ناطہ جوڑتا۔ ڈیڑھ سال ہونے کو آیا اس مردار فلم لائن میں پیر نہیں جمنے پائے۔ ایک ڈانس ملا سو اسے بھی لوگ بھول بھال گئے۔ اب یہ فلم چل رہی تھی اُس کے بھی لالے نظر آرہے ہیں۔ باہر اسٹاف کے لوگ سرگوشیاں کر رہے تھے۔ دماغ خراب ہو گیا ہے ہان جان کر اپنا گلا اپنی چھری سے کاٹتا ہے۔ یہ تو دھرم کی پرانی عادت ہے۔ بار بار ایک سین کو پیٹے جانا یہاں تک کہ اس کا کچومر نکل جائے۔ پھر اُٹھا کر پھینک دینا۔ پوری پوری پکچر دوبارہ بن رہی ہے۔ مگر یہی نسخہ آخر میں کارگر ہو جاتا تو سارا نقصان نفع میں بدل جاتا۔

دھرم اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا وہسکی پی رہا تھا۔ رندھیر اور کیشو آئے تھے۔ اُنہیں اس نے ٹرخا دیا کہ نیند آرہی ہے۔

"آسکتی ہوں!" ایک دھیمی سی آواز آئی۔

"کون؟"

"میں۔۔۔۔ جی میں زرینہ!" وہ دروازے میں سے سہمی ہوئی چوہیا کی طرح جھانک رہی تھی۔ سیٹ پر نہ ہو تو یہ لڑکی کس غضب کی ایکٹنگ کرتی ہے۔

"کیا ہے؟"

وہ آکر چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔

"ممی کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ بیٹھو نا۔"

وہ کرسی کی ٹکر پر اکھڑی سی ٹک گئی۔

"کیا کچھ کہنا ہے؟"

"جی!"

"تو کہو۔" وہ اسی طرح بے توجہی سے ایک میگزین کے ورق اُلٹنے لگا۔

"اب رو دے گی یہ لڑکی۔" وہ ڈرا۔

"اماں کہتی ہیں۔ دہلی سے ٹرین پکڑ لیں گے۔"

"ٹرین..... پکڑ لوگی!"

"ہاں..... یہاں سے بس میں چلے جائیں گے۔"

"کیوں؟"

"ہوائی جہاز سے بہت خرچہ ہوتا ہے۔"

"ہوں۔ پھر؟"

"کل صبح ہم چلے جائیں گے بس سے اور پھر ٹرین پکڑ لیں گے۔"

"کل صبح چلی جاؤ گی؟"

"ہاں۔"

"کہاں؟"

"بمبئی..... پھر وہاں سے حیدرآباد۔"

"حیدرآباد! اور یہ جو پانچ سال کا معاہدہ کیا ہے؟"

"وہ تو ختم!"

"ختم؟"

"ہاں، آپ کو میرا کام پسند نہیں آیا....... تو۔"

"تمھارا کام نہیں پسند تو اس سے تمھیں مطلب؟"

"جی؟" وہ چکرا گئی۔

"جی جی کیا لگائی ہے۔" وہ ایک دم بگڑ گیا۔ "لاکھوں کا معاملہ ہے۔ گڑیوں کا کھیل تو نہیں۔ سارا نقصان تم بھرنے کو تیار ہو؟"

"توبہ! میں کہاں سے بھروں گی۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"تو پھر کیوں بک بک کر رہی ہو۔ جاؤ اب سو جاؤ۔ صبح جلدی اُٹھنا ہے۔"

"تو پکچر بند نہیں ہوگی۔" بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔

"کس نے کہا پکچر بند ہو رہی ہے؟"

"سب کہہ رہے ہیں، یہ فلم بھی ڈبہ میں بند ہو جائے گی۔"

"بکتے ہیں سب تو... تمہیں کل کے لئے ڈائیلاگ یاد ہیں نا۔"

"جی......"

"تو بولو.... کون ہو تم۔" اس نے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر جھک کے پوچھا۔

"لڑکی!" زرینہ نے سسکی لی۔

"یہاں اتنی سردی میں کیا کر رہی ہو۔"

"فی الحال تو.... چھینک رہی ہوں۔" مگر چھینک ہچکیوں میں اُلجھ گئی۔

"جھوٹ بالکل جھوٹ تم تو رو رہی ہو۔ ایسے کام نہیں چلے گا۔ محنت کرنا پڑے گی سمجھیں۔"

زرینہ نے سر ہلا دیا۔

"کھانا کھا لیا؟"

"نہیں۔ اماں نے کہا بھوک نہیں اس لئے میری بھی بھوک اُڑ گئی۔"

"اور کوئی گرم کپڑا کیوں نہیں پہنا؟ مر گئیں تو جانتی ہو کتنے لاکھ کا نقصان ہو جائے گا۔ پورے تین لاکھ ڈوب جائیں گے۔" نہ جانے کیوں ایک دم جی ہلکا ہو کے بڑبڑ کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ اتنے میں رندھیر جھانکا وہ پلٹ کر جانے لگا تو دھرم نے پکارا۔

"ارے رندھیر کھانا کھا لیا؟"

"نہیں وہی پوچھنے آ رہا تھا۔"

"اس بے وقوف لڑکی نے بھی نہیں کھایا اور اماں بھی بھوکی ہیں۔ ایسا کرو کیشو سے کہو ہم سب کا کھانا ادھر ہی بھجوا دے۔"

"کیوں، کیا مار پڑی؟" رندھیر نے زرینہ کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

"نہیں آج تو چھوڑ دیا ہے۔ کہتی ہے صبح گھر جائیں گے۔ میں نے کہا پکچر کا نقصان بھر دو۔ چلی جاؤ۔۔۔۔"

"ٹھیک تو ہے" رندھیر اُسے موڈ میں دیکھ کر کھل پڑا۔ "ابے او کیپشو کے بچے۔۔۔" وہ چیختا ہوا باہر لپکا۔

اس کی آواز کی لہک سے ہی لوگ سمجھ گئے۔ مطلع صاف ہو گیا۔ زرینہ کو سکھا پڑھا کر بھیجنا کام آگیا۔ کیمرہ مین مادھو کر نے جھٹ تکیے کے نیچے سے تاش نکالے اور بانٹنے لگا۔

دھرم دیو کو دیکھ کر تزوبدی منڈیر سے اُتر آیا۔ دھرم نے یاروں کی طرح اُس کی گردن میں ہاتھ ڈالا اور دھکیلتا ہوا سیڑھیوں سے اُتر گیا۔

زرینہ کی اماں کو دیکھ کر بڑی پریشانی ہوئی۔ ممبئی کی آب و ہوا شاید انھیں راس نہیں آرہی تھی۔ پہلے سے بہت ضعیف لگ رہی تھیں۔ انھیں دیکھ کر اپنی ماں یاد آگئی۔ ایک عمر کو پہنچ کر سب عورتیں ایک شکل کی لگنے لگتی ہیں۔

"ارے ارے اُٹھئے نہیں" اُسے دیکھ کر وہ اٹھنے لگیں تو دھرم نے روکا۔ انھیں وہیں سوپ وغیرہ دے دیا گیا۔ اور سب وہیں فرش پر پالتی مار کر بیٹھ گئے۔

"اپنی پکچر کب شروع کر رہے ہیں؟" زرینہ نے سب کو کھانا نکال کر دیا۔

"یہاں سے جا کر۔۔۔۔ کیوں کام کرنے کا ارادہ ہے؟"

زرینہ نے دانت نکال کر سر ہلا دیا۔

"پچھتاؤ گی!"

"کیوں؟"

"سیٹ پر میرا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ بہت ڈانٹ پڑے گی!"

"پرواہ نہیں!" زرینہ نے سر جھٹک کر ایک لٹ رخسار پر گرالی۔

"سوچ لو!" دھرم کا جی چاہا وہ لٹ واپس بالوں میں اُڑس دے۔

"سوچ لیا۔ ڈانٹ تو کیا مار بھی پڑے وہ بھی منظور۔" ایک لمحے کو دونوں کی آنکھیں الجھیں۔ دھرم کھانے پر جھک گیا۔

"بھی گواہ رہنا رندھیر۔ بھر رونے پیٹنے سے کام نہیں چلے گا۔"

"جی ہاں، ذرا کم روتی ہوں۔" زرینہ تنک کر بولی۔

"بھول گئیں آج کی رگید۔" رندھیر تے پھنیٹا کسا۔

"پہلے دن سب کو ہی ڈر لگتا ہے۔"

"اب ڈر نکل گیا۔"

"بالکل مار ڈالنے سے تو رہے۔"

"اور جو مار ہی ڈالا؟"

"تو پورے تین لاکھ کا پڑا۔" زرینہ نے ہاتھ سے تلوار چلائی۔ دھرم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"اب کی بچہ سپرہٹ!" رندھیر نے سوچا اور تر بتر لقمہ منہ میں رکھ لیا۔ ایسا بے پناہ قہقہہ بہت دن بعد سنائی دیا۔ دھرم اپنے رنگ پر آرہا ہے۔ تریاق اثر دکھا رہا ہے۔ بس دو چار ہٹ لگ جائیں۔ پھر کوئی اور نکتہ مل جائے گا طبیعت بھڑکانے کو۔ سچ تو ہے گرہستی کا جوا ایک فن کار کے کندھے پر نہیں سجتا۔ پابندیوں میں دل کی اُمنگ نہیں پلتی اور جب اُمنگ ہی مر جائے تو فن کہاں جی سکتا ہے۔

دھرم دیو جب اپنے کمرے میں آیا تو اتنی تنہائی نہیں تھی جیسی روز ہوا کرتی تھی۔ بات ہی کیا تھی۔ منگلا دو دن بعد آنے ہی والی تھی۔ آخر چیریٹی شو بھی تو ایک نیک کام ہے۔ بچہ بھی کمزور ہے سردی نہ پکڑ لے۔ اس سے جھگڑا بیکار ہی کیا۔

دوسرے دن ریہرسل بڑے زور شور سے شروع ہو گئے۔ انیل چہرے پر چھوٹی ہنسی چپکائے الگ بیٹھا تھا۔ دھرم دیو کی یہ عادت تھی وہ چھوٹی سے چھوٹی بات آرٹسٹ کو خود کر کے دکھاتا تھا۔ زرینہ ایک پتلی سی قمچی کی پتیاں صاف کرلائی اور بڑے ادب سے دھرم کو پیش کی۔

"یہ کیا؟"

"غلطی کرونگی تو ضرورت پڑے گی سزا دینے کے لئے۔"

"اوہ!" دھرم ہنسنے لگا۔

"ذرا دیکھئے ٹھیک چلتی ہے کہ نہیں۔" زرینہ نے ہتھیلی پھیلا دی۔

"پہلے غلطی تو کرو۔"

"تو کیا ہے، اڈوانس چلے گا۔"

دھرم نے ہلکے سے قمچی اس کی ہتھیلی پر چھوا دی۔

"ذرا کس کے ماریئے۔"

"رنڈی!" ترویدی بیچ میں آن ٹپکا۔

شوٹنگ کچھ یونہی اوٹ پٹانگ سی ہوئی۔ سین لئے گئے پھر بدل بدل کر لئے گئے۔ دھرم کا موڈ حد سے زیادہ چونچال ہو رہا تھا۔ ریہرسل ہوتے پھر ڈسکشن ہونے لگتے۔ کبھی رندھیر کے ساتھ کبھی ترویدی کے ساتھ۔ پھر طبیعت گھبرا گئی۔ ایک ہی جگہ سے دوسری جگہ زیادہ موزوں تھی۔ سارا تام جھام ادھر ڈھویا گیا اتنے میں سورج جھک گیا پیک اپ ہو گیا۔

سوائے انیل کے سب خوش تھے۔ خدا خدا کر کے پرانا دھرم دیو تو جاگا۔

"کام اچھا کرتی ہے۔" جب سب پینے پلانے کے لئے جمع ہوئے تو رندھیر نے کہا۔

"ہاں۔ یہ تو ہے ہی۔" دھرم نے اوپری دل سے کہا۔

"وہ سالا لمڈ ھیک بالکل "مٹی" کا مادھو ہے۔"

"محنت نہیں کرتے یہ لڑکے، بس فلم اسٹار بن بیٹھتے ہیں۔ تھرڈ کلاس کمپنیوں سے کانٹریکٹ مل جاتے ہیں۔ پھر ان کے دماغ نہیں ملتے۔"

انیل کو جیسے ہی دھرم نے سائن کیا پانچ نئی فلموں کا معاہدہ ہو گیا۔ مگر ابھی تین شروع بھی نہیں ہوئی تھیں۔ ڈسٹری بیوٹر دھرم کی فلم کے انتظار میں تھے۔ اگر ہیرو چل نکلا تو قسطیں جاری ورنہ دیکھا جائے گا۔

"یار تم اسے چھوڑو میری کہانی پر لگ جاؤ۔" دھرم نے رندھیر سے کہا۔ دھرم کی کہانی کئی دفعہ چلی پھر ٹھپ ہو گئی۔ کبھی جوش آجاتا تو بڑے زور شور سے کام ہونے لگتا۔ پھر کوئی دوسرا پھڑکتا ہوا آئیڈیا مل جاتا اور کچھ دن بعد جب اس سے جی اُکتا جاتا تو پھر گھوم پھر کر اس کہانی پر تان ٹوٹتی۔ تین سال سے دھرم اس کہانی کی اُدھیڑ بُن کر رہا تھا۔ رندھیر کی چڑ ہو گئی تھی وہ کہانی۔ مگر دھرم کا موڈ دیکھ کر اس پر کام ہونے لگا۔

دھرم کی طبیعت کچھ اتنی حاضر تھی کہ کہانی بنتی چلی گئی۔

منگلا بغیر اطلاع دیئے پہنچ گئی کہ دھرم اس کے اچانک پہنچنے سے اچھل پڑے گا۔ جب وہ ایک ہاتھ میں ببلو کی انگلی اور دوسرے میں بیگ لٹکے

داخل ہوئی تو زرینہ آنکھیں بند کئے سزا کے لیے ہاتھ پھیلائے منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" دھرم نے آگے جھک کر پوچھا۔

"دعا پڑھ کے پھونک رہی ہوں کہ چوٹ نہ لگے۔"

"جنتر منتر سے کام نہ چلنے لگا۔" دھرم ہنسا۔

"اچھا لگا ہے۔" زرینہ نے ہتھیلی پر پھونک مار کر کہا۔

دھرم نے ہلکی سی چھڑی لگائی۔

"ذرا کس کے ماریے۔ واہ سزا دینی بھی نہیں آتی۔ یہ دیکھیے" چھڑی لے کر اس نے سڑاک سڑاک اپنی ہتھیلی پر لگائی۔

"ارے پگلی"، دھرم نے اس کے ہاتھ پر ہتھیلی رکھ دی۔

ممی جو پڑی تو تلملا گیا۔

"ہائے سوری.... سوری" دروازے پر جو نظر گئی تو چیخ اٹھی "دیدی!"

"تم نے تار کیوں نہیں دیا؟" اس نے ببلو کو لینا چاہا مگر وہ منگلا کے پیچھے چھپ گیا۔

"سوچا تار سے پہلے خود پہنچ جاؤں گی۔" آہستہ آہستہ سب کھسکنے لگے۔ زرینہ نے ہاتھ پھیلائے ببلو بھاگ کر اس کی گود میں چڑھ گیا۔ وہ اسے لے کر چکر لگانے لگی۔

"بڑا پاجی ہے۔ ہم نے بلایا تو اکڑ گیا۔ بے بی تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں ممی کے پاس چھوڑ دیا ہے۔ دو کو کیسے سنبھالتی۔ پرسوں سے شو بھیج میری جان کو آ گئے۔ مگر میں نے کہہ دیا بابا ٹرنک کال آیا ہے۔ سب گھبرا گئے۔ کہ نہ جانے کیا بات ہے؟"

"تم نے کیا کہا؟"

"کیا کہتی؟"

"کہہ دیتی ہمارا پتی میرے بنا ایک پل نہیں رہ سکتا۔ نہ گئی تو کھڈ میں کود کر جان دے دے گا۔ اس نے منگلا کو باہوں میں سمیٹ لیا۔

ہنی مون کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ دھرم نے اسے یوں ٹوٹ کر پیار کیا۔

جیسے کوئی سویا ہوا کسی اَن جانی آہٹ سے جاگ پڑا ہو۔

"کہاں تھے، بہت دنوں بعد درشن ہوئے" منگلا نے اس کی محبت کے جوش میں ڈوب کر پوچھا۔

"تمھیں ہی ڈھونڈھتا رہا تھا" وہسکی اور منگلا۔ پھر وہسکی جتنی پیتا پیاس بڑھتی ہی جاتی۔ وہسکی کی بھی اور منگلا کی بھی۔ منگلا کبھی تو پوکھلا جاتی۔ بلبو کا بہانہ کر کے بھاگ جاتی۔ زندگی میں پہلی بار اپنی جان کی قسمیں دے دے کر اس نے منگلا کو بھی پلائی۔ دھرم کی بات کون ٹال سکتا تھا۔ اور پھر وہ تو اس کی پتنی تھی، محبوبہ تھی، وہ فن کار تھی جو ایک بار گانا سن کر ٹیون یاد کر لیا کرتی تھی۔ پہلے ہی پیگ میں ساتویں آسمان پر پہنچ گئی۔ ستی ساوتری نے ناحشہ کے پیار کو مات کر دیا۔

اور بلبو زرینہ جمال کی گود میں سو جاتا۔ اسی کے ہاتھ سے کھانا کھاتا۔ وہی اُسے نہلاتی دھلاتی۔

دولہا دلہن ہنی مون منا رہے تھے۔ بارات باہر بیٹھی سوکھ رہی تھی۔

"بیکار کیوں فلم گنواتے ہو" رندھیر نے ترویدی سے کہا۔ وہ چاہتا تھا کچھ تو کام نمٹالے۔

"تو پھر ہم یہاں کیوں جھک مار رہے ہیں"۔ مادھو بڑبڑایا۔ اُسے اپنی گرل فرینڈ یاد آرہی تھی۔ نیک بخت سے بہت کہا ہیر ڈریسیرنی کے ساتھ چل، مگر اکڑ گئی۔

"یہ مالک سے پوچھو" ترویدی نے جواب دیا۔

"ارے بے چارے کو بمبئی میں تو فرصت نہیں ملتی۔ یہاں ذرا موقع ملا ہے کاہے کو ہٹکاتے ہو۔ کھاؤ پیو مزے سے اور صحت بناؤ" رندھیر بولا۔

"تم بناؤ صحت اپنی تو تِنہ کُھد رہی ہے" انیل بسورا۔

"ارے تم کاہے کو فکرمند ہوتے ہو۔ پانچ ریل پکچر ہو گئی ہے کوئی تمھیں ہاتھ نہیں لگا سکتا" ایک نیا اسسٹنٹ بولا۔ "اور یہاں سے جاتے ہی ترویدی صاحب دین دیال والی پکچر کی مہورت کر رہے ہیں" انیل کا جی ٹھہر گیا۔

خدا جانے فلم لائن میں انتہائی پرائیوٹ باتیں کہاں سے ٹپک کر گندے نالے میں پہنچ جاتی ہیں۔ دھرم دیو کے اسٹاف نے تو ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا

مگر جب بمبئی پہنچے تو یہ خبر عام تھی کہ وہ نان "فلاپ" ہو رہی ہے۔ نئے ہیرو کی گردن پر چھری چل رہی ہے۔ وہ بوکھلایا ہوا اپنے پروڈیوسروں کے یہاں دستک دے رہا ہے۔ ایک فلم کی تو نو ریلیں تیار تھیں۔ اُس کے ڈسٹری بیوٹر نے قسطیں دینے میں کچھ ہیر پھیر شروع کر دی تھی۔ دوسری فلم میں اس کا سائیڈ رول تھا کسی وقت بھی اُڑ سکتا تھا مگر اُس کی ہیروئن انیل پر مہربان تھی۔ باقی کی تین فلموں کے پروڈیوسر فنانسر گھیرنے ریاستوں کے دورے پر گئے ہوئے تھے۔ کہ وہاں اب بھی فلم کے شوقین نواب زادے اور راج کمار پائے جاتے ہیں۔

دھرم دیو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کہانی پر کام کرنے کی غرض سے رندھیر کے گمنام سے شیڈ میں جا چھپا۔ رندھیر ایک فلمی "نور رنڈوا" تھا۔ ایک عدد بیوی وطن میں بچوں کو پال رہی تھی۔ وہ کبھی بمبئی نہیں آئی۔ مگر رندھیر اُسے بڑی پابندی سے اپنی کمائی کا بیشتر حصّہ بھیج دیتا تھا۔ دتّو اس زمانے کی یادگار تھی۔ جب وہ دوستوں کے ادھار پر بمبئی کی کٹھنائیاں جھیل رہا تھا۔ وہ ڈانڈا کے ٹھرا خانے میں ملی تھی کمین سی چکنی چپڑی سی لڑکی تھی، بس مچھلیوں کی سڑاند کوئی جھیل جاتے تو خاصی مزے دار تھی۔ اُس چھوٹی سی عمر میں بہت دنیا دیکھ چکی تھی۔ ایک دن نشے میں رندھیر اپنی جھونپڑی میں لے آیا۔ صبح اُس نے جو غریبی دیکھی تو چولی سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر اس کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

نوٹ دیکھ کر رندھیر وہیں میلے کچیلے بستر پر بیٹھ کر اتنا رویا کہ ہچکی بندھ گئی۔ اُس نے یہ پانچ روپے اس لئے خرچ کر دیے تھے کہ کیوں نہ آخری بار زندگی کا مزہ چکھ لیا جائے۔ پاس ہی سمندر ہے تو سکھیا پر پیسہ برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان پانچ روپیوں نے اُس کی قسمت پلٹ دی جب عادت وہ فیمس میں ادھر اُدھر آفسوں میں جھانک رہا تھا کہ کہیں شاید چائے پانی کا معاملہ ہو جائے کہ کسی نے کہا تمھیں دھرم دیو پوچھ رہے تھے۔

دھرم دیو!..... دھرم دیو پوچھے تو پھر کیا کہنے ہیں۔ اُس نے کوئی لمبی چوڑی باتیں نہیں کیں جو دھرم دیو متاثر ہو جاتا۔ نہ دھڑا دھڑ آئیڈیے سناتے نہ مکالموں کا رعب جھاڑا۔ بس گم سم بیٹھا رہا۔

"کچھ ایڈوانس کی ضرورت ہو تو....." اس نے چلتے وقت پوچھا۔

"مل جائے تو ٹھیک ہے۔" اس نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔

جیک بھُناکر وہ حسبِ عادت سیدھا ڈاک خانہ منی آرڈر کرنے پہنچا مگر کچھ سوچ کر اندر نہیں گیا۔ وہاں سے ٹیکسی پکڑی اور سیدھا ڈانڈے پہنچا۔ خوب ڈٹ کر پی۔ تازہ تازہ مکھن میں تلی ہوئی مچھلی کھائی۔ پھر دتّو کا پتہ پوچھا۔

"پیڈر روڈ والے فلیٹ میں ہوگی یا شاید میرین ڈرائیو والے گھر میں۔" بھڑکے کے "مینجر" نے کہا۔

"ایں؟" رندھیر چکرا گیا۔

"ارے ہاں پتہ جو پوچھ رہے ہو۔ ٹکھیائی کا پتہ کیسے معلوم یار گھاس کھا گئے ہو۔"

رندھیر جب گھر پہنچا تو وہ چوکھٹ پر بیٹھی تھی اور بالکل دھرم پتنی کی طرح لڑنے لگی۔ اس نے ایک جھاپڑ مارا۔ جب وہ کھاٹ پر گر کر اسے گالیاں دینے لگی تو اس نے پتلون کی جیب سے روپیہ نکال کر اس کے اوپر بکھیر دیئے۔

دو چار دن بعد رندھیر نے اس سے باندرہ کی مسجد میں نکاح کر لیا۔ سیّد امجد علی۔ فلمی نام رندھیر کی شادی ثریا بیگم اصلی نام دتّو سے بڑی خاموشی سے ہو گئی۔ اور تین بچے بھی ہو گئے۔

رندھیر کے ہاں دتّو ہر طرح کا آرام دے سکتی تھی مگر بچوں کا گلا نہیں گھونٹ سکتی تھی۔ اور تین بچے باری باری روئیں تو کہانی کیسے بنے، اس لئے ورسوا میں ایک کاٹیج لے لی گئی۔ کاٹیج کا نام سن کر منگلا الف ہو گئی۔ وہ جانتی تھی ان کاٹجوں میں کیا ہوتا ہے۔

"پیڈر روڈ والے فلیٹ میں کیا خرابی ہے؟"

"ارے ہٹاؤ وہاں بیمار بڑھیا۔۔۔۔" دھرم نے ٹال دیا۔

"بے چاری بڑھیا کیا تمھیں کاٹے گی۔ چار بیڈ روم ہیں۔ ڈائنگ روم ڈرائنگ روم سب خالی ڈھنڈار پڑے رہتے ہیں۔ وہ ماں بیٹی تو بس ایک کمرے میں رہتی ہیں۔ سب نیند پڑا ہے۔ تم اگلے دو کمرے لے لو۔ بالکل الگ ہیں۔ کھانا بھیج جائے گا۔" پھر منگلا مینی تال کے رڈیئے کا رونا رونے لگی۔

یہ خبر بڑی تیزی سے انڈسٹری میں پھیلی کہ دھرم دیو زرینہ جمال کے ساتھ رہنے لگے ہیں۔ منگلا سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ منگلا خوب ہنسی۔ احمق کہیں کے۔

شوٹنگ شروع ہو گئی۔ صرف اسٹاف کے لوگوں کو معلوم تھا کہ ہیرو بدل گیا ہے۔ مگر یہ کسی کو نہیں معلوم سوائے چند خاص لوگوں کے کہ کہانی بھی بدل گئی ہے۔

انیل نے کچھ اڑتی ہوئی خبر سنی کہ شوٹنگ ہو رہی ہے، وہ دوڑا ہوا آیا۔

"مجھے اطلاع ہی نہیں دی۔" اسے اور کوئی تو ملا نہیں میک اپ مین سے پوچھا۔

"زرینہ کا کام ہو رہا تھا۔" اس نے ٹال دیا اور جلدی سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر انیل بیٹھا بور ہوتا رہا۔ پھر دھرم سے ملنے گیا۔

"ابھی باہر گئے ہیں۔" آفس بوائے نے کہا۔

دھرم دیو اندر ناک بھوں چڑھائے بیٹھا تھا۔

"بیکار پریشان ہو رہے ہو، میں کہتا ہوں ٹھیک ہو جائے گا سب۔" کیشو نے چڑ کر کہا۔

انیل سیٹ پر چلا گیا۔ سب اسے دیکھ کر بے حد کام میں مشغول ہو گئے۔ کام ہو رہا ہے کسے فرصت ہے۔

"ہلو" اس نے ترویدی کو دیکھ کر کہا۔

"ہلو" منہ پھیلائے ترویدی باہر چل دیا۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

"کیا بات ہے؟" انیل نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ وہ خاموش چلتا رہا۔

"بات اپنے تک ہی رہے"۔ ترویدی نے میک اپ روم کی چٹخنی چڑھاتے ہوئے کہا۔

"ایں؟" انیل کے پیروں تلے سے زمین سرکنے لگی۔

"پکچر بند ہو گئی۔"

"ایں؟ تو پھر یہ شوٹنگ۔"

"پوچھو مت!"

"میرا کانٹرکٹ ہے مذاق نہیں۔ میں تو دھرم جی کی دھجیاں اڑا کے رکھ دوں گا، سمجھتے کیا ہیں؟"

"بس تمہاری طرف سے مجھے یہی ڈر تھا۔ میری طرف دیکھو بارہ سال سے اس انڈسٹری میں ناک گھس رہا ہوں۔ مانا کہ مجھ میں ہی کچھ کمی ہے ورنہ میرے اسسٹنٹ پروڈیوسر بنے بیٹھے ہیں۔"

"کیا بات کرتے ہیں۔۔۔۔ آپ تو ان الّو کے پٹھوں کو دس برس سکھا سکتے ہیں کہ بیٹا ڈائریکشن کیا چیز ہوتی ہے۔"

"جانتا ہوں پیارے۔۔۔۔۔ مگر یہاں تو نصیب چلتا ہے نصیب۔ تم چاہو تو یہ قصہ کورٹ تک لے جا سکتے ہو۔ پر جانتے ہو کیا ہوگا؟"

"کیا ہوگا؟"

"مقدمہ جیت جاؤ گے۔۔۔ کتنا دھائٹ کا کانٹرکٹ ہے؟"

"دس۔۔۔۔ تیس بلیک"

"تیس کا تو کوئی سوال نہیں اٹھتا۔ رہ گئے بیس تو تم لے چکے ہو، یعنی دس دھائٹ اور۔۔۔۔۔۔"

"پانچ کی رسید دی ہے۔"

"پانچ اور مل جائیں گے۔ پھر وہ جو کانٹرکٹ دھرم جی کی وجہ سے ملے ہیں ان میں سے تین تو مجھے معلوم ہے گول ہو گئے۔ رہ گئے دو۔ اگر تم نے یہ لفڑا چالو کر دیا تو وہ بھی کھٹائی میں پڑ جائیں گے۔ کورٹ میں دھرم جی کے ساتھ ہم سب گواہی دیں گے کہ تم بالکل کوڑا ہو۔ بہت پیسہ برباد کر دیا۔ نینی تال تمہارے سر منڈھ دیا جائے گا۔ سوچو پھر کون تمہیں ہاتھ لگائے گا؟"

"میں تھوکتا بھی نہیں اس انڈسٹری پر۔ میں کوئی ننگا بھوکا نہیں؟"

"ہاں تم واپس لوٹ سکتے ہو، میرے لئے کوئی راستہ نہیں۔"

"ترویدی صاحب۔۔۔۔۔"

"اگر تم ٹھنڈے دل سے سنو تو۔۔۔۔۔ میں دھرم دیو سے کھلم کھلا بگاڑ نہیں کر دوں گا۔ وہ اپنی سی کرنے پر اتر آیا تو میرا کباڑا ہو جائے گا۔ بڑا ہیرا آدمی ہے، مگر جب ضد آجاتی ہے تو بڑا زہریلا آدمی ہے۔ اندر والے سیٹھ بڑے سیدھے سے

آدمی ہیں ۔ اُنہوں نے ابھی انڈسٹری نہیں کھنگالی ہے ۔ اس سے پہلے کہ کوئی اٹکائے
دیال جی والی پکچر سیٹ پر چلی جائے ۔ میں اس دن سے ہمیشہ ڈرتا تھا ۔ میں نے پوری
تیاری کر لی ہے ۔ تمہارا رول ایسا ہے کہ تم جاؤ گے ۔ جذباتی نہ بنو ۔ سمجھ گئے ۔"

"سمجھ گیا ، مگر ایک دفعہ فلم بن جائے پھر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"پھر تم کامیابی کی خوشی میں سب بھلا دو گے ۔ میں دیال جی کے ہاں جا رہا ہوں
اُنہوں نے بلایا ہے ۔ چلتے ہو ؟"

"چلئے ۔" انیل کھڑا ہو گیا

"یوں نہیں تم چلو ، مجھے ایرانی کے ہوٹل کے پاس مل جانا ۔ وہاں سے ٹیکسی

لے لیں گے ۔ مجھے ذرا کیشو سے کام ہے ۔"

لوگ کیسی بے پر کی اڑایا کرتے ہیں ۔ منگلا یہ اچھی طرح جانتی تھی ۔ خود اس کے لئے شادی سے پہلے مشہور ہو گیا تھا ، دھرم نے اس کا اسقاط کروایا تھا ۔ دھرم کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں تھی ۔ جب رتیا پردہ ناٹی کی شوٹنگ کے زمانے میں تزم ہوا تھا ۔ تو ساری انڈسٹری میں دھوم مچ گئی تھی ۔ اس نے اپنے جاسوس چھوڑ دیئے تھے ۔ جو اُسے منٹ منٹ کی خبر دیتے تھے ۔ زرینہ پر اُسے شک کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں نظر آتی تھی ۔ جب دھرم پیڈر روڈ والے فلیٹ میں کام کر رہا تھا تو زرینہ کی بڑی بہن اور بہنوئی آ گئے تھے ۔ ماں کی بھی طبیعت ٹھیک تھی ، اس لئے یا تو وہ اسٹوڈیو چلی جاتی جہاں ناچ کی مشق کرتی تھی یا منگلا کے پاس آجاتی ، دونوں شاپنگ کو جاتیں یا بیٹھی گپیں لگایا کرتیں ۔ زرینہ حد درجے کی باتونی تھی ، وہ اب بھی نہ فلمی پریوں کے سے کپڑے پہنتی تھی نہ میک اپ کرتی تھی ۔

منگلا روز اسٹوڈیو جاتی تھی ، مگر اس نے کبھی زرینہ کو دھرم کے آفس میں نہیں دیکھا ۔ دھرم نے اب ایک مستقل اسٹوڈیو لے لیا تھا ۔ آفس کے ساتھ ہی پورا فلیٹ لگا ہوا تھا ۔ اب اسکرپٹ کا کام دھرم میں ہونے لگا ۔ زرینہ کے فلیٹ میں اس کی دوسری بہن بھی آئی ہوئی تھی ۔ ان لوگوں کی تکلیف کے خیال سے دھرم نے اسٹوڈیو کا فلیٹ فرنش کر لیا تھا ۔ جب منگلا ہوتی تو وہ اس کے

ساتھ دفتر میں جا بیٹھتی بس پورے وقت اس کا بٹوہ اٹھائے ساتھ رہتی۔ ایسا خیال کبھی کسی ہیروئن نے منگلا کا نہیں کیا تھا۔ اُسے زرینہ پر بہت پیار آتا تھا۔ شوٹ کے بعد وہ بھاگی بھاگی منگلا کے پاس آتی۔

"وہ ٹھیک تھا نا دیدی؟"

"اپنے ڈائرکٹر سے پوچھو۔"

"واہ جی ہم تو ڈائرکٹر کے ڈائرکٹر سے پوچھیں گے۔ بس آپ سے ہی ٹھیک رہتے ہیں۔ ورنہ بس اپنا تو دم نکلتا ہے۔"

"تمہیں ان سے ڈر لگتا ہے؟"

"بہت!"

"کیوں؟"

"ارے بڑے غصّے کے تیز ہیں۔ سُنا ہے مار بیٹھتے ہیں۔"

"ہٹ پگلی۔ یہ تجھ سے کس نے کہہ دیا......"

"سائیلنس۔" دھرم نے دونوں کی کھسر پسر سے چڑ کر کہا۔ نایک مٹیٹ ہو رہا تھا۔ زرینہ دُبک گئی۔

"کیا تم لوگ بڑبڑ کیا کرتی ہو۔ چپکی نہیں بیٹھتیں تو بھاگو یہاں سے۔" وہ منگلا کے پاس آکر بولا۔

"دیکھا۔" زرینہ نے سہم کر منگلا کا بازو پکڑ لیا "بھاگ چلو۔ اِسی میں خیریت ہے۔"

"اچھا بابا جاتے ہیں۔" منگلا اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے بیٹھو میں نے تو مذاق کیا تھا۔"

"اوہو تو تم سمجھے ہم واقعی ڈر گئے۔ بابا کو دودھ دینا ہے۔" منگلا بٹوہ اُٹھا کر چلی گئی اس نے مڑ کر نہیں دیکھا کہ جب دھرم نے زرینہ کو ڈانٹا کہ بیچ سین میں اِدھر اُدھر کی باتیں نہ کیا کرو۔ موڈ ختم ہو جاتا ہے سِلسلہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس نے نادم ہو کر سزا کے لئے جلدی سے ہتھیلی بڑھا دی۔ دھرم کا مُنہ ایک دم فق ہو گیا۔ جیسے کوئی چیز اس کے وجود میں سے اُبھری اور زرینہ کی

ہتھیلی پر تڑپنے لگی۔ زرینہ بھی اُس کا رنگ دیکھ کر ڈر گئی۔ شاید وہ اُس مذاق کو بھول گیا ہوگا جبھی تو یوں غیروں کی طرح گھورنے لگا۔

سین بہت ہی نازک تھا۔ زرینہ ایک نہایت سستے قسم کی آبرو باختہ لڑکی کے روپ میں ایک بھولے بھالے شریف زادے کو بہکا کر اپنے کوٹھے پر لے جا رہی ہے۔ دو مہینوں سے ہزاروں روپے کی لاگت سے بنایا ہوا سیٹ پورے اسٹوڈیو میں کھڑا تھا۔ معلوم ہوتا تھا بمبئی کی گندی گلی لا کر سجا دی گئی ہے دھرم دیو معصوم اور شریف ہیرو کے روپ میں کچے دھاگے سے بندھا اُس کے جادو سے مسحور کھنچا چلا جا رہا تھا۔ زرینہ کے چہرے کا اتار چڑھاؤ ٹھمکتی ہوئی چال اور جسم کی توڑ مروڑ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ نہایت تجربہ کار جسم فروش ہے۔ اُس کے چہرے پر بدکاری کی پھٹکار تھی اور نگاہوں میں ننگی بھوک۔ پورا عملہ اُس کی اداکاری سے مبہوت ہو رہا تھا۔ زرینہ کی بہن بڑی جیسے شوٹنگ دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اس بھیانک سین کو دیکھ کر سر سے پاؤں تک لرز رہی تھی۔ منگلا بھی سین سے ایسی متاثر تھی کہ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ گانا جو اُس نے اتنا جی لگا کے گایا تھا زرینہ کے ہونٹوں پر اتنا عریاں اور فحش ہو جائے گا۔ کئی دن سے دھرم اس سین میں جان ڈال رہا تھا۔ دن رات ایک کر دیئے تھے۔ آج شاید وہ بھی یہ بھول گیا تھا کہ صرف فلم کا ایک سین ہے۔ سین کے خاتمہ پر دیر تک سناٹا رہا۔

"کیسا رہا دیدی؟" زرینہ منگلا کے سامنے دو زانو ہو کر پوچھ رہی تھی۔

منگلا نے ایک پل کو اس فاحشہ کو دیکھا جو اُس کے معصوم تتی کو تباہی کے غار میں لئے جا رہی تھی۔ اُن معصوم آنکھوں میں ایک فن کار کی التجا تھی۔ اُس نے لمبی سانس کھینچی اور زرینہ کو سینے سے لگا لیا۔

اسٹوڈیو تالیوں سے گونج اُٹھا۔ دھرم کی باچھیں کھل گئیں۔ اُس نے ایک لفظ بھی زرینہ سے نہیں کہا اور دوسرے شوٹ کی تیاری میں جُٹ گیا۔

دھرم کی یہ پرانی عادت تھی کہ جب شوٹنگ شباب پر ہوتی تھی تو سوائے فلم کے وہ ہر چیز کو بھول جایا کرتا تھا۔ منگلا سے بھی اُس کی مانگ بہت سرد

پڑجاتی تھی۔ پھر اُسے بالکل اپنی سوتن لگتی تھی جس کی چاہ میں وہ اپنی چہیتی بیوی کو بھی بھول جایا کرتا تھا۔ مگر اب وہ اتنی نادان نہ تھی۔ وہ دھرم اور اس میں رچے ہوئے فن کار کو پہچان چکی تھی۔ پہلے وہ حسد اور جلن کی آگ میں تپا کرتی طرح طرح کے شک کرتی، جاسوسی لگاتی، ذرا ذرا سی بات کا تبنگڑ بنا دیتی، مگر اب اُس نے ہر طرف سے ٹھوک بجا کر دیکھ لیا تھا۔ اُس کے دل میں شک شبہے پیدا ہوتے تو وہ بلا سوچے سمجھے پھٹ پڑنے کے بجائے ٹھنڈے دل سے جانچ پڑتال کرتی اور اطمینان کر لیتی کہ یہ سب ایکٹنگ ہے۔ باہر ہی باہر ہے اندر کچھ نہیں، جیسے یہ دکھاوے کے محل دو محلے کچھ نہیں صرف کھپچیاں ہیں۔

مگر کھپچیاں ہی جوڑ جوڑ کر ارتھی سجائی جاتی ہے!

کیسی چھوٹی سی بات تھی، جو بنی تو پہاڑ بن گئی۔

رندھیر میک اپ روم میں زرینہ کو سین اور مکالمے سمجھا رہا تھا۔ وہ بڑے انہماک سے سُن رہی تھی۔ اُس کا چہرہ سین کے تاثر سے پگھلا جا رہا تھا۔ ملگجی سی ساڑھی میں وہ بڑی ہی دکھی اور لاچار لگ رہی تھی۔ دھرم بڑے غور سے اُس کے چہرے کی نازک لرزشیں دیکھ رہا تھا۔

رندھیر کسی کام سے باہر چلا گیا، مگر وہ اسی طرح کھلی ہوئی سین میں غرق بیٹھی رہی۔ اُس کی اِس خود فراموشی پر دھرم بے چین ہو گیا۔ وہ اُس کے قریب گیا، مگر وہ پتھر کی مورتی بنی رہی۔ اپنی عادت کے بالکل خلاف اُس نے

اُس کی ٹھوڑی اوپر اٹھائی۔ وہ اب تک ایکٹنگ کر رہی تھی، اُس نے نامراد آنکھیں اوپر اُٹھائیں اور ایک آنسو موتی بن کر ٹپک پڑا۔

کہ یہ بھی سین میں تھا۔

مگر دھرم وہاں نہیں تھا۔ اُس نے کندھے پکڑ کر اُسے اُٹھایا۔

زرینہ سسکی بھر کے اُس کے سینے سے لگ گئی۔ کہ یہ سین تھا۔

دھرم نے جھک کر اپنے ہونٹ اُس کے کانپتے ہوئے ہونٹوں پہ رکھ دیئے، اگر یہ سین میں نہیں تھا۔

وہ نہ گھبرائی نہ بگڑی، اُس کی بانہیں دھرم کی گردن میں حمائل ہو گئیں۔

اس کی گردن میں منہ چھپالیا۔ پھر اس کے کرتے کا بٹن دانتوں میں لے کر کھل سے ہنس دی۔

کسی کے قدموں کی چاپ سن کر وہ اچھل کر الگ ہو گیا اور رندھیر آیا تو بغلیں جھانکنے لگا۔ مگر زرینہ وہی شرمائی ہوئی مسکراہٹ لئے خلاء میں کھوئی رہی۔

"شوٹ تیار ہے۔ چلو۔" وہ فائیل اٹھا کر چل دیا۔ دھرم بھی لپک کر اس کے پیچھے بھاگا۔

"کتنا خوبصورت سین ہے۔" اس نے میک اپ مین سے کہا، جو اس کا میک اپ درست کر رہا تھا، وہ کچھ نہ سمجھا۔ جب زرینہ سیٹ پر آگئی تو دھرم کی گھگی بندھی ہوئی تھی، اس کی طرف دیکھتے ہوئے جان نکل رہی تھی، کبھی بھول چوک کی بڑی قیمت بھگتنی پڑتی ہے احمق پروڈیوسر کو۔ اب سالی رعب گانٹھے گی۔ ایسی دلیر نظروں سے دیکھے گی کہ میک اپ روم والا سین سب پر طشت از بام ہو جائے گا۔ بس اٹھلانا۔ موقع بے موقع لگاوٹ شروع ہو جائے گی۔ بڑا دھمال مچے گا۔ منگلا چیا جلے گی۔ فلم رگڑے میں پڑ جائے گی۔

مگر وہ آئی تو اتنی ہی مؤدب اور مستعد جیسی پہلے دن تھی کہ دھرم کو شبہ ہونے لگا کہ کہیں یہ اس کے دماغ کا واہمہ تو نہ تھا۔ کچھ ہوا بھی تھا یا نہیں! سین اس نے اتنا ڈوب کر کیا کہ خود دھرم بالکل سپاٹ ہو گیا۔ بار بار شوٹ لیا جاتا۔ زرینہ پہلے سے زیادہ بہتر ثابت ہوتی۔ دھرم اور بھی کوڑا ہو جاتا۔

"کیا موڈ نہیں ہے؟" رندھیر نے آہستہ سے پوچھا اور دھرم کے اندر سہما ہوا فن کار دلیر ہو گیا اور پھر فلم کی گاڑی پٹڑیاں بدلنے لگی۔ دھرم نے سیدھی سڑک چھوڑ کر گھاٹیوں میں اترنا شروع کر دیا۔ رندھیر کی روح فنا ہونے لگی۔ مگر وہ جذباتی دھرتیخ کے بعد جسمانی توڑ مروڑ پر اتر آیا، مگر زرینہ کاٹھ کی تتلی کی طرح تھی۔ جس سین کے بعد دھرم گھنٹوں بدحواس رہتا۔ برانڈی کی ضرورت پڑ جاتی زرینہ لوٹ پوٹ کر پھر وہی کی وہ، صاف دل کھلنڈری۔ مؤدب!

"سب سنہ کاٹ دے گا۔" رندھیر دل میں سوچتا، پر دھرم جی کا موڈ بنتا ہے تو سب چلتا ہے۔ فلم جتنی بنی ہے بے مثال ہے۔ ڈوبنے کا اب خطرہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ زلزلہ نہ آجائے گو زلزلے کے تمام آثار ظاہر ہونے لگے

تھے۔ دھرم کی وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔ نیند بہت کم ہوگئی تھی۔ رندھیر کو جھونکے آنے لگتے تو وہ ڈرتا رہتا۔ اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی کہ کیا کرے۔ رات دیر تک گھر سے باہر رہنے پر دتو واویلا مچانے لگی تھی۔

رندھیر کو غصہ آتا تھا منگلا پر کہ وہ دور ہی دور سے بو سونگھ کر چوکنی ہو جایا کرتی تھی۔ کیوں ڈھیل دے رہی تھی۔ دھرم کھلی کتاب کی طرح تھا جسے پڑھنا مشکل نہ تھا۔ ایک دن باتوں باتوں میں اس نے پوچھ ہی لیا۔ دھرم نے جھٹلایا نہیں بس خاموش ہوگیا۔ رندھیر نے دوسری ہی چال چلی۔

"یار آج میں جلدی جاؤں گا کچھ دتو کی طبیعت خراب ہے۔"

"ارے کیا ہوگیا؟"

"کچھ عورتوں کی تکلیف ہے۔"

"تو تم کیا دائی ہو، تم کیا کرو گے۔ چلو ڈاکٹرنی کو لئے چلتے ہیں۔ آج وہیں بیٹھیں گے۔"

"جی ہاں وہیں بیٹھیں گے۔ صاف بات سنو گے؟ میری عورت سنیاسی نہیں۔ جوان ہے اور اسے میری ضرورت ہے۔"

"یار تم تو کہہ رہے تھے کچھ عورتوں کی تکلیف۔ ۔ ۔ ۔"

"تو کیا بس مردوں ہی کو ہوتی ہے عورتوں کو نہیں ہوتی؟ تمہارا اور بھابی کا نہ جانے بھائی کیا معاملہ ہے۔ میرے خیال میں اسی مارے تمہیں نیند نہیں آتی۔"

دھرم پھر خاموش ہوگیا۔

"کتنے دن ہوگئے؟"

دھرم خاموش رہا۔

"بھئی کمال ہے، عجیب آدمی ہو۔"

اس دن اس نے منگلا کو فون کر دیا کہ کھانا نہ لائے وہ گھر آکر کھائے گا۔

منگلا کا روم روم مگن ہوگیا۔ بڑے اہتمام کئے۔ بچوں کو جلدی سے سلا دیا۔ نہا دھو کر گہرے دھانی رنگ کی تنچوئی کی ساڑھی پہنی۔ گیلے بال دھرم کو بہت پسند تھے۔ اس نے یونہی کھلے چھوڑ دیئے۔ دھرم نہا دھو کے بیٹھا تو دور جلنے لگا۔ دھرم

کچھ چُپ چاپ سا تھا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

"ہائے زرینہ کو کیسا سٹراسا رول دے دیا ہے، جھمکدار کپڑوں کا ایک بھی تو سین نہیں۔ ڈریم سیکوئینس ڈال دو نا۔"

"ڈریم سیکوئینس؟ یہ اس ٹائپ کی پکچر نہیں۔"

"اونھ کیا فرق پڑتا ہے پبلک تو پسند کرے گی۔"

"میں جو پسند نہیں کروں گا۔"

منگلا کی سمجھ میں نہ آیا کس موضوع پر بات کرے۔

"پرمن داوا نے کہا تھا نئی ٹیون کے لئے، مجھے تو اچھی لگی..... تم نے سُنی؟"

"ہٹاؤ پکچر کی باتیں دماغ خالی ہو رہا ہے۔" اُس نے منگلا کے نم بالوں کی لٹ اپنے دانتوں میں پکڑ لی۔ منگلا نے اپنا چہرا اُس کی گردن میں چھپا لیا۔

دھرم نے ہاتھ بڑھا کر لیمپ بجھا دیا۔

"کتنا سُندر سین لکھا ہے رندھیر نے میرا تو پڑھ کر ہی تن کانپنے لگا۔" اُس نے سین کی یاد میں اُس کے کُرتے کا بٹن دانتوں میں دبا لیا اور ہنسنے لگی۔

دھرم کو ایسا معلوم ہوا کسی نے پچکاری سے ایک دم سارا خون اُس کے جسم سے کھینچ لیا۔ اُس نے آہستہ سے منگلا کو ہٹایا اور پیر لٹکا کر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا؟" منگلا نے کہنی کے بل ہو کر پوچھا۔

اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا صرف سر ہلاتا رہا۔ پھر وہ اُٹھ کر غسل خانے کی طرف لپکا اور واش بیسن پر جھک گیا۔

"خالی پیٹ پینے سے یہی ہوتا ہے۔" وہ اس کے ماتھے پر اوڈی کلون چھڑکنے لگی۔

"سوری منگلا!" اُس نے منگلا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جلتی ہوئی آنکھوں پر رکھ لیا۔

جیسے ماں ہزار بچوں کے رونے کی آواز میں سے اپنے بچے کی آواز سُن کر فوراً پہچان لیتی ہے۔ اسی طرح دھرم کا پورا اسٹاف اُس کے رویئے سے فوراً اُس کے ذہن کے پردوں میں چھپے ہوئے طوفان کو اچھی طرح پہچان رہا تھا۔ چھوٹے عملے نے تو اِدھر اُدھر تنوار کی تلاش میں ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے تھے۔ اگر کوئی پروڈیوسر دیوالہ نکال کر غائب ہو جاتا تو اُس کا اسٹاف سر کٹی مرغی کی طرح تڑپتا رہ جاتا۔ پروڈیوسر کی جا و بے جا طرفداریاں کر کے وہ ویسے ہی فلم انڈسٹری میں جگہ کھو چکے ہوتے ہیں۔

دھرم نے ہر شعبے میں تباہی برپا کر دی۔ اچھی بھلی شوٹنگ رد کر دی۔ ادھورے سین چھوڑ کر ایک دم پھر "تاز" کی شوٹنگ شروع کر دی۔ ترویدی کو واپس بُلا کر خوب اُس سے اُلجھا۔

"اگر میں کوئی غلطی کرتا ہوں تو تم لوگ مجھے روکتے کیوں نہیں۔ کمپنی کا سارا منافع میری جیب میں تو نہیں جاتا۔ سب کو معلوم تھا کہ واقعی اِتنا کمانے کے بعد اُس کی جیبیں خالی تھیں۔ اِدھر کا روپیہ اُدھر ہو رہا تھا سب کا جی اُچاٹ ہو رہا تھا۔

پھر اُس نے ترویدی کو ٹال دیا اور اپنے دو کانٹریکٹ باہر کر لیے۔

"بھاڑ میں جائے یہ کمپنی۔" منگلا نے بھی ہاں میں ہاں مِلائی۔ اسٹار

کے مزے ہوتے ہیں۔ اسٹاف کا جھگڑا تو نہیں گھسیٹنا پڑتا۔

رندھیر چونکہ دھرم کا مرضی داں تھا، سب نے اُسی کو گھیرا۔

دھرم کو تو کام مل گیا، لیکن دُوسرے تو بے موت مر جائیں گے۔ کمپنی ڈوبنے کا سارا بوجھ انھیں بھگتنا پڑے گا۔

"آخر یار بات کیا ہے؟"

"دل آ گیا ہے۔"

"ہشت۔" دھرم کا چہرہ گلابی ہو گیا۔

"ارے تو اس میں یوں قلابازیاں کھانے کی کیا بات ہے؟"

دھرم خاموش رہا۔

"تم تو یار بالکل لونڈوں کی طرح دم دیتے دے رہے ہو۔ دو پیسے کی لونڈیا کے پیچھے دس سال کی محنتوں پر پانی پھیر دیتے ہو۔"

"میرا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔" دھرم نے دل کا بوجھ ہلکا کر ہی ڈالا۔

"اِک آگ سی پھُک رہی ہے۔"

"تو کون تمھارا گلا کاٹ رہا ہے۔ اماں یار محبت ہی تو ہے سالی ہو گئی تو قیامت تو نہیں آ گئی۔"

"تم نہیں جانتے میں کس بلا میں گرفتار ہوں۔ جی چاہتا ہے یہ لائن ہی چھوڑ کر کہیں دُور چلا جاؤں۔"

"اماں مرے کیوں جاتے ہو۔ خواہ مخواہ بات کا تبنگڑ بنا رہے ہو۔ تم میرے ساتھ چلو۔"

"کہاں؟"

"جہنم میں۔"

"بھابی جی!" رندھیر نے منگلا کو فون کیا، "دھرم کو ذرا میں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ بڑی ٹیڑھی سچویشن پھنس گئی ہے، ہم لوگ رات بھر بیٹھیں گے۔"

"میں کھانا لے کر آؤں؟"

"نہیں بھابی، دتّو بُرا مان جائے گی۔ تم کیوں تکلیف کرتی ہو۔ اگر جلدی کام نمٹ گیا تو آپ کو فون کر دیں گے اور پھر کھانے کے بعد نیند آنے لگتی ہے۔"

"لو اب اُٹھو!" اُس نے دھرم سے آنکھ مار کر کہا۔ اُس کا مُنہ ذرا سا ہو رہا تھا۔ باہر نکل کر اُس نے بڑی لاپرواہی سے کہا "زرینہ جی کو لیتے ہوئے پہنچ جانا۔ بلدیو سے میں نے کہہ دیا ہے۔ وہ تمھیں کو الٹی کے سامنے ملے گا۔ اور وہاں سوڈا نہ بھولنا۔"

"یہ کیا کر رہے ہو؟"

"تمھارا اسرہ۔"

"نہیں!" دھرم سر سے پیر تک لرز گیا۔

"ارے تو اس میں بات ہی کیا ہوئی۔ اگلا سین ڈسکس کرنا ہے نا۔"

"اوہ!" دھرم ٹھنڈا پڑ گیا۔

زرینہ جمال میک اپ سمیت ہی گھر چلی جایا کرتی تھی۔ وہی اسٹوڈیو کی میلی کچیلی ساڑھی پہنے چلی آئی نہ کچھ پوچھا نہ گچھا، خوشی خوشی آ گئی۔

رندھیر اور دھرم اندر بیٹھے پی رہے تھے۔ بچے اوپر کے حصے میں سونے جا چکے تھے۔ زرینہ صحن میں بیٹھی کتے کے پلّوں سے کھیل رہی تھی۔ وہ اتنی بڑی اسٹار تو تھی نہیں کہ گھر والے اُس کے آگے پیچھے پھرتے یا پڑوسیوں سے ملنے جاتے وقت اُس کی اجازت طلب کرتے۔

"یار غل مچایا تو؟" دھرم کے ہاتھ نئی دلہن کی طرح سرد تھے۔

"تو سالی کا گلا دبا دینا۔"

مگر زرینہ نے غل نہیں مچایا۔

جب رندھیر اور دتّو واپس لوٹے تو دھرم دیوار آمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اُس کا ہونق چہرہ دیکھ کر رندھیر کا دل ڈوبنے لگا مگر جب غور سے دیکھا تو نئی دلہن نے مسکرا کر نظریں جھکا دیں۔

"جیو پیارے!" رندھیر نے ...... اُس کا کندھا تھپتھپا کر کہا اور وہیں پھسکڑا مار کر بیٹھ گیا۔

"میں بہت کمینہ ہوں۔" دھرم نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"کون سی نئی بات بتا رہے ہو۔ مرد کی ذات ہی کمینی ہوتی ہے۔" رندھیر نے فخر یہ کہا "یہی مرد کی شان ہے، کہ حرام کاری کرتا ہے مگر چھپا

لینا ہے!"

کمرے میں جھانک کر دیکھا تو زرینہ ساڑھی میں منہ چھپائے گڑی مڑی پڑی تھی۔

"اسے گھر بھجوا دو" دھرم نے سہم کر کہا اور خود غسل خانے میں چلا گیا۔

دتّو نے زرینہ کا شانہ چھوا تو معلوم ہوا غافل سو رہی ہے۔

دوسرے دن سیٹ پر دھرم کے اوسان خطا تھے۔ رندھیر کو بھی اختلاج ہو رہا تھا۔ شوٹ تیار تھا اور ابھی تک زرینہ نہیں آئی تھی۔ ڈرائیور نے واپس آ کر کہا "وہاں کوئی نہیں ہے۔ گھنٹی بجاتے بجاتے تنگ آ گیا"

"کسی سے پوچھا ہوتا"

"پوچھا، صاحب بمبئی میں کسی کو کچھ پتہ نہیں رہتا کہ پڑوس میں کیا ہو رہا ہے"

صبح سے دھرم بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ رندھیر کو بھی معلوم تھا کہ اب کمبخت آئے گی تو نخرے بگھارتی اٹھلاتی جیسے رات کے سودے میں سارے اسٹوڈیو کو خرید لیا۔ اسے پروڈیوسر کی منہ چڑھی عورتوں نے بڑے دکھ دیئے تھے۔ اپنی ذلت کا انتقام اسٹاف کے جوتیاں لگا کر لیتی ہیں۔ زرینہ نہ جانے کب سے اس دن کی تاک میں تھی، کمال ہے!

ساڑھے دس بج گئے تب تو اعصاب کا تناؤ چٹخنے لگا۔

"رندھیر، کیسے معلوم ہوا کہ فلیٹ میں کوئی نہیں!

"ٹیلی فون کوئی نہیں اٹھاتا، نہ ڈرائیور۔۔۔۔۔ ہیں؟ نہیں یار" دھرم کا اڑا ہوا چہرہ دیکھ کر رندھیر کے بھی حواس جانے لگے۔ اگر یار بیٹی نے کچھ کھا لیا۔۔۔۔ اور چٹھی چھوڑ دی تو؟

"چلتے ہو، دفتر میں ایک چابی فلیٹ کی پڑی ہے"

جیسے ہی دونوں اٹھے، جیسے مشین گن کی باڑ چل پڑی۔

زرینہ اور منگلا موٹر میں سے اتریں اور تیز تیز ان کی طرف لپکیں۔

"یا پیر دستگیر ــــــ یا مشکل کشا۔۔۔۔۔" رندھیر کا حلق خشک ہو گیا۔ آج اڑیں گے پرزے!

"امینہ کے بیٹا ہوا ہے۔" منگلا نے جھک کر کہا۔ ساڑھے سات پاؤنڈ یہ موٹا تگڑا۔" امینہ زرینہ کی بہن تھی۔

"ایں؟" دھرم لڑکھڑا کر کرسی سے اُٹھا۔

"میں نے ہسپتال سے فون کیا۔ انگیج۔ انگیج۔ کیا مصیبت ہے"۔ زرینہ ڈرامائی انداز میں بولنے لگی۔ "وہ میں نے ڈیڈی کو فون کیا۔"

"ببلو ضد کرنے لگا، ہم بھی چلیں گے۔ اتنے سویرے کیسے لے جاتی..."

منگلا فر فر بولے جا رہی تھی۔" اور وہاں یہ پگلی ڈر کے مارے دم دیئے دے رہی تھی کہ شوٹنگ پر دیر ہو جائے گی تو دھرم جی مار ڈالیں گے۔"

دھرم جی بڑے انہماک سے میز کی دراز میں کوئی نامعلوم سی چیز ڈھونڈ رہے تھے۔

آپ کے ہاں سے آئی تو آپا بیٹھی رو رہی تھی۔ مجھے کیا پتہ تھا، میں تو موٹر واپس کر چکی تھی۔ بڑی مشکلوں سے ٹیکسی آئی تب میں اور اماں ...." زرینہ بکے جا رہی تھی۔ "بس دس منٹ میں ریڈی!" وہ میک اپ روم کی طرف بھاگی

رندھیر اپنے جوتے کے تسمے باندھ رہا تھا۔

"ایسی تیسی پکچر کی، دلالی میں بھی منہ کالا کرو۔" اس نے بوٹ کا تسمہ اتنی زور سے کسا کہ ٹوٹ کر ہاتھ میں آ گیا۔

دن بھر زرینہ نہایت مستعدی سے شوٹنگ کرتی رہی۔ بالکل معمول کی طرح رندھیر نے اسے مکالمے سمجھائے۔ جھوم جھوم اٹھی۔ دھرم نے سین کی وضاحت کرتے وقت آنکھوں میں کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی وہاں کچھ نہ تھا۔ سین سنتی گئی اور ہمیشہ کی طرح اس میں ڈوبتی گئی۔

لنچ بریک میں دھرم اور رندھیر کی آنکھیں چار ہوئیں

"خدا قسم بھابی کو دیکھ کر تو میری جان ہی نکل گئی تھی!"

"میری تو ابھی تک نکلی ہوئی ہے۔"

"پیارے اب بھی بسور رہے ہو، سچ بتاؤ کچھ رات معاملہ پتا بھی یا غچّہ دے گئی۔"

"نہیں یار...... یہ سوچ رہا ہوں وہ کون ہو گا؟"

"کون؟"

"اُس کا پہلا عاشق۔"

"لاحول ولا قوۃ، یار حد کرتے ہو۔ جی چاہتا ہے کہ۔۔۔۔۔"

"تم۔۔۔۔۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔۔۔۔۔۔۔ شاید وہ اُسے چاہتی ہو گی۔"

"تم نے پوچھ لیا ہوتا۔"

"ٹال گئی، بس چپ ہو گئی۔ یار اتنی سی عمر میں۔۔۔۔"

"سوکھی ماری ہے، اس لئے ذرا سی لگتی ہے۔ ایسی ننھی نہیں۔ خیر تمہارا جنون تو ٹھنڈا ہو گیا۔ یار ایک بات یاد رہے کہیں بھابی کے سامنے نہ اگل دینا، بڑے طنطنے والی عورت ہے۔ مگر ایک بات کہوں گا یار قسم سے بھابی معمولی عورت نہیں دیوی ہے۔ اس چڑیل سے کس پیار سے ملتی ہے۔"

دونوں منگلا کے گن گاتے سیٹ پر پہنچ گئے۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی خواہش پوری ہو جائے تو گھر کی مرغی دال برابر ہو جاتی ہے۔ مگر زرینہ کو پا کر بھی دھرم کی پیاس نہ بجھی بلکہ وہ آتشہ ہو گئی۔ اسے جیت کر بھی احساس ہار کا رہا۔ جسم ملا مگر روح ہاتھ نہ آئی۔ سب سونپ کر بھی وہ نہ جانے کون سی انجانی چیز اس سے بچا لے جاتی۔ ہر دم ساتھ رہ کر بھی وہ اچھوتی اور اجنبی ہی رہی۔ اس کے چہرے کی معصومیت اور کنوارپن قائم رہا۔ اس کے وجود کا اندرونی تقدس کسی غلاظت سے ملوث نہ ہو سکا۔ نہ اس کی شوخی اور الہڑپن میں کوئی فرق آیا۔ وہ اسے پگھلانے کے لئے سلگتے ہوئے جملے بولتا چلا جاتا۔ اس کے تلوے آنسوؤں سے تر کر دیتا۔ شدت جذبات سے اس کا دم گھٹنے لگتا۔ تب وہ کوئی نہایت بچکانہ بات کی آڑ لے کر کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔ وہ اس کی آغوش سے نکل کر جب سیٹ پر جاتی تو بالکل غیر ہوتی۔ جیسے ایک سیٹ سے دوسرے سیٹ پر ایک سین سے دوسرے سین پر، وہی تحمل، خلوص جو بہنوں

میں وہی سیٹ پر دھرم کبھی بڑے معنی خیز انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا تو اس کا دل بیٹھ جاتا۔ ان آنکھوں میں گزری ہوئی راتوں کا کوئی ذکر نہ تھا۔

تب وہ بے طرح خائف ہو جاتا۔ وہ مجھے نہیں جانتی، دھرم ویو ڈائرکٹر کو جانتی ہے۔ مجھے بھول چکی ہے۔ میں جو صرف ڈائرکٹر نہیں، میں ہوں۔

وہ اسے کسی بہانے سے سین سمجھانے کے لئے میک اپ روم یا دفتر میں لے جاتا۔

"کیا کچھ خفا ہو؟" وہ مجرموں کی طرح پوچھتا۔

"نہیں تو، کیوں؟" وہ بڑی سادگی سے پوچھتی۔

"کام کا موڈ نہیں......؟"

"نہیں نہیں، آج تو بہت موڈ ہے۔ بہت ہی خوبصورت سین ہے۔"

وہ ڈر جاتی۔

"تھکی ہوئی ہو؟"

"نہیں" بالکل نہیں۔"

"اللہ قسم؟" دھرم نے زرینہ سے قسم کھانی سیکھ لی تھی۔

"اللہ قسم۔" وہ بڑی سنجیدگی سے کہتی۔

پھر وہ دونوں ہاتھ پھیلا دیتا اور وہ مورتی کی طرح تھرکتی اس کی بانہوں میں سما جاتی اور اس کے گردن کی دھڑکتی ہوئی رگ پر ہونٹ رکھ دیتی۔

دو سال سے فلم بن رہی تھی، مگر اس کے ٹرائیل دیکھنے والوں کا ایمان تھا کہ ہٹ ہو یا نہ ہو یہ دھرم کی سب سے شاندار فلم ثابت ہوگی۔ اسی لئے اس نے ابھی تک پوری پریس نہیں کی تھی۔ ہر جگہ ایڈوانس پر دینے کا ارادہ تھا تاکہ ساری محنت اور خرچہ وصول ہو جائے۔

شوٹنگ کے زمانے میں اس کے اسٹاف نے زرینہ کے اور اس کے تعلقات کو کنواری کا بھید سمجھ کر چھپایا۔ کیشوان سب کا سرغنہ تھا۔ وہ دھرم کو اچھی طرح جانتا تھا۔ بغیر زرینہ کے وہ بے ٹائر کی موٹر کی طرح ٹھپ ہو جائے گا۔ گو آنکھوں کی سوئیاں رہ گئی ہیں۔ وہ اب بھی پکچر کو خاک میں ملا سکتا تھا۔

مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ دھرم بغیر منگلا کے بھی زندہ نہیں رہ سکتا جب وہ روٹھ جاتی ہے تو مفلوج سا ہو کر رہ جاتا ہے۔ جب تک ملاپ نہ ہو جائے سیٹ کھڑا رہے گا۔ دھرم اپنے پراسرار کمرے میں پلنگ پر پلنگ چڑھائے گا۔ پھر کہانی

بدلنے کے منصوبے بناتا رہے گا۔ جب بات حد سے گزرنے لگتی تو اسٹاف کا ایک وفد منگلا کو سمجھانے جاتا۔ بال بچوں کا واسطہ کمپنی کے بال بچوں کا واسطہ۔ منگلا کو مجبوراً غصّہ تھوک کر سوچنا پڑتا۔ تب وہ مزے دار کھانوں کا کٹورا دان لئے، گیروا بنگالی وضع کی دھوتی پہنے خوب سا سندور مانگ میں رچائے بچوں کا ہاتھ پکڑے روٹھے دیوتا کو منانے آتی۔ پھر تھوڑی بعد دھرم دیو جھینپتا مسکراتا سیٹ پر آجاتا۔ اور سب کے چہرے کھل اُٹھتے۔ زرینہ کو نہ روٹھنا آتا نہ اُسے منانے کی کسی کو ضرورت پڑی۔ نہ اسٹاف کے لوگوں پر اُس نے رعب جھاڑا سب کو دادا بھیّا کا کا بنا لیا تھا نہ کسی کو مسکا لگانے کی فکر ہوتی تھی۔

گانوں کی ریکارڈنگ کے بعد منگلا بہت کم اسٹوڈیو جاتی تھی۔ نینی تال میں جو وہ کچھ ہٹی تھی وہ تنہائی کا سہارا بن چکی تھی۔ دو چار دلچسپ قسم کی سہیلیاں جمع ہوتیں، تاش کھیلتیں، دو دو شو انگریزی فلموں کے دیکھ ڈالتیں۔ کبھی دھرم کے ساتھ جاتی تو وہ اتنا تھکا ہوا ہوتا تھا کہ بیچ میں خرّاٹے لینے لگتا۔ یا گاڑی میں بیٹھا پیار کرتا۔ کبھی زرینہ اور اُس کی بہن بھی ہوتیں۔ زرینہ کے ساتھ فلم دیکھنے میں بڑا مزہ آتا۔ بیحد ہنساتی۔ اگر دھرم کبھی کن انکھیوں سے اُس کی طرف دیکھ لیتا تو وہ زبان نکال کر کونے میں دبک جاتی۔

وہ یہاں بھی رعب جھاڑنے سے ہوجی" منگلا اُترتی وہ خواہ مخواہ کی پڑ رہے بیچاری سے" اور دھرم اُٹھ کر جلدی سے گاڑی میں جا بیٹھتا۔

کیشو کی ناکہ بندی کو پھلانگ کر افواہیں انڈسٹری کے شنڈو خانوں میں خوب پھیل رہی تھیں۔ منگلا سے کبھی انٹرویو میں کوئی منچلا جرنلسٹ یونہی اشارتاً پوچھ لیتا تو وہ سب کی ٹانگ گھسیٹنے لگتی۔

"وہ تو میری سہیلی ہے۔ فلم والوں کے دماغ بڑے گندے ہوتے ہیں۔ بکواس کرتے ہیں"

لوگ اُس کی حماقت پر پیٹھ پیچھے ہنستے۔

ریتا اور رمی کی شادی جس دھوم دھام سے ہوئی تھی ویسے ہی دم توڑ رہی تھی۔ ریتا کی سفارشوں سے اُسے بھی کام ملنے لگا۔ ریتا تو بچے کی پیدائش میں پھول کر بھینسیا ہوگئی۔ اُس کی قسمت کا ستارہ چمک گیا۔ اور اُس نے بیوی کو بالکل

گرہستن بنا کے بہت ٹھاٹ کے فلیٹ میں رکھ دیا خود فراٹے بھرنے لگا۔ رتی نے بہت اُدھم مچایا مگر کسی نے اُس کی بکواس پر غور نہیں کیا۔ کیونکہ دھرم کی فلم کے بعد اُس کی تمام فلمیں فلوپ ہوگئیں۔ اور انڈسٹری نے اُسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا۔ ہاں بطور رتی کی بیوی کے اب بھی اُس کی ساکھ تھی۔

منگلا سے اُس کی راہ و رسم بڑھنے لگی کیونکہ وہ بھی خوب پینے لگی تھی۔ اُس نے زرینہ اور دھرم کے رشتے پر روشنی ڈالنی شروع کی۔ منگلا نے ہنس کے ٹال دیا۔

"ہم پر تو شبہ کیا، وہ تو بڑی دیوی ہے نا اُسے کچھ نہیں کہتیں۔"

"ارے وہ بڑی سیدھی ہے۔ میں اُسے جانتی ہوں۔" منگلا ہنس دی۔

"ارے تم کیا کھا کے اُسے سمجھو گی، وہ پوری ایکٹریس ہے، دیکھنا ڈھول پھانکو گی۔"

"ارے چل ہٹ سب تیرے رتی جیسے نہیں۔"

"ارے کیا رتی کیا رتی کا باپ، سب سور دے پتر ہیں۔"

"اب تو ہمارا اتنا جھگڑا بھی نہیں ہوتا۔"

"ہنہ اسے فرصت نہیں ہے تجھ سے جھگڑنے کی یا پیار کرنے کی۔ سچ بتا منگلو کتنے دن سے تجھے پیار کرنے کی فرصت نہیں ملی؟ کب کیا تھا اُس نے تجھے آخری بار پیار؟" وہ کافی چڑھائے ہوئے تھی۔

"اب کوئی مجھے یاد تھوڑی ہے۔" منگلا کچھ چڑ بڑ ہونے لگی۔

"یاد نہیں کہ پتی نے کب پیار کیا تھا۔ کل؟ پرسوں؟۔ پچھلے ہفتہ؟... ... اُس سے پچھلے ہفتہ؟"

"ہٹاؤ بھی میرا خود جی نہیں کرتا۔"

"کیوں؟ سوچ منگلو آخر کیوں؟ تیرا پیار کیوں ٹھنڈا پڑ گیا ہے؟ تالی دو ہاتھ سے بجتی ہے۔"

"مگر میری طرف سے ہی ہوا...... بھلا! دو بچے ہو گئے کیا نئے دلہن دلھا ہیں۔"

"تو اپنے جی کو بہلانے کے لئے کہتی ہے کہ تو نے ہی ٹال دیا مگر منگلو سچ

بول۔ میرے سے نہیں اپنے من سے سچ بول۔ اور بھئی میں دھرم کو الزام نہیں دونگی..
...... ہر گھڑی کا ساتھ ہو، رومینٹک سین ہوں تو کچھ ہوتا تو ہے.....‘‘
’’تمھارے ساتھ تھا کچھ؟‘‘
’’اب تم سے چھپانے سے کیا فائدہ، اگر کچھ نہ تھا تو تم نے ٹنکچر کاہے کو
پیا تھا۔ خیر وہ تجھ پہ مرتا تھا۔ مجھ سے تو بس یونہی چوما چاٹی چلتی تھی...... برا
نہ ماننا منگو تونے پوچھا تو......‘‘
’’فلم ختم ہو گئی تو ختم ہو گیا۔ اس کا بھی یہی ہوگا‘‘
’’پانچ سال کا کانٹریکٹ ہے‘‘
’’تو کیا ہوا، ویسے اب اسے باہر بھی دو فلموں میں کام کرنے کی اجازت
دے دی ہے۔ اس دن ذکر ہو رہا۔ تمھارے رمتی کو لینے کا ارادہ ہے‘‘
زرینہ کے ساتھ؟‘‘
’’ہاں‘‘
’’گھاس کھا گئی ہو۔ میرا خصم تو اجگر ہے اجگر۔ دھرم خوب جانتا ہے کہ
اس کی نازو کو سموچا نگل جائے گا اور ڈکار بھی نہ لے گا، مگر ایک بات کہے
دیتی ہوں، میں تیری طرح پھکی نہیں بیٹھنے کی‘‘
’’بک بک کئے جائے گی بس اگلی فلم کا اسکرپٹ تیار ہے۔ ست نرائن
ڈائرکٹ کر رہا ہے۔ کانٹریکٹ ہو گیا۔ ٹیونیں کل ہی میں نے سنیں۔ وہ تو آؤٹ ڈور شوٹنگ
میں لگے ہوں گے۔ اسٹاف بیکار بیٹھ کر کھائے گا۔ اسی لئے جلدی سے شروع
کر رہے ہیں‘‘
’’تو ٹھیک ہے‘‘
’’اری مجھے بڑی عقل سمجھا رہی ہے۔ تیرا خصم تو کھلے بندوں کرتا ہے اسے
نہیں روکتی‘‘
’’ہے ہے، وہ تو ہمتا دریا ہے میرے روکے بھلا رکے گا‘‘
’’چھوڑ موتے کو‘‘
’’ہائے رام کیوں چھوڑوں، ارے جس پہ دنیا بھر کی عورتیں جان چھڑکتی

ہیں وہ ہے تو میرا۔ پہلے میں بھی سوچتی تھی چھوڑ دوں، پھر میں نے سوچا ایسا گبرو جوان مجھے اور کہاں ملے گا۔"

"تجھے پیار جو نہیں کرتا۔"

"کیسے نہیں کرتا، بہنا میں کوئی سیتا جی تو ہوں نہیں کہ رام جی نے نکال دیا تو نکل گئیں میں تو حرام زادے کی چھاتی پر چڑھ کر لہو پی لوں گی۔ اور پھر یہ اچھے گھرانے کا، اس کے خاندان میں کوئی جھٹم جھٹا کا دستور نہیں۔ بھگوان کا شکر ہے ابھی تو تھوڑا بہت لڑ جھگڑ بھی لیتا ہے۔"

رتیا چلی گئی تو منگلا کی شکتی طبیعت پھر تاؤ میں آگئی۔ وہ ایسی کچھ غافل بھی نہیں تھی۔ کچھ تو زرینہ کی طرف سے اسے اندیشہ نہیں تھا۔ ممکن ہے وہ واقعی پوری ایکٹریس ہو۔ دوسرے اگر کچھ ہوتا تو دھرم نئی فلم ست نرائن کو نہ دیتا اور ہیرو بھی خود ہی رہتا۔ پھر بھی جب شام کو دھرم دلو آیا تو وہ اسے بڑے غور سے دیکھتی رہی نہا دھو کر اسے پھر واپس جانا تھا کیونکہ ایڈیٹنگ ہو رہی تھی۔ دو چار کٹ بھی لگوانے تھے تاکہ ادھورے سین مکمل ہو جائیں۔

"مہورت کر رہے ہو "پورنیما" کی؟"

"ہاں کل کارڈ آجائیں گے۔" دھرم آئینے کے سامنے جھکا کنگھی کر رہا تھا۔

"رمی سے کانٹریکٹ ہو گیا؟"

"ہو جائے گا۔"

"کب؟"

"بس کل پرسوں بات طے ہو جائے گی۔" اور وہ جلدی سے چلا گیا۔

"اسے جھگڑنے یا پیار کرنے کی فرصت کہاں۔" اسے رتیا کے بول یاد آنے لگے۔ نہ جانے کیا سوجھی جھٹ زرینہ کو فون کیا۔

"ریگل میں بڑی اچھی فلم ہے تم اور امینہ چلتی ہو؟"

"ہائے دیدی مجھے تو ڈائیلاگ ڈب کرنے جانا ہے اور امینہ آپا کا بچہ بیمار ہے۔ ہائے کیا کروں؟"

"کوئی بات نہیں۔" اس نے ایک تگڑا سا پیگ انڈیلا اور پلان بنانے لگی۔

جب دھرم اور زرینہ فلم کی باتیں کرتے ہوئے دفتر کے پچھلے کمرے میں داخل ہوئے تو منگلا انگڑائی لے کر اٹھ رہی تھی جیسے ابھی اس کی آنکھ کھلی ہو۔

"ارے دیدی!" زرینہ کھل اٹھی۔

"تم پکچر دیکھنے نہیں چلیں تو میں نے سوچا چلو اسٹوڈیو ہی چلیں، یہیں بیٹھی تو نیند آگئی۔"

"ریکارڈنگ روم میں آجاتیں۔ کیا حسین ڈائیلاگ لکھے ہیں نہ دھیر بھیّا نے۔" وہ اس کے قریب بھسکڑا مار کر بیٹھ گئی۔ "دیدی کل میٹنی میں چلیں، کیوں؟ ہو جاتے۔" وہ ابرو چلا کر بڑے مزے سے بولی۔

"صاحب سے تو پوچھ لو۔"

"کل رنجیت میں "چار کانٹے" کی شوٹنگ ہے میں صفا بھاگ آؤنگی۔"

"وہاں شوٹنگ میں دل نہیں لگتا؟" منگلا نے دھرم کی طرف ترچھی نظروں سے تاکا۔

"خاک نہیں لگتا۔ یہاں تو سب اپنے ہیں۔"

"سب تو نہیں جو اصل میں اپنے ہیں ان کی بات کرو۔" اس نے دل میں سوچا۔

"میں چلوں؟" اس نے دھرم سے پوچھا۔

"ہاں، یہ اسکرپٹ تو لیتی جاؤ۔ جو لینے آئی تھیں۔" دھرم نے بڑے بھونڈے پن سے کہا۔

"ہاں؟ ہاں۔" زرینہ نے بات سنبھال لی اور فائیل لے کر جانے لگی۔

"ٹھہرو میں بھی چلتی ہوں۔" وہ ساڑھی اڑستی اٹھی۔

"تم بیٹھو نا، ساتھ ہی چلیں گے۔" دھرم نے کہا۔

"نا بابا سب کہیں گے کہ میں کام نہیں کرنے دیتی ہوں۔ تم اپنی ایڈیٹنگ کرو۔" اور وہ زرینہ کا ہاتھ پکڑے نکل گئی۔

موٹر میں اس نے بڑی چابک دستی سے فائیل کھولا اس میں ایکسٹرا سپلائر کا حساب کتاب لکھا تھا۔

"ارے!" زرینہ نے قہقہہ مارا "یہ کیا پکڑا دیا دھرم جی نے۔" اور وہ

اٹک اٹک کر فہرست پڑھ پڑھ کر ہنسنے لگی۔

"میں اس لڑکی سے نہیں جیت پاؤں گی۔" منگلا کا دل بیٹھنے لگا مگر وہ اس کے ساتھ ہنستی رہی۔

دوسرے دن اُس نے فائیل لاکر میز پر رکھ دیا۔

"میرے تو خاک پلے نہیں پڑا..... دیدی کہہ رہی تھیں بھولے میں دے دیا ہوگا۔ پر میں نے کہا نہیں وہ ایسی غلطی تھوڑی کرتے ہیں یہ غلطی تو مجھ سے ہوجاتی ہے کہ رجنیت میں نہ شوٹنگ نہ کچھ اور....."

دھرم نے گھڑی دیکھی اور مسکراتا ہوا اُٹھا۔

جب منگلا نے یہ تصدیق کرنے کے لئے کہ واقعی زرینہ رجنیت میں ہے یا نہیں اُسے فون کیا تو بھاگی ہوئی آئی۔

"کیا ہے دیدی؟" اُس نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"کچھ نہیں..... میں پوچھ رہی تھی کہ..... وہ تم چلو گی۔ میں سنار کے ہاں جا رہی ہوں۔" منگلا نے بات بنائی۔

"ہاں ضرور میں چھ بجے آجاؤں گی۔ شوٹنگ تو نہیں ہو رہی ہے سیٹ گیلا ہے۔ ڈانس کی پریکٹس کرنا ہے۔"

منگلا اپنی ہوشیاری پر مسکراتی ہوئی صوفے پر لیٹ گئی اور گلاس سنبھال لیا۔

زرینہ واپس آئی تو رندھیر اور دھرم چپ ہو گئے۔

"ارے نئی پکچر کا وہ زوردار نام سوجھا ہے کہ کیا بتائیں۔"

"کچھ تو بتائیے۔" رندھیر نے زور دیا۔

"پچھ ہے بھاگ بنی آئی۔" وہ قہقہہ لگا کر لوٹ گئی۔

"ٹھیک، سو فی صدی ٹھیک بیٹھتا ہے۔" رندھیر نے کہا مگر دھرم کا موڈ ایک دم آف ہوگیا۔

"تو ممی سے کانٹریکٹ نہیں کر رہے ہو؟" منگلا کافی چڑھی ہوئی تھی۔

"مجھ سے اس کے نخرے نہیں سہے جائیں گے۔ پتہ ہے تمہیں، جو لوگ اُسے لیتے ہیں اُنھیں تگنی کا ناچ نچاتا ہے۔ اس کے دماغ خراب کر دیتے ہیں ان گھٹیا کے پروڈیوسروں نے۔"

"تو پھر راجندر کو لے لو۔"

"اس کے پاس بارہ فلمیں ہیں۔ میری مانگ کے مطابق وقت دے سکے گا؟"

"یہ کیوں نہیں کہتے خود کرو گے!"

"تم آج میرے پیچھے کیوں پڑ رہی ہو۔ پروڈکشن میں تم نے کبھی دخل نہیں دیا۔ ایسی کیا فکر پڑی ہے تمھیں۔"

"کیوں کیا مجھے پوچھنے کا بھی ادھیکار نہیں۔ کمپنی تمھاری ہے پر میں تمھاری کچھ نہیں۔"

"تم سب کچھ ہو، کمپنی تمھاری میں بھی تمھارا۔"

"تو ہیروئن کے لئے نندا کو لو۔"

"کیوں؟ زرینہ کو جو کمپنی تین سال سے تنخواہ دے رہی ہے۔"

"یوں کیوں نہیں کہتے اس کے ساتھ خود کام کرنا چاہتے ہو۔" منگلا گرم ہوگئی۔

"پھر؟" دھرم بھی گرم ہو گیا۔

"یہ نہیں ہوگا۔"

"تم کہتی ہو اس لئے..."

"تم بھی کہہ چکے ہو۔ یاد ہے جب رنیتا کے ساتھ تم نے کہا تھا تم پتی کا رول نہیں کرو گے... "وِدّیا" میں، ہتھنی میں نے اپنی مرضی دی تھی۔ "پورنیما" میں بھی پتی کا رول ہے اس لئے...."

"آخر یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔"

"اپنے مطلب کی بات ہو تو کیسے پلٹ جاتے ہو۔" منگلا کا پارہ چڑھنے لگا۔ "اگر تمھارا یہی فیصلہ ہے کہ وہی تمھارے ساتھ کام کرے گی تو گانے پھر کسی اور سے لے لینا۔"

"لے لیں گے۔" دھرم کا بھی خون کھول گیا۔

"تو پھر یہ طے ہے کہ تمھیں میری ضرورت نہیں۔"

"یہ میں نے نہیں کہا۔"

"تو اس کے بنا فلم نہیں بن سکتی" پارہ اور گئی ڈگری اُونچا ہوا۔
"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے" دھرم اس سے بھی زیادہ گرم ہونے لگا۔
"میرے بغیر بن سکتی ہے"

"پتہ نہیں، بنا کر دیکھنا پڑے گا"
"وہ تمھیں بہت پیاری ہے؟"
دھرم چُپ رہا۔
"جواب کیوں نہیں دیتے؟"
"کیا جواب دوں؟" دھرم نے منہ پھیر لیا۔
"تو میں چلی جاؤں؟"
"نہیں"
"تو اُسے نکالو"
"پانچ سال کا کانٹریکٹ ہے....."
"میں اپنا زیور بیچ کر پیسہ بھروں گی....." وہ سر سے پیر تک لرز رہی تھی۔
وہ اپنا سر پکڑے خاموش بیٹھا رہا۔
"مجھے جھٹلاؤ...... کہو میں جھوٹ بول رہی ہوں، دھوکا ہوا"
اس کے لہجے میں التجا اُبھر آئی۔
اس نے سر نہ اُٹھایا۔
"کیا سمجھا ہے تم نے، کیا میں تمھاری رنڈی ہوں، بولو...."
"آہستہ بولو" دفتر کی دیواریں محدود نہ تھیں۔
"کیوں آہستہ بولوں۔ میں تو ڈنکے کی چوٹ کہوں گی۔ وہ خانگی ہے۔ رنڈی ہے، میرے گھر کو آگ لگانے آئی ہے" وہ رونے لگی۔
"منگلو.... پلیز" اس کا دل کٹنے لگا۔
"دور رہو۔ خبردار جو مجھے ہاتھ لگایا"
"بزنس کو جذبات کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو" اس نے رندھیر کا قول دہرایا۔

انیل کا کانٹریکٹ توڑتے وقت یہ بات نہیں سوچی تھی "۔
دھرم پھر بغلیں جھانکنے لگا۔
"اس دن جو رنجیت اسٹوڈیو میں چار سو بیس کی تھی وہ مجھے سب معلوم ہے۔"
دھرم چُپ رہا۔
تھوڑی دیر وہ سناٹے میں کھڑی رہی پھر باہر نکل گئی۔
دھرم سر تھامے بیٹھا رہا۔
"کیا قصّہ ہے؟" رندھیر دبے پیروں داخل ہوا۔
"یار جی اکتا گیا ہے اس زندگی ۔"
"تو پھر لعنت بھیجو کمبخت پر۔"
"یہ کیا کہہ رہے ہو، وہ میری بیوی ہے، میرے بچّوں کی ماں!" دھرم غرّایا۔
"اماں یار حد ہوگئی۔ ارے میں بھابی کو نہیں کہہ رہا ہوں۔"
"ہوں!" دھرم کا دل چوری پکڑے جانے پر بجھ گیا۔
"عقل سے کام لو پیارے۔ بات نہ بڑھاؤ۔"
"بات تو بڑھ چکی۔" دھرم نے دم گھونٹ کر سر جھکا دیا۔
"اماں گھاس کھا گئے ہو۔ ایک دو پیسے کی لونڈیا کے پیچھے اپنا گھر خاک میں ملاؤ گے۔"
"میں کیا کروں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"
"تمھاری سمجھ پر تو پڑ گئے ہیں پتھر۔ ورما جی بننے کا ارادہ ہے۔"
گھر پہنچا تو منگلا کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ سامان بندھ رہا تھا۔
دھرم نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور مجرموں کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔
"ایک دن یہی ہونا تھا۔" وہ سسکی لے کر سوٹ کیس پر جھک گئی۔
"منگلو، میں تیرے بنا زندہ نہیں رہ سکتا۔" دھرم نے اس کے پیروں پر سر ٹیک دیا۔ منگلا نے سسک کر اس کا سر اپنے سینے سے لگالیا۔
اور دوسرے دن یہی الفاظ وہ زرینہ سے کہہ رہا تھا۔ اس میں ذرّہ برابر

بھی جھوٹ نہ تھا۔

"توبہ توبہ...... کیوں گناہ گار کرتے ہیں" زرینہ نے اپنے پیر سکیڑ لئے۔

انسان کے دل میں کتنے خانے ہوتے ہیں۔ ایک خانے میں ماں باپ کا پیار، دوسرے میں بچوں کی تمنا۔ پھر بیوی کے لئے الگ خانہ، محبوبہ کے لئے پھر بھی گنجائش! منگلا روٹھی تو دنیا روٹھی۔ زرینہ کو ایک دن نہ دیکھا تو نزع کی سی کیفیت طاری ہو گئی!

فلم ریلیز ہوئی تو دنیا کی کوئی بات یاد نہ رہی۔ دھرم کو اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا گیا۔

زرینہ کی ماں کی طبیعت خراب تھی، اس لئے ہر جگہ ریلیز پر میاں بیوی گئے۔ ٹوٹتے ہوئے تار جوڑ دیئے گئے۔ دعوتوں اور پارٹیوں کا سلسلہ ختم ہی نہ ہونے میں آتا تھا۔

اور جب یہ گھن گرج اور چمک ختم ہوئی تو دھرم پر پھر گھٹن اور اکیلے پن کے احساس نے حملہ کر دیا۔ وہ بھٹس بیٹھا پیا کرتا۔ منگلا اس کا بھرپور ساتھ دیتی۔ اتنے دن شادی کو گزر جائیں تو پیار ٹھنڈا پڑ ہی جاتا ہے۔ نشہ میں دھت ہو کر نیند بھی جلدی آ جاتی۔

مگر منگلا اس کے پہلو میں پڑی کروٹیں لیا کرتی۔ جب تک بہت بڑا نیٹ گلاس نہ چڑھاتی۔ نیند آنکھ چراتی رہتی۔ سونے کی گولیاں بھی ماند پڑنے لگی تھیں۔ خیر کچھ بھی تھا، وہ بخیریت اس کے پہلو میں تو تھا۔

ست نرائن نے فلم شروع کرنے پر زور دینا شروع کر دیا۔ اسٹاف بھی اکتا رہا تھا۔ فلم شروع کرنا ہی تھی۔ ہیرو کی تلاش اوپری دل سے جاری تھی۔ روز نئے لڑکوں کے ٹیسٹ لئے جاتے۔ فرید جو ایک مشہور پرانے زمانے کے اسسٹنٹ ہیرو کا لڑکا تھا، بالکل چن ہی لیا گیا تھا۔ دھرم نے تو کانٹریکٹ کی اجازت دے دی تھی۔ کیشو ذرا ہچکچا رہا تھا۔ ذرا کام چل نکلے پھر ہو جائے گا کانٹریکٹ۔ دھرم کے ساتھ کام کرنے کے لئے بس کام ہی کی اہمیت تھی، معاہدہ کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔

ان ہی دنوں رنجیت میں زرینہ کی شوٹنگ چل رہی تھی۔ اس کی بزنس کیشو ہی

سنبھالتا تھا۔ کیونکہ وہ ابھی تک دھرم دیو فلمز کی نوکر تھی، آدھی رقم کمپنی وصول کرتی تھی۔ گو ابھی کمپنی نے اپنا حصّہ لگانا شروع نہیں کیا تھا۔ کیونکہ زرینہ نے نیا فلیٹ اور موٹر لے لی تھی۔ قسطیں اُدھر کٹ رہی تھیں۔

نہ جانے کس کام کے سلسلے سے دھرم ادھر نکل گیا۔ ٹرا تام جھام سیٹ کھڑا تھا۔ زرینہ بے انتہا زرنگار کپڑے پہنے بھونڈے سے ہیرو کے ساتھ انتہائی سستے قسم کا رومانس لڑا رہی تھی۔ اسے یوں مٹکتے آنکھیں مٹکاتے دیکھ کر دھرم کا خون کھول گیا۔

"یہ ایکٹنگ ہے؟" اس نے بریک میں زرینہ کو گھیر کر ڈانٹا "بندریا کی طرح اُچھل رہی ہو" دھرم غصّے سے بے قابو ہو گیا۔

"ایسا ہی رول ہے۔"

"خاک رول ہے، اتنی آنکھیں کیوں مٹکاتی ہو اور گلا پھاڑ کر چیختی ہو۔ دھیمے سے نہیں بولا جاتا؟"

"اب جیسے ڈائرکٹر کہے کرنا پڑتا ہے۔"

"کیوں کرنا پڑتا ہے۔" ساری ایکٹنگ بھول گئیں۔ یہ تھرڈ کلاس ایکٹراؤں کی طرح مُنہ چڑاؤگی تو "پورنما" کا رول بھی گوڑ کر کے رکھ دو گی۔"

"واہ وہاں کاہے کو گوڑ کروں گی۔ آپ کی قمچی جو سوار ہوگی۔"

"دست نرائن ڈائرکٹ کریں گے۔" دھرم نے ٹھنڈی سانس کھینچی۔

"مگر آپ تو ہوں گے، پھر......"

"فرید کو سائین کیا ہے، میں اپنی شوٹنگ کے سلسلے میں مدراس رہوں گا زیادہ تر۔"

"ہائے اللہ، آپ نہیں کر رہے ہیں اس میں کام۔"

"نہیں....."

"تو..... پھر نندا کو لے لیجئے۔" زرینہ گڑگڑائی۔

"نہیں، رندھیر کہتا ہے اس نے رول تمھیں سامنے رکھ کر لکھا ہے۔"

زرینہ نے میک اپ بگڑ جانے کے ڈر سے آنسو پی لئے، لیکن آنسوؤں کے بغیر بھی طوفان اُٹھائے جا سکتے ہیں۔

"بہت اچھا رول ہے۔ تم ہی کرو گی۔"

"جو حکم سرکار،" زرینہ نے ٹھنڈی سانس بھری، "اللہ کرے مرے فریدیہ"
"اس میں تمہارا پتی ہے، ودھوا ہو جاؤ گی" دھرم ہنسا۔
"اچھی، میں کیوں ہوتی ودھوا۔ منحوا ہے بالکل"
"تمہیں پسند نہیں؟"
"واہ جی مجھے کیوں پسند ہوتا منحوس" زرینہ بگڑ گئی۔
"لوگوں کا خیال ہے رتیا اور رتی کی طرح تمہاری اور فریدیہ کی جوڑی بھی ۔ ۔ ۔"
"دیکھئے میں شام کی گاڑی سے جا رہی ہوں"
"کہاں؟"
"بجواڑہ"
"اور یہ سارے کانٹریکٹ؟"
"چولھے میں"
"پانچ سال کا جو ہمارا کانٹریکٹ ہے"
"وہ بھاڑ میں"
"پورنما کا رول"
"مجھے نہیں کرنا رول پھول ہنہ"
"جانتی ہو کانٹریکٹ توڑو گی تو کیا ہوگا"
"پھانسی۔ اس سے زیادہ تو نہیں"
اتنے میں شوٹ تیار ہوگیا، مگر دھرم نے دیکھا وہ تنتناتی میک اپ روم میں چلی گئی۔ نہ جانے کیوں زرینہ کو غصہ کر کے اُسے بڑا لطف آ رہا تھا۔ سیٹ پر دوبارہ جا کر جی جلانے کی ضرورت محسوس نہ کی اس نے رندھیر کو پکارا۔
موٹر بیک کر کے پھاٹک میں سے نکل ہی رہے تھے کہ زرینہ بھاگی ہوئی آئی، اس نے میک اپ اتار دیا تھا اور گھر کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔
"میری کار سروس کے لئے گئی ہے۔ ذرا مجھے ٹیکسی کے اڈے پر اتار دیجئے"۔
وہ پیچھے بیٹھ گئی۔ رندھیر نے دھرم سے آنکھ ملانا چاہی مگر وہ سیدھ میں نظریں جمائے رہا۔ اس کے چہرے کے عضلات پُرسکون تھے اور آنکھیں پُراسرار۔
"روکئے نا کار" اس نے نکڑ پر کہا۔ مگر دھرم خاموش ڈرائیو کرتا رہا۔

اسٹوڈیو پہنچ کر وہ جلدی سے اُتری اور احاطے میں کھڑی ٹیکسی لے کر چل دی۔

"کیوں بھائی یہ کیا لفڑا ہے۔ رندھیر نے پوچھا، دھرم کے ہونٹ مسکراہٹ ضبط کرنے کی کوشش میں لرز رہے تھے۔

"چلو پاپ کٹا" رندھیر نے سب قصّہ سُن کر اطمینان کا سانس لیا۔ حالانکہ دل اس اطمینان میں سو فیصدی شریک نہ تھا۔

"کہو تو جاکے روکوں چڑیل کو" پھر اس نے مجبوراً پوچھا۔

"کیا ضرورت ہے؟ پاپ کٹا" دھرم نے قہقہہ لگایا۔ رندھیر کا منہ ذرا سا نکل آیا۔ اُس نے دو چار گالیاں ہوا میں اچھالیں اور ٹیلی فون کرنے لگا۔ جواب ندارد۔

"کیوں وقت ضائع کر رہے ہو" دھرم ہنسا۔ "ٹرین چھوٹے پاؤ گھنٹہ ہوگیا"

وہ ہنس رہا تھا۔ مگر رندھیر بے چین ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ اس نے یہ بھی آخری مرتبہ نینی تال کی آؤٹ ڈور شوٹنگ پہ سُنی تھی۔

"سالی جا بھی رہی ہے یا کوئی چال چل رہی ہے" اس نے سوچا،

"میں گھر جا رہا ہوں" وہ بھڑک کر کھڑا ہوگیا۔

"چلتے ہیں۔ جلدی کیا ہے" وہ بڑے اطمینان سے اٹھا۔ سگریٹ کیس میں پانچ سو پچپن بھرا اور ایک سُلگا لیا۔

"کیا ڈانڈا چل رہے ہو" رندھیر نے پوچھا

"اومنگ"

"جمہور؟ وہاں راج کے پاس؟"

"نہیں" دھرم کی آنکھیں شوخی سے ناچ رہی تھیں۔

"اماں یار۔ مجھے اتار دو، میں پاگل ہوجاؤں گا۔ تمھارے ساتھ کیشو ہے نا" دھرم نے گھڑی دیکھی اور موٹر کی رفتار بڑھا دی "افوہ کتنی بکواس کرتا ہے"

جب وہ اگت پوری کے اسٹیشن پر پہنچے تو سگنل ڈاؤن تھا۔ ٹرین آرہی تھی۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں" زرینہ نے منہ پھلا کر پوچھا۔

"بک بک نہ کرو، آئیے ماں جی" رندھیر نے ماں کو رسانیت سے اُتارا، امینہ کے بچے گوگو میں لیا۔

"چلو ذرا تمھاری کیسی خبر لی جاتی ہے باہر منیں گن تانے بیٹھے ہیں" اُس نے چپکے سے زرینہ کے کان میں کہا۔

"آپ بھی اُس پگلی کی باتوں میں آگئیں" رندھیر نے امینہ سے کہا۔

"کیا طوفان مچایا ہے۔ تو یہ میں اکیلی چلی جاؤں گی۔ ریل کے نیچے کٹ جاؤں گی"

اسٹیشن کے شیڈ پر چڑھی ہوئی بیل میں سے زرینہ نے ایک پتلی سی چھڑی توڑی۔ پتّے سونتتی ہوئی وہ موٹر کے پاس گئی۔ دھرم بے تعلق بیٹھا دھواں اڑا رہا تھا۔ اُس نے چھڑی لی اور زرینہ کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پر سٹراک سے کس کر دی زرینہ کا منہ سفید ہو گیا۔

"ایک اور۔ ایڈوانس" وہ مُسکرائی۔

دھرم نے اور بھی زور سے چھڑی ٹکائی۔ احتیاط سے چھڑی قریب رکھ لی۔ رندھیر جو اماں اور امینہ کو اسٹیشن ویگن میں بٹھا کر لوٹ رہا تھا پیشانی پر سے پسینہ پونچھنے لگا۔ دھرم نے ایک جھٹکے سے موٹر بڑھائی۔ زرینہ دھول اور پیٹرول کے غبار میں بڑے ٹھسّے سے مسکرا رہی تھی۔

"مجھے پہلے گھر اُتار دو" رندھیر اُتر کر سیدھا بھاگا۔ دِلّو کو جھنجھوڑ کر جگایا اور اپنے سینے سے لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

"پورنما" کی شوٹنگ بڑی گھن گرج سے شروع ہوئی۔ گانوں کی ریہرسل ہورہی تھی۔ منگلا بڑی دھن سے لگی ہوئی تھی۔ بس یہی دن تو اس کی اصل اہمیت کے ہوتے تھے جب وہ منگلا ہوتی تھی، صرف دھرم دیو کی پتنی ہی نہیں۔ ایک عظیم فن کار جس کی آواز کا جادو دھرم کی ہٹ فلموں کی جان تھا۔ ان میں سے دو چار تو شاید بغیر گانوں کے سسک کر دم توڑ دیتیں۔

"آنٹی، دھرم نے کچھ میرے بارے میں طے کیا؟" جب وہ بیاہی گئی تھی تو مزید بارہ تیرہ برس کا لڑکا تھا۔ پڑوس کے ناطے آنٹی ہی کہتا تھا۔ دفتر میں دھرم کو انکل کہنا چھوڑ دیا تھا مگر وہ تو آنٹی تھی۔

"کیوں کیا ابھی کانٹریکٹ نہیں سائن کیا؟"

"مجھے کانٹریکٹ کی پرواہ نہیں، میں کاسٹیوم کی ناپ کے لئے روز آتا ہوں۔ کیشو جی روز ٹال دیتے ہیں، نہ وگ کا ٹرائیل ہوا۔ کیا دھرم جی بھی اس میں کوئی رول کر رہے ہیں؟"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اسے ٹال کر سیٹ دیکھنے چلی گئی۔ حویلی کا سیٹ لگ رہا تھا۔ ہیروئن کا ایک دکھ بھرا گانا ہوتا تھا ٹرائیل ریکارڈنگ ہو چکی تھی۔ دھرم اس سے مطمئن نہ تھا۔ دو دن سے اسی گانے میں کلی بھینڈا نے لگوا رہا تھا۔

"فریدہ کا کنٹریکٹ کب ہوگا؟" اس نے کیشو سے پوچھا۔

"اس سیٹ پر ہیرو کا کام نہیں۔"

"برات تو آتی ہے نا؟"

"دولہا کا منہ پھولوں سے ڈھکا ہوگا، کوئی ایکسٹرا بٹھا دیں گے۔"

"اور فریدہ؟"

"بالکل کچرا ہے۔ اس قدر ڈائیلاگ بھولتا ہے۔ پٹرا ہو جائے گا۔ رول اس کے بس کا نہیں۔ رحمان سے آج بات کرنے جا رہا ہوں۔"

"ہیرو کے لئے؟"

"نہیں بھوت کے رول کے لئے، بہت اچھا رہے گا۔ اپنے یونٹ کے ساتھ اس کی اچھی بنتی ہے۔"

منگلا خاموشی سے اٹھی اور موٹر میں بیٹھنے لگی۔

"آپ کو روشن صاحب بلا رہے ہیں۔ شام کو ٹیک ہے گانوں کا۔"

"چلو۔" اس نے ڈرائیور کو حکم دیا۔ اسسٹنٹ دھول پھانکتا رہ گیا، بھاگا کیشو کے پاس گیا۔

"اچھا جاؤ دفتر میں چائے بھجوا دو۔"

دروازے بند کر کے مشورے ہوئے۔ دھرم الگ تھلگ پھولا پھولا بیٹھا تھا۔ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ منگلا کی اکڑ سب کو کھل رہی تھی۔ سیٹ تیار ہو رہا تھا۔ اب اگر ان بن پڑ گئی تو پھر فلم شروع ہونے کے آثار نظر نہیں آتے۔ منگلا کو فون کیا تو معلوم ہوا نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ دروازہ بند کئے دوپہر سے گھر میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ فلش کھیل رہی تھی۔

دھرم نے صاف کہہ دیا وہ ناک رگڑنے نہیں جائے گا۔ بچپن نہیں بنتی ہے نا بنے۔ زرینہ ناچ کے توڑے سیکھ رہی تھی۔ بیچ بیچ میں کپڑے پہن کر سارے میں دکھاتی پھر رہی تھی۔

پہلے تو کیشو اور رندھیر کو ٹالنا چاہا مگر اڑ ہی گئے تو منگلا بھنا کر نکلی اور خواہ مخواہ برسنے لگی۔

"شریفوں جیسی باتیں کرتے ہو یا دلالی کا پیسہ کھاتے ہو۔"

"بھابی۔" رندھیر نے ضبط کر کے بات سنبھالی۔

"تھو" مجھے بھابی نہ کہو۔ اپنی ماں بہنوں کو گھیر گھیر کر صاحب کا بستر گرماتے ہو۔ تم ہی لوگ۔ اور انھیں ورغلاتے ہو۔ وہ کلموہی تو جا رہی تھی تم ہی اُسے اگت پوری سے لوٹا لائے۔ اب جاؤ اسی سے گانے بھی گواؤ۔" وہ اپنے آپے میں نہیں تھی، دہکی کے بھبکے چھوٹ رہے تھے۔ ریتا اُسے گھسیٹ کر اندر لے جانا چاہ رہی تھی مگر وہ بری طرح برس رہی تھی۔

"مجھے سب معلوم ہے جیسے تمھاری اپنی بھیا ئی سب جھیل لیتی ہے، مجھے بھی ایسا ہی سمجھ رکھا ہے۔ وہ ہی جھیلے گی جس نے فارس روڈ بھگتا یا ہو۔ گھر کو سرکار کے عیش کا اڈا بنا رکھا ہے۔ مجھے سب خبریں ملتی ہیں۔ مجھے کاٹ کے اپنی جات برادری والی کو بھرنا چاہتے ہو۔"

اگر اس کی جگہ کوئی دوسری گانے والی ہوتی تو رندھیر اس کا منہ توڑ دیتا۔ وہ اور کیشو چپ چاپ جھپٹ کر نکلے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔

"اب عقل ٹھکانے ہوئی؟" دھرم نے طعنہ دیا۔ "بڑے گُن گاتے ہو ستونتی کے۔"

"بھاڑ میں جائے ستونتی۔ خدا قسم تمھارا لحاظ نہ ہوتا تو۔۔۔۔"

رندھیر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"پھر اب کیا رائے ہے۔" دھرم نے اُسے سلگاتے کو پوچھا۔

"————" رندھیر نے نہایت غلیظ مشورہ دیا۔ دھرم ہنسی نہ روک سکا۔

"لتا کو فون کر دو۔ اس نے کیشو سے کہا "وہ بہت جلدی دھن پکڑ لیتی ہے۔ جب تک سین او ہست ترائن سے کہو، گانے بعد میں لیں گے۔"

جب گھر پہنچا تو نوکر سیڑھی پر اُجاڑ سا بیٹھا ہوا تھا۔ اس دن پہلی مرتبہ دھرم کو ڈھنڈار گھر بڑا ہی پُر سکون معلوم ہوا۔ نہا دھو کر چھوٹا سا پیگ بنایا اور فائیل کھول کر سین دیکھنے لگا۔ اس کی نظر پاس پڑے ہوئے تکیہ پر گئی جہاں منگلا کا سر ہوا کرتا تھا۔ اس نے تکیہ اٹھا کر بھنا کے دور پھینک دیا اور

اپنا تکیہ پلنگ کے بیچوں بیچ رکھ کے بڑے اطمینان سے پھیل کر لیٹ گیا۔ اور اسکرپٹ دیکھنے لگا۔

جب وہ لتا کے گھر پہنچی تو وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

"ارے دیدی تم نے کیوں تکلیف کی۔ بس میں آ ہی رہی تھی۔ کیسا ہے یہ گیت جو میری ضرورت پڑی۔ ذرا بیٹھو میں ساڑھی بدل کر چلتی ہوں۔" پھر جب اس نے منگلا کا ستا ہوا چہرہ اور ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں دیکھیں تو اسے بیڈ روم میں لے جا کر دروازہ بند کر لیا۔

"دیدی" اس نے پاس بیٹھ کر اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔ منگلا اس کے کندھے پہ سر رکھ کر پھوٹ پڑی۔

یہ پہلا موقع نہیں تھا۔ جو شوہر کی ستائی ہوئی بیوی اس کے پاس اپنا دکھ لے کر آئی تھی۔ فلم لائن میں ہی نہیں، زندگی کے ہر شعبے میں اس قسم کے پھندے پڑ جاتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ فلم لائن میں مقبولیت ملتی ہے۔ ان دنوں بس جگہ جگہ دھرم، منگلا اور زرینہ کا ترسول گڑا ہوا تھا۔ اخباروں میں ڈھکے چھپے اشارے چل رہے تھے۔

پرانے زمانوں کی اور بات تھی۔ بھلی بیویاں خصم کی رنڈی کے تلوے چاٹتی تھیں۔ روٹی کپڑے کا سوال تھا نا۔

مرد کی شان تو اسی میں ہے کہ بھنورا بن کے کلی کلی کا مزہ چکھتا پھرے۔ سب ہی پروڈیوسر ڈائریکٹر سگی بیویوں کے علاوہ فلمی بیویاں رکھا کرتے ہیں۔ مگر یہ نئے زمانے کی بیوی بڑا دند مچاتی ہے۔ خاص طور پر منگلا جیسی فن کار جو خود اپنی ایک واضح حیثیت رکھتی ہے، سختی پکڑ لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب دوسری بیویوں یا داشتاؤں کا مینشن بھی فلم لائن میں بہت کم ہوتا جا رہا ہے۔ زوردار بیوی ہو تو کمزور رقیب کو مار بھگاتی ہے۔

عموماً جب اس قسم کا بحران بن جاتا ہے تو انڈسٹری بڑے سوچ بچار کے بعد فیصلہ کرتی ہے۔ اگر وہ دوسری عورت کوئی تیسرے درجے کی ایکٹرا ہو تو یار دوست دباؤ ڈالتے ہیں، ڈسٹری بیوٹر اور فنانسر بھی اسے اپنی بزنس کے لئے اہم نہیں سمجھتے، ان کا اثر بھی چلتا ہے، لیکن زرینہ بڑی تیزی سے ابھری تھی۔

اس کی بڑی مانگ تھی ۔ دھرم اسی بات پر بھولا ہوا تھا کہ زرینہ پر بہت سی پارٹیوں کا داؤ لگا ہوا ہے اسے مار بھگانے میں کوئی دلچسپی نہ لے گا ۔

مگر اسے خود دار مرہٹن سے پالا نہیں پڑا تھا ۔ اس نے منگلا کے آنسو پونچھے اسی وقت میوزیشین کی ایسوسی ایشن کو فون کر کے ارجنٹ میٹنگ طلب کی ۔ لتا نے الٹی میٹم دے دیا کہ اگر کسی نے دھرم کے ساتھ کوآپریشن کیا تو پھر اس سے وہ کوئی واسطہ نہیں رکھے گی ۔ کوئی بھی سازندہ یا گلوکار منگلا کی حق تلفی نہیں ہونے دے گا ۔ یہی نہیں ، لتا نے بالکل ایک جال سا بن ڈالا ۔ وہ آرٹسٹ ، ٹیکنیشین ، لیبارٹری ، ڈسٹری بیوٹر جو دھرم کا کام کریں گے وہ ان کے ساتھ کبھی اور کسی صورت میں واسطہ نہیں رکھے گی ۔

لتا کی انڈسٹری میں جو پوزیشن ہے اسے دیکھتے ہوئے کون ایسا تھا جو دھرم صرف ایک اکیلے پروڈیوسر کی خاطر لتا سے بیر پالتا ۔ اگر اسے چھینک آجاتی تو پروڈیوسروں کے ہاتھ پیر پھول جاتے پھر وہ حق پر تھی ایک عورت کے جائز حق کے لئے جنگ پر آمادہ تھی ۔ سب نے اس کی رائے پر فوراً صاد کر دیا ۔

دھرم کو الٹی میٹم دے دیا گیا کہ وہ زرینہ کو اپنی دونوں فلموں میں سے الگ کر دے ۔ دھرم نے وہ الٹی میٹم اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں ڈالا اور ٹوکری اٹھا کر کھڑکی سے باہر الٹ دی ۔

"میں بغیر میوزک کے فلم بناؤں گا ۔"

"اور لیبورٹری کا کیا ہوگا ۔ آرٹسٹ ، اسٹوڈیو کا اسٹاف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"جہنم میں جائیں میں فلم لائن چھوڑ دوں گا ۔" دھرم کی آنکھوں میں شیطان ناچ رہا تھا ۔

وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح تلملا کر رہ گیا ۔ چاروں طرف سے اس کا گلا دبنے لگا ۔ منگلا جیت گئی وہ ہار گیا ۔ دھرم دیو جس کے نام کی لوگ قسمیں کھایا کرتے تھے ۔ بیوی کے ایک طمانچہ پر منہ کے بل آرہا ۔ لوگ شرطیں لگانے لگے ۔

"دھرم گھٹنے ٹیک دے گا ۔"

"وہ زرینہ کو نہیں چھوڑے گا ۔"

"زرینہ کی بات نہیں مامرد کی آن کی بات ہے ۔"

"اب وہ فلم نہیں بنا سکے گا" اس پر رننگ کرنے والوں کے ہاں گھی کے چراغ جل اُٹھے۔

"ارے سب ٹھیک ہو جائے گا، یہ فلم انڈسٹری کے چکنے گھڑے ہیں اُن پر بوند نہیں ٹھہرتی"، کسی دل جلے نے کہا۔

مگر سب ٹھیک نہ ہو سکا۔

دھرم نے اس رات دفتر کے پیچھے والے کمرے میں خواب آور گولیوں کی پوری شیشی حلق میں اُنڈیل لی۔

رندھیر کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ یا خدا یا کیسی زندگی ہے، کسی بات کا بھروسہ ہی نہیں۔ یہاں کوئی کھری بات نہیں کرتا۔ اس کی کہانی اور ساتھ میں ڈائریکشن کی بات چل رہی تھی، کل تک رام لال اس کے آگے پیچھے لگا رہتا تھا۔ آج گھاس نہیں ڈال رہا ہے۔ اُٹھتے کے پیروں میں سب لٹک جاتے ہیں، جو اوندھے منہ گرے تو اس پر سے کچلتے ہوئے نکلے چلے جاتے ہیں۔ رام لال اس لئے مسکا مار رہا تھا کہ دھرم کے ہاں سے سہارا ہے ہی۔ دھرم آسانی سے کو آپریشن دے سکتا ہے۔ قسطوں پر بننے والی فلمیں منتقل کو آپریشن پر ہی جی سکتی ہیں۔ اب دھرم کا تختہ لوٹ گیا تو رندھیر رعایت نہ کر پائے گا۔ پہلے رندھیر کو منگلا پر طیش آ رہا تھا۔ اب دھرم پر غصہ آ رہا تھا۔ سوچا چلو اس کا ہی جی جلائیں وہاں وہ کمبخت موت کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ اسی وقت بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ ایمبولینس آئی تو منگلا ننگے پیر بال کھولے موٹر سے بدحواس اتری اور اس کے سر و پیروں سے آنکھیں مل کر اپنی قسمت کو رونے لگی۔ صبح تک دھرم کو ہوش نہیں آیا۔ موت ٹل گئی۔

منگلا اس کے پیروں پر سر رکھے سسکیاں بھرتی رہی۔ ہائے اُس نے اپنے پتی کو اپنے ہاتھوں سے مار ڈالا۔ اپنی جیت اُس کے گلے میں ویسے ہی پھانسی جیسی لگ رہی تھی۔ کچھ خالی خالی سی بیٹھی تھی کہ فون پہنچا۔ اس کا کلیجہ پھٹ گیا۔ ہائے اُس کا دھرم، اس کے بلو اور جنٹو کا بابا۔ وہ جس کے ساتھ بمبئی ٹاکیز کے احاطے والے املی کے درخت کے نیچے آنکھوں میں رس بھر کے

سپنے دیکھے تھے۔ جس کی موتیوں والی نشہ آور مسکراہٹ اب بھی جی لوڈا لوآں ڈول کر دیتی ہے۔ وہ بیاہ کے پہلے ہفتہ والا رنگین مزاج دیوتا، بھرپور عاشق جس نے نینی تال کی ٹھنڈی ٹھنڈی راتوں میں انگ انگ میں آگ بھڑکا دی تھی۔ آج موت کی چاہ میں سب کچھ تج کر جا رہا ہے۔

جب وہ کچھ بھی نہیں تھا ایک معمولی اسسٹنٹ تھا تو ایک ڈائرکٹر نے اُسے بے بات جھڑک دیا تھا تو منگلا کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ وہ اُسے کوس کوس کر آنسو بہاتی رہتی تھی۔

"اُس نے تمہاری ذلت کی، بس چلے تو اس کا خون پی جاؤں۔"

پر آج وہ خود راکھشسی بنی اس کا لہو پی رہی تھی۔

"اگر وہ دوسری پر لٹو ہے تو اس کی سزا موت تو نہیں۔ وہ کسی کا بھی ہو کر رہے زندہ تو رہے۔"

"منگلو!" دھرم نے اسے پیروں کے پاس بیٹھے دیکھا تو بے چین ہو گیا۔

"ادھر آؤ۔" وہ سسکیاں بھرتی ہوئی اس کے سینے سے لگ گئی۔

"مجھے معاف کر دے منگلو......" دھرم نے اس کے آنسو چوم کر کہا۔

"نہیں، سارا دوش میرا ہی تھا۔ تم......"

"میں نے کمینہ پن کیا منگلو، میں بڑا نیچ ہوں۔"

"نہیں تم بھولے ہو، میرے کان بڑے کچے ہیں۔ زینا چڑیل نے بہکا دیا۔" منگلا نے اپنے بچاؤ کا راستہ ڈھونڈا "وہ مجھ پر بھوت سوار ہو گیا تھا۔ تم جو بھی کرو میں بیچ میں نہیں بولوں گی۔ نہ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا۔"

"خواب آور گولیوں کا معاملہ دبا دیا گیا۔ بد ہضمی کے سر بات گئی۔ زرینہ ڈھیروں پھول لے کر آئی۔ بالکل مسکراتی ہوئی۔ اُس کی اماں نے صدقہ بھیجا۔ امینہ بازو پر ایک تعویذ باندھ گئی۔ منگلا اُس وقت رندھیر کے سامنے ہاتھ جوڑے رو رہی تھی، "بھیا اگر تم نے مجھے معاف نہ کیا تو میں مر جاؤں گی۔ آگ لگے میری زبان کو نہ جانے غصہ میں ایسی بے قابو کیوں ہو جاتی ہے۔" وہ سر جھکائے روتی رہی۔

"ارے بھابی، رشتے میں تو چھوٹا ہوں سوچہ نے مار تو بھی چوں نہیں کروں گا۔"

رندھیر نے اپنی کوئی آنے والی ہٹ کہانی کے لئے یہ مکالمہ یادداشت کی ڈبیہ میں محفوظ

کرلیا۔ "مگر دیکھو ایک بات صاف ہونی چاہیئے۔ دھرم جی کی بہت کرکری ہوئی ہے۔ اب اگر وہ اس چڑیل کو نکالتے ہیں۔ تو ساری انڈسٹری ٹھٹھہ اڑائے گی اور وہ کہیں سر اٹھا کر نہ آ سکیں گے۔ آرٹسٹ کی خودداری بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ سیٹ پر ان کی کیا پوزیشن رہ جائے گی۔ اب اس بات کو دبانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ ہیرو، چڑیل ہیروئن اور گانے آپ کے۔ تب ہی انڈسٹری کے منہ پر طمانچہ لگے گا۔ کام بالکل ایسے ہی ہو جیسے پچھلی فلموں میں ہوا کرتا تھا۔

منگلا خاموش رہی۔

"ایک بات اور، آپ نے بالکل دلچسپی لینا چھوڑ دی ہے۔ اسٹوڈیو آنا بند ہی کر دیا ہے۔ آپ اسی پابندی سے آیئے۔ آپ رہیں گی تو سانپ کو پھن اٹھانے کا موقع نہیں ملے گا۔ وعدہ کیجئے کہ آپ بلا ناغہ آئیں گی۔"

"آؤں گی۔" منگلا نے وعدہ کیا۔

"بات بہت بڑھ گئی۔ ورنہ ایسی کوئی وہ کوہ قاف کی پری نہیں۔ دھرم بہت ضدی ہے۔ یہ آپ سے بہتر کون جانتا ہے۔ آپ نے اس پر بلا وجہ شبہ کیا۔ ہم ساتھ کے اٹھنے بیٹھنے والے ہیں۔ ہنسنے بولنے میں ایسی کیا خرابی ہے۔ سیٹ پر کوئی منہ میں تالا ڈال کر نہیں بیٹھتا۔ اور بھابی سچ کہتا ہوں آپ کے سامنے وہ ہے کیا۔ دھرم کا ٹیسٹ اتنا گرا ہوا نہیں۔" بغیر ارادہ ایک کے بعد دوسرا جھوٹ اس کے منہ سے نکلتا ہی چلا گیا اور منگلا جو ویسے ہی بجھی ہوئی تھی یقین مان گئی کہ دھرم پر اس نے بہتان لگایا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دل پھینک ہو مگر معاملہ اتنا تو نہیں بڑھ گیا جتنا رتیا نے پہاڑ بنا کے اسے ڈرا دیا۔ شام کو اس نے دو بنارسی ساڑھیاں اور ایک فیروزے کا سیٹ وتو کو بھجوا دیا۔

جب وہ گھر پہنچی تو امینہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی۔

"بیٹھو!" اس نے جینٹو کی آیا سے کہا بچوں کو اوپر لے جائے "اماں تو اچھی ہیں؟"

"جی ہاں۔" امینہ کی آواز بجھی ہوئی سی تھی "ہم لوگ جا رہے ہیں۔"

"کہاں..... کیوں؟"

"حیدر آباد..... پھر وہاں سے بیجاپور۔ وہاں سے پھر آکر فلیٹ اور

کارکا کچھ کریں گے "۔

"وہ کیا کہہ رہی ہیں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے اور زرینہ......"
منگلا نے مجرموں کی طرح پوچھا۔

"ہاں یہ دیکھئے تین ٹکٹ ابھی سیدھی لے کر آرہی ہوں۔ سونے کی سیٹ ایک ہی ملی، اماں کے لئے، ہم تو ویسے بیٹھ کر بھی رات گزار دیں گے۔" امینہ نے تھرڈ کلاس کے ٹکٹ بٹوے سے نکال کر دکھاتے۔

"دیکھوں؟" منگلا نے ٹکٹ لے لیئے۔ "دو تو کام نہیں کرنا۔"

"دیدی، دھرم جی کے اور آپ کے ہم پر جو احسان ہیں ہم چاہیں بھی تو ان کا بدلا نہیں چکا سکتے۔ مگر اب انڈسٹری میں جو گند اچھل رہی ہے اس کو جھیلنا بھی ممکن نہیں۔ دھرم جی جیسے شریف انسان کو بھی نہ چھوڑا۔ آپ تو تو اتنی سمجھدار ہیں دھرم جی پر اعتبار ہے، باہر جہاں کام کرے گی وہاں کون سمجھے گا اور ہم بے یار و مددگار عورتیں کس کس کا منہ بند کریں گی۔ آج آپ کا دل صاف ہے کل آپ کے ہی کوئی کان بھر دے، ہم آپ ہی لوگوں کے بھروسے پر آئے تھے۔ کوئی ماموں، چچا بھائی ہی ہوتا تو بھی غنیمت تھا، مگر ذرا سوچئے ہمیں زندہ چھوڑیگی یہ انڈسٹری۔"

"ارے خاک ڈالو انڈسٹری پر۔" آئی گئی سب انڈسٹری پر تھوپی جانے لگی۔
"وہ بکنے دو بکنے والوں کو۔"

"میرے خیال میں تو چلے جانا ہی اچھا ہے۔ بڑا ڈر لگتا ہے۔ کوئی گلا کٹوا دے تو......"

"ارے ہٹو، مجال ہے کسی کی جو گلا کٹوا دے۔ تمہارے تئیں میں نا پھر کاہے کا ڈر۔"
"وہ تو تنتناتے بھاگے۔ مجھ سے یہ گند نہیں سمیٹا جائے گا۔ کہتے ہیں طلاق دے دوں گا۔ آپ بتائیے کیا بچاری ماں کو چھوڑ دوں۔" امینہ نے آنسو پونچھ کر کہا۔
منگلا کا بھی جی بھر آیا۔ اپنی حماقت پر خود کو کوسنے لگی۔

"کوئی جانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے ٹکٹ پھاڑ کر پھینک دیئے۔
"وہ سیٹ اتنے دن سے کھڑا ہوا ہے۔ پانچ سال کا کانٹریکٹ توڑ کے بھاگو گی، دماغ چل گیا ہے۔"

ٹکٹ پھاڑنے کی خبر انڈسٹری نے ہاتھوں ہاتھ لپک لی۔

"دو چکنے گھڑے" پاگل بولا۔

دھرم اچھا ہو کر گھر آ گیا۔ برآمدے میں جنٹو کی گاڑی اور مُنّے مُنّے جُوتے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ اس نے جُوتے اٹھا لئے۔ ڈرائنگ روم کی اُجلی دیوار پر بیلو کے میلے ہاتھ کے نشان پر اس کی نگاہیں جم گئیں۔

ہاتھ میں جنٹو کے جُوتے لئے وہ دروازے کے بیچ میں کھڑا رہا۔ منگلا تکیہ پر اُجلا غلاف چڑھا رہی تھی۔ دو بچّوں کی پیدائش کے بعد بھی آج دونوں اجنبی تھے۔ بڑی عمر ہو جنٹو کی وہ بُری طرح چنگھاڑتا ہوا داخل ہوا۔ دونوں ایک ساتھ لپکے اور بچّوں کو اُٹھاتے اُٹھاتے دونوں ایک دوسرے کی آغوش میں سما گئے۔ سانسیں اُلجھ گئیں اور ہاتھ پیر بے قابو ہو گئے۔ جنٹو اس نئے ڈرامے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے لگا۔ آیا بیلو کو بھی لے آئی۔ منگلا نے جنٹو کو سمیٹ لیا اور اُسے دودھ پلانے ساڑھی اوڑھ کر کروٹ سے لیٹ گئی۔ رات کو ایک وقت وہ اُسے اب بھی اپنا ہی دودھ دیتی تھی۔ دھرم نے بیلو کے اونگھتے ہوئے سر کو کندھے سے لگا لیا اور ٹہلنے لگا۔ موت کے آدھ کھلے دروازے سے جھانک کر جو کچھ دیکھا وہ دھرم کو ہلا دینے کے لئے کافی تھا۔

دھرم نے سوئے ہوئے بیلو کو اس کے پلنگ پر سُلا دیا اور آ کر منگلا کے پاس بیٹھ گیا۔ آنچل اُٹھا کر اُس نے مجو کے جنٹو کے مشتاق ہونٹوں کی جُنبش دیکھی اور مسکرا اُٹھا۔ منگلا نے سسکی بھری اور دھرم کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں پر

رکھ لیا۔ دھرم نے جھک کر بیٹے کے ہونٹ چوم لیئے۔

کبھی پشیمان بیوی محبوبہ کا غم بھلانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

شوٹنگ بڑے زور شور سے شروع ہوگئی۔ نام ست نرائن کا تھا مگر سارا کام دھرم اور رندھیر ہی کیا کرتے تھے۔ صرف اسٹارٹ اور کٹ ست نرائن کہتے تھے۔ یہ بات بھی انڈسٹری میں پھیلی ہوئی تھی۔ ست نرائن جب دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر ٹھرا پیتے تو دھرم اور رندھیر کو موٹی موٹی گالیاں دیا کرتے۔ مگر بندھا مار کھاتا ہے۔ انھیں امید تھی کہ پکچر ہٹ ہوگئی تو پھر دو تین چانس مل ہی جائیں گے یہ انڈسٹری بڑی سیانی بنتی ہے۔ سپر ہٹ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتی ہے۔

دھرم دیو فلمز کے اسٹاف نے طے کر لیا کہ ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے پھر کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے گی کہ دھرم اور منگلا کی اَن بن ہو جائے۔

زرینہ کی ماں کی بیماری کو ایک شاندار حربہ بنایا گیا۔ موقع بے موقع ان کی طبیعت کی خرابی کے فون آنے لگے۔ آئینہ اور اس کا شوہر امداد سائے کی طرح زرینہ کے ساتھ لگے رہتے۔ امداد کاٹھ کے اُلّو کی طرح بیٹھا رہتا تھا۔ اس کا جی بہلانے کے لئے زرینہ کے مینیجر کا عہدہ دے دیا گیا۔ اور وہ بھی اس کا چیک وصول کرکے شوٹنگ کی تاریخیں طے کرکے خاصہ اہم محسوس کرنے لگا۔ ویسے ایکسٹرا چھوکریوں سے بھونڈے مذاق کیا کرتا۔ اس پر آئینہ بگھرنے لگی۔ تو رندھیر کو اسے ٹٹولنا پڑا۔ ایک عجیب چکر چلانا پڑتا ہے اس قسم کی سیاست کو جمانے کے لئے اور کنبو کے ہاتھ میں سب کی لگامیں تھیں۔

ان سب پہروں کے بعد بھی منگلا کی ڈیوٹی فل ٹائم تھی، دن میں کئی بار فون کرنا، کھانے کا بکس لے کر آنا، اپنے ہاتھ سے دھرم کی پلیٹ سجانا، شوٹنگ ختم ہوتے ہی سینڈوچز اور گرم کافی لے کر سیٹ پر حاضر۔ اگر شوٹنگ کی توسیع ہو جائے تو ساری ساری رات بیٹھنا۔

"آج کھانا زرینہ کے ہاں بریانی کھائیں گے۔" منگلا کہتی، جھٹ زرینہ گھر فون کر دیتی۔ دھرم، منگلا، رندھیر اور کنبو پہنچ جاتے۔ خوب گپیں چلتیں، رمی میں ہار جیت ہوتی۔ رات گئے تک خوب ہو حق چلتا۔ دھرم اور رندھیر سین میں الجھ جاتے یا کچھ پینے پلانے کا پروگرام بن جاتا تو منگلا زرینہ کے ساتھ چلی جاتی۔

بیٹھی اپنے کے ساتھ تاش کھیلا کرتی۔ زرینہ کسی کونے میں دبک کر سو جاتی۔

"پورنما" جب شباب پر آئی تو سوئے ہوئے سانپ نے پھر پھن اٹھایا۔ اس پہرے داری سے شاید آگ بجھی ہی نہیں بھوبل بنتی رہی۔ دھرم کی ویرانی بڑھنے لگی، بڑے معتبر کے سین ہوئے۔ بھوبل میں دبی چنگاری چٹخنے لگی، شعلے کی آنچ سے پھر بدن گرما کر سلگنے لگا۔ دماغ پگھلنے لگا، گھٹن اور پابندیوں نے تیل کا کام کیا۔ دھرم بالکل بچپن پیرو کی طرح روٹھنگ چھوکرا بن گیا۔ سیٹ سے زیادہ دفتر یا منگلا کی آغوش میں۔ آہیں سینے میں ابھرتیں، لوہے کے دروازوں سے سر پھوڑتیں۔

عجیب وحشت ہوئی جسے ختم کرنے کے لئے دھرم نے ایک دم "جھوٹے خواب" پر کام شروع کر دیا۔ پہلے بھی یہ کہانی بنانے کا کئی دفعہ ارادہ کیا مگر ترک کر دیا تھا۔ سب نے بہت سمجھایا مگر اس نے ایک نہ سنی۔ خیر "پورنما" کی رپورٹ اچھی تھی۔ بزنس اچھی ہو رہی تھی۔ اور اسے روک بھی کون سکتا تھا۔ منگلا نے بھی حمایت کی کہ شاید خود ڈائرکشن نہ کرنے کی وجہ سے اتنی وحشت ہے۔ بلا سے اس سے تو نجات ملے گی۔ بجلی کی سرعت سے فلم بننے لگی۔

"جھوٹے خواب" کی کہانی بالکل دھرم کی اپنی زندگی کی کہانی تھی۔ ایک کامیاب فلم ڈائرکٹر کی کہانی تھی جو اپنی زندگی کی یکسانیت سے اکتایا ہوا تھا۔ اسے ایک معمولی سی لڑکی مل جاتی ہے۔ وہ اسے کامیاب ہیروئن بنا دیتا ہے۔ اس کی بیوی درمیان میں آ جاتی ہے۔ اور وہ لڑکی سب کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ ڈائرکٹر ذہنی طور پر مفلوج ہو جاتا ہے۔ لوگ اسے بھول جاتے ہیں، مگر وہ کھوئے کھوئے خواب ڈھونڈنے اسٹوڈیو میں آتا ہے۔ کوئی اسے نہیں پہچانتا اور دھکے دے کر نکال دیا جاتا ہے۔ وہ چھپ کر اسٹوڈیو میں گھس جاتا ہے۔ جبکہ وہاں کوئی نہیں۔ گزری ہوئی زندگی یاد آتی ہے۔ اور وہ اوپر سے گر کر مر جاتا ہے۔ اور ایک پرانا مزدور اسے پہچانتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کا بہت عظیم ڈائرکٹر تھا۔

فلم چند مہینوں میں مکمل ہو گئی۔ سوائے دھرم کے اس میں کسی کو کچھ نظر نہ آیا اور فلم ہر جگہ بہت بری طرح ناکام ہوئی۔

ناکامی ہی دھرم کو اصل کامیابی معلوم ہوئی۔ اس کردار میں وہ ایسا ڈوبا کہ ابھر نہ سکا۔ بالکل اس بدنصیب ڈائرکٹر کی طرح مر وہ اور مفلوج ہو گیا۔ اس کے

مداح اُسے جھنجھوڑ کر یاد دلانا چاہتے تھے کہ وہ زندہ ہے مگر اس کا یقین ختم ہو چکا تھا۔ وہ ان زنجیروں کو توڑ کر زرینہ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ گو وہ اب اس کی تمنا کو بھی دفن کر چکا تھا۔

اُسے جگانے کے لئے سب ہی ٹونے ٹوٹکے کئے۔ رندھیر نے اس کی ملاقات ایک ایسی عورت سے کروائی جس کے بارے میں سُنا تھا کہ مُردوں میں جان ڈال دیتی تھی۔ کتنی لڑکیاں ہر سال فلم کے چکر میں بمبئی آتی ہیں۔ آسمان کی بلندیوں کو چھونے کے بجائے اُٹھائی گیروں کے ہتھے چڑھ کر بوکن پل کی رونق کا سامان بن جاتی ہیں۔ پدما بھی ان ہی میں سے ایک تھی۔ اب وہ فلمی طوائف کہلاتی تھی۔ نام کو فلموں میں کام کرتی تھی۔ میل جول بھی انھیں سے تھا۔ سیٹھ لوگوں کو پھانسنے کے لئے بطور ہتھکنڈے استعمال کی جاتی تھی۔ ذرا عمر آجائے گی تو اپنی "چھوٹی بہن" کو بلائے گی۔ ویسے بھی اس کے یہاں اس قدر مجمع رہتا ہے کہ وہ اپنی سہیلیوں کو اپنی مدد کے لئے بلاتی رہتی ہے۔ ہورت یا ریلیز پر جشن منانے عموماً لوگ اُسی کے ہاں جمع ہوتے ہیں۔

پدما نسوانیت کا انبار ہے، اس کے کئی عاشقوں نے اس فلم میں ڈالا مگر اس کا چہرہ کوئی کیمرہ قابلِ قبول نہیں دکھا پاتا اور اس کے دلچسپ اور بھڑکدار زاویوں پر سنسر کی قینچی چل جاتی ہے۔ دھرم دیو پدما کے فلیٹ کی دھما چوکڑی دیکھ کر جی اُٹھا اس کی ساری پھپوند کھرچ کر پھینک دی۔ وہ اس کے فلیٹ میں دین دنیا کا غم بھلائے ہفتوں پڑا رہا۔ وہسکی بے دم سی لگنے لگی تھی۔ مگر پدما کی زنبیل میں اور بھی معجزے پوشیدہ تھے، کبھی بھنگ، کبھی چرس، افیون بھی کچھ دن چلی، زندگی مسلسل چٹخارہ بن گئی۔ دھرم کو عام فلم کے لوگوں کی طرح بے خوابی کی تکلیف تھی، مگر پدما نے ثابت کردیا کہ یہ بیماری نہیں نعمت ہے سونا اور مرنا برابر۔ جاگتے وجود کا ہر لمحہ سمیٹ کر پی جاؤ، کہ یہی زندگی ہے۔ باقی موت!

منگلا جو زرینہ پر پہرا ڈال کر مطمئن تھی اس کے فرشتوں کو بھی اس وقت پدما اور اس کی سہیلیوں یعنی چرس اور بھنگ کا پتہ نہ تھا۔ وہ تو اپنی دانست میں پتی دیو کو نرک سے نکال لائی تھی۔

ڈبل بیگ میں خواب آور گولیوں کی لت بھی اُسے پدما کے حضور میں لگی۔ زرینہ سے وہ بے توجہ تھا یا بنا دیا گیا تھا۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ جنون

سے نجات مِل گئی تھی۔ بیداری پر پہرہ تھا مگر خوابوں پر روک ٹوک نہیں تھی کہ یہ خواب ہی اس کی زندگی کا ماحصل تھے۔ اگر زرینہ اس کے خوابوں سے کنارہ کشی کرتی تب ہی تو اس کی بے وفائی کا گلہ ہوتا۔ پدما کے میل جول کی خبر منگلا تک پہنچی۔ دھرم کی غیر حاضریوں سے تھک کر پھر اس نے پینا شروع کر دیا۔

"کیوں جاتے ہو اُس گندی بیسوا کے ہاں؟"

"بس وقت گزر جاتا ہے۔"

"یہاں جی نہیں لگتا، وہاں لگ جاتا ہے؟"

"نہیں وہاں بھی نہیں لگتا، ہنگامے ہیں کچھ پتہ نہیں پڑتا۔"

"آخر جی کیوں گھبراتا ہے؟"

"پتہ نہیں۔" وہ احمقوں کی طرح مسکرانے لگا۔ اُسے وہسکی میں خواب آور گولیاں استعمال کرتے دیکھ کر منگلا نے بھی نسخہ آزمایا۔ کچھ دن بڑی شاندار نیند آئی پھر ان کا اثر بھی دھیما ہونے لگا۔

"پورنما" سے اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ست نرائن پرانا چالو ست ڈائرکٹر اس مزے سے سین جمار ہا تھا کہ پروگرام میں کوئی ہلچل نہ ہو۔ حتی الامکان دونوں کا علیحدہ کام بڑی تیزی سے ختم کر دیا۔ ایک دن پدما کے ہاں شکیلہ بانو کی قوالی تھی۔ محفل پورے شباب پر تھی۔ پدما بے حیائی کا مرقع بنی اونگھتے ہوئے جذبات کو جھنجھوڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دھرم باوجود اس ہنگامے کے اُکتایا ہوا بیٹھا تھا۔ وہسکی پانی ہو چکی تھی۔ اُس نے جیب سے خواب آور گولیوں کی شیشی نکالی۔ ہاتھ ہلا اور چند گولیاں ضرورت سے زیادہ پڑ گئیں۔ دھرم نے اُنگلی سے پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ گھل گئیں۔ اونھ کیا فرق پڑتا ہے۔

اگر اس وقت کیشو نہ آ جاتا تو دھرم دیو کی کہانی اُسی دن ختم ہو جاتی۔

"زرینہ کی والدہ کا ہارٹ فیل ہو گیا،" کیشو نے کہا۔

دھرم کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ پڑا اور وہسکی قالین میں جذب ہو گئی۔

جب وہ پہنچا تو منگلا پہلے سے موجود تھی اور زرینہ کو چھاتی سے لگائے اُسے تسلی دے رہی تھی۔ دھرم نے زرینہ کے سر پر آہستہ سے ہاتھ رکھا اور بے بسی سے واپس مڑ گیا۔

دھرم کو تو بہانہ مل گیا۔

"پشاور یہ فلم بڑی منحوس ہے" مگر اسٹاف کی ساری امیدیں اسی فلم سے وابستہ تھیں۔ ست نرائن بھی بالکل بجھ گئے۔ زرینہ بھی اپنا غم بھول کر تیار ہو گئی۔ کچھ کامیڈین کا کام کچھ آؤٹ ڈور ہوا جس میں زرینہ کا کام نہیں تھا۔

خدا کی قدرت دیکھئے وہی انیل جسے دھرم نے اپنی فلم سے اس بے رحمی سے کاٹا تھا ترویدی کی فلم میں چمک گیا۔ فلم تو خاص کامیاب نہیں ہوئی، لیکن انیل کی قیمت ایک دم چوٹی کے ہیرو کے قریب پہنچ گئی۔ پھر اس کی ایک سال میں دو مدراس کی فلمیں سپر ہٹ ہو گئیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ رتی کی صف چھوڑ کر دلیپ اور دیو کی قطار کے پاس آ گیا۔ اس نے اپنی ذاتی کمپنی کھڑی کر لی اور پہلی فلم کے لئے اور کوئی لڑکی نہیں بس زرینہ ہی اُسے چاہیئے تھی۔ اس نے کیشو سے بات کی۔ وہ دھرم سے سفارش کرنے کا وعدہ کر کے ٹال گیا۔ مگر اُسے یاد آ گیا کہ زرینہ کا کانٹریکٹ ختم ہونے والا ہے نیا کانٹریکٹ ہو جانا چاہیئے۔

"ابھی کیا جلدی ہے پانچ سال کا ہے کانٹریکٹ"

"اکتوبر میں پانچ سال ہو جائیں گے"

"پانچ سال" اس نے کانٹریکٹ دراز میں ڈال دیا۔ ہاتھ کے اشارے سے کیشو کو ٹال دیا۔

"پانچ سال" ابھی کل ہی تو اس نے تیلگو فلم میں دیکھا تھا۔ سوکھی چوہیا سی بالکل بچی لگتی تھی۔ ایک دم زرینہ ہوک بن کر کلیجے کو مسوسنے لگی۔ اس کا ذہن مفلوج ہونے لگا۔ بے قراری سے وہ میک اپ روم میں ٹہلنے لگا۔ بڑی مشکل سے جی ٹھہرا۔

سیٹ پر آج سناٹا سا لگ رہا تھا۔ روز ایکسٹرا بھرے رہتے تھے۔

"یہ پھول کیسے ہیں، کیا کوئی سالگرہ کا سین ہے" دھرم نے پھولوں کی ٹوکری کو پیر سے ٹھکرا کر پوچھا۔

"جی یہ سہرا ہے" ست نرائن بولے۔

"سہرا؟"

"جی، آج حضور کی سہاگ رات ہے، میٹھی رات" سب ہنسنے لگے۔

دھرم کچھ شرما کر ہنس دیا۔ بڑے مزے کی بات تھی کہ آج وہ پہلی دفعہ فلم میں دولہا بن رہا تھا "ارے یہ گھوڑے کو پہناؤ گے یا دولہا کو" اس نے بوجھل سہرا اٹھا کر ہاتھ میں تولا۔

"بے چارے گھوڑے کے یہ کہاں نصیب" سب نے پھر قہقہہ مارا.....

بڑا معرکے کا سین تھا۔ رندھیر اسے بار بار سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دھرم کو موڈ ہی نہیں آ رہا تھا۔

وہ سیٹ پر پہنچا تو زرینہ سر میں کریم لگائے چائے کی سڑکیاں لگا رہی تھی۔ پاس انیل بیٹھا تھا۔ دھرم کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہو انیل، کہو کیسے ہو" دھرم بڑے تپاک سے ملا۔

"آپ کی دعا ہے، آج تو آپ خوب بج رہے ہیں۔ دھرم سرخ ہو گیا۔

"بھئی کمال ہے دلہن سے زیادہ تو دولہا شرما رہا ہے" انیل ہنسا

"کیا یہ شوٹ ضروری ہے ست نرائن جی، یہ سہرے کی لڑی حکلس ہے"۔

"سہرا باندھنا نہیں ہے، انٹری کے وقت اتار دیں گے۔ اودھر صوفے پر ڈال دیا جائے گا"

"اور پگڑی؟" زرینہ نے پگڑی اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی "میں پہن لوں ست نرائن جی؟" وہ ہنسی۔

"مار کھانے کا ارادہ ہے۔ کھل جائے گی، رکھ دے"

دھرم رندھیر کے پاس چائے پینے چلا گیا۔

"شوٹ تیار ہے ریہرسل اور ٹیک" ست نرائن آج فل چارج لئے ہوئے تھے۔

پھولوں کی سیج پر زرینہ شرم سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ دھرم کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ باریک شفاف کے سنہرے جال کے دوپٹہ میں اس کی حیا سے بوجھل آنکھیں اور لرزاں ہونٹ ہوش و حواس پر بجلی گرانے لگے۔ یہ ایک فلم کا شوٹ تھا یا اس کے بے رحم خوابوں کا دھندلا سا عکس۔ وہ بار بار بھول جاتا کہ وہ ایکٹنگ کر رہا ہے۔ ست نرائن کا چلاتے چلاتے حلق خشک ہو گیا۔ لائٹس اون—— لائٹس آف...

..... ری ٹیک .... کیا قیامت ہے، کوئی مشکل بات نہیں، بس دلہن کا گھونگھٹ اُٹھاکر دولہا کو کہنا ہے۔

"آنکھیں تو کھولو میری جان!" لائٹس اون ———— لائٹس آف!

"جان تو کھو" کٹ کٹ

"گھونگھٹ تو آنکھیں" کٹ۔

"جان تو گھونگھٹ ——— کٹ کٹ

"ست نرائن جی یہ ...... یہ جان بدل دیجئے" دھرم نے چڑھ کر کہا۔

"مطلب جان نکال دوں؟ ارے بھائی رندھیر کدھر اُونگھ رہے ہو یہ جان نکالو" ایک قہقہہ پڑا۔

"بھئی وزیٹر کو چلتا کرو" دھرم نے چپکے سے کیشو سے کہا۔

"اور کوئی نہیں انیل اور ان کے اینجبر سر یش ادھر بیٹھے ہیں۔ زرینہ کے کانٹریکٹ کے لئے آئے تھے۔"

"ان سے کہہ دو ہو جائے گا" کیشو لپک کر آیا "وہ ٹھیک ہے، ہو جائے گا۔"

"تھینکس" انیل نے اس کا ہاتھ بڑے خلوص سے دبایا۔

"بس اب اطمینان رکھو، ہو جائے گا" کیشو نے اُسے باہر کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو کیشو صاحب، بہت بہت شکریہ۔ ڈیٹیس کی جلدی نہیں ..... مجھے تو بس کے لئے بس پکا کرنا تھا۔"

انیل کے جاتے کے بعد ذرا اوسان درست ہوئے تو کیمرہ نخرے کرنے لگا۔ انیل سے کانٹریکٹ کے پکے وعدے سے زرینہ کا جی کھل اٹھا تھا۔ دھرم کو پلنگ کے پاس آتا دیکھ کر اُٹھنے لگی۔

"بیٹھو بیٹھو" وہ تکیہ گھسیٹ کر نیم دراز ہو گیا۔ "کیا شوٹ اُڑ رہا ہے؟"

زرینہ مسکرا کر اپنی چوٹی سے کھیلنے لگی۔

"اتنا سا ڈائیلاگ ہے، زبان پر نہیں چڑھتا؟"

"کیوں؟" زرینہ نے کچھ نہ کہنے کو پاکر کہہ دیا۔

"اس لئے کہ جو دل میں ہوتا ہے ہونٹوں پہ آتے ہوئے لرزتا ہے۔"

زرینہ نے نئی دلہنوں کی طرح چور نظروں سے دیکھا اور مسکرا کر سر جھکا لیا۔

"اے ..... ادھر دیکھو!" دھرم نے اس کی ٹھوڑی دو انگلیوں سے اوپر اٹھائی۔

زرینہ نے منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ دھرم نے ہاتھ ہٹایا تو ایک آنسو ڈھلک کر رخسار پر بہنے لگا۔ دھرم نے ایک دلدوز آہ کھینچی اور زرینہ کا ہاتھ اتنے زور سے پکڑ کر اس کی انگلیاں کڑکڑا گئیں۔

"چاند ..... چاند ....." دھرم نے اس کا چھوٹا سا سرد ہاتھ اپنے اچھلتے ہوئے دل پر رکھ لیا۔

"بیوٹی فل" ست نرائن اچھل پڑے۔ دھرم جلدی سے سنبھل گیا۔ "ارے رندھیر پیارے گولی مارو سالے ڈائیلاگ کو بھی ہم تو ہو گئے بوڑھے جو نوجوانوں کو سوجھتی ہے۔ سالی اپنی سہاگ رات تو یاد بھی نہیں رہی۔ کیوں رندھیر، یہ کیسا پوز رہے گا۔ دولہا آتا ہے۔ کچھ جان وان نہیں بولتا۔ یوں لیٹ جاتا ہے۔" انہوں نے دھرم کو لٹاتے ہوئے کہا۔

پھر لائٹس بدلی گئیں۔ وہ فی البدیہہ سین جو اس دن ہوا دیکھنے والوں پر نشہ چھا گیا۔ وہ رکے رکے سے جملے بار بار لکھے گئے۔ پھر بدلے گئے۔ ست نرائن جی کی باچھیں یہاں سے وہاں تک پھیلی ہوئی تھیں۔

دوسرے دن سین کی دھاک ساری انڈسٹری میں پھیل گئی۔ دونوں نے اپنا کلیجہ نکال کر رکھ دیا۔

صبح کے دھندلکے میں جب پیک اپ ہو رہا تھا تو دھرم نے میک اپ روم کی طرف جاتی ہوئی زرینہ کا ہاتھ چھوا۔ وہ انہیں کپڑوں میں مڑ کر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

دھرم اسے اوپر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر رات بھر کا مرجھایا ہوا سہرا اٹھا کر تھکی ماندی آنکھوں میں پیار کی شمعیں جلا کر اپنے پرائیویٹ کمرے میں داخل ہوا تو اندھیر گپ تھا۔

"چاند ..... چاند" اس نے بھرے ہوئے گلے سے پکارا۔ دیوان کے پاس کا لیمپ ایک دم جل اٹھا۔ منگلا اس کا ڈریسنگ گاؤن پہنے اسی وقت جاگی تھی۔ وہ جھجک کر پیچھے ہٹا تو کسی سخت چیز پر پیر پڑا۔ جھک کر اٹھایا تو دلہن

کی کاسٹیوم کا جھمکا چکنا چور پڑا تھا۔

اگر چینی کا برتن چٹخ جائے تو صاف بال نظر آتا ہے۔ مگر جب انسان کا وجود کچے گھڑے کی طرح بیٹھ جائے تو مادی نظروں کو کچھ فرق نظر نہیں آتا۔ دھرم کے وجود کے تین ٹکڑے ہو چکے تھے۔

ایک تو وہ دھرم دیو تھا جو فلم انڈسٹری کا کامیاب فرد تھا جس کے نام کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ اپنی چہیتی بیوی کا محبت کرنے والا شوہر، بچوں پر جان چھڑکنے والا باپ، یاروں کا یار، ماتحتوں کا غمخوار۔

دوسرا وہ دھرم تھا جو "پورنما" کے سیٹ پر پھولوں کی رانی کا دوکھا تھا۔ ایسے دہکتے ہوئے عشق و محبت کے سین فلمائے جاتے یا کم از کم ری ہرسل ہی ہوتی۔ کہ دیکھنے والوں کو پسینے آجاتے۔ کسی مہمان کو سیٹ پر آنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ سین اگر پردۂ سیمیں پر دکھا دیئے جاتے تو شعلے بھڑکنے لگتے۔

اور تیسرا دھرم دیو وہ تھا جو "پورنما" کے سیٹ پر سلگائی ہوئی آگ پدما کی باہنوں میں ڈوب کر بجھاتا تھا۔ وہ کسی گرہستن کی سیج کے لائق نہیں رہ گیا تھا۔ پدما اس کے اتھل پتھل وجود کو سمیٹ کر کلیجے سے لگا لیتی کہ اس کے تتیلیے کی عورتیں کانچ کے دھار دار ٹکڑے ہتھیلیوں میں چھپا لینے کا فن جانتی ہیں۔

اس کا دل تو رینہ کے قدموں میں تھا۔ دماغ اپنے مقدس گھر میں اور ناپاک جسم پدما کی باہنوں میں۔ اگر کبھی یہ تینوں وجود گڈمڈ ہو جاتے تو وہ کہیں دور خلاؤں

میں قلابازیاں کھانے لگتا۔

مگر یہ کرب، یہ لذّت اس کی زندگی کا ماحصل بن چکی تھیں، خود کو روندنے اور مٹانے میں اُسے ساری اُلجھنوں کا جواب مل جاتا۔ اُس نے ایک بار پھر افیون کی بھاری مقدار کھا کر موت سے رشتہ جوڑنا چاہا مگر موت نے بھی منہ پھیر لیا۔ گھر پر ہی تین چار دن علاج ہوتا رہا اور وہ پھر زندگی سے بیزار خود اپنی تلاش میں ویران پھرنے لگا۔ کوئی معقول وجہ نہیں تھی اس لئے کوئی ہنگامہ نہ ہوا۔

منگلا کچھ بے دست و پا ہو چکی تھی۔ اب پھرے داری مسخرہ پن لگنے لگی تھی۔ اس کے آنے کی خبر سیٹ پر آتے ہی کچھ کوڈ لینگوتج میں ہر شخص کو اطلاع پہنچ جاتی اور جب وہ جاتی تو سطح بالکل ہموار نظر آتی۔ دھرم یا زرینہ کا کوئی کلوز اپ یا لانگ شوٹ لگا ہوا ہوتا۔ سب نہایت اوگھی ہوئی شکلیں بنائے اس کی آمد جاگ پڑنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے آؤ بھگت کے لئے لپکتے۔ زرینہ نہایت شوخ جملے بڑے پیار سے اس کی طرف اچھالتی۔ وہ مزاح کی شکی تھی۔ مگر یہ سمجھنے لگی تھی اس کا مقابلہ ایک دو سے نہیں پورے اسٹاف سے ہے۔ کوئی بات چھیڑنا اپنا مذاق بنوانا ہے۔ کیونکہ اس کی ہر بات غلط ثابت کر دی جائے گی۔ اس نے پھر دل کا سکون ڈھونڈنے کے لئے سہارے تلاش کرلئے۔ چاہے شوٹنگ ہو یا نہ ہو زرینہ کو روزانہ اسٹوڈیو حاضری دینا پڑتی تھی۔ اس نکتے پر ہنگامہ کھڑا کرنا ہی حماقت تھی۔ انیل کو ڈیٹ دینے کے ذکر پر ہی دھرم بھڑکنے لگتا۔

"میری "پورنما" سنسر ہو جائے گی تب دیکھا جائے گا۔" وہ بڑی رکھائی سے ٹال دیتا۔

"اب تو ختم ہونے والی ہے، اور اس سیٹ پر تو میرا کام نہیں، جانی کا اور آپ کا ہے۔" زرینہ نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔

"تم کو کیسے معلوم کہاں تمہارا کام ہے اور کہاں نہیں۔" وہ غرایا۔ "اب ڈائرکشن بھی سنبھالنے کا ارادہ ہے۔" ایک دم وہ اسے سب کے سامنے ایسی بری طرح ڈانٹ دیتا تھا کہ زرینہ سکتے میں رہ جاتی۔ یہ بھی کوئی عاشقی کی ادا تھی۔ کچھ اپنایت کی دھونس تھی۔ پھر وہ اُلٹا روٹھ جاتا۔ بے طرح اُسے نظر انداز کرتا۔ دوسری لڑکیوں کو ڈرے زور شور سے ہدایات دینے لگتا۔ زرینہ لرز جاتی۔ اُس نے سُنا تھا بلکہ

آزما چکی تھی، کہ اپنی سی کرنے پر آجاتے۔ تو وہ پوری فلم کو آگ لگا دے گا۔ اور اُس کی عنایات کا مرکز بننے کے بعد اس برتاؤ سے اس کا کلیجہ کٹنے لگتا۔ وہ موقع پا کر کوئی ایسا چھوٹا سا ادھورا سا جملہ کہہ دیتی کہ وہ بچوں کی طرح ریشۂ خطمی ہو جاتا۔ گلزار کی طرح لہلہا اٹھتا، اسٹاف پر عنایات کی بارش ہونے لگتی، سارے جگ کے لیے پیار جاگ اٹھتا۔

انڈسٹری جیسے اپنے سونگھ لینے کی طاقت پر بڑا ناز ہے، اس بار دھوکہ کھا گئی۔ دھرم اور منگلا کے ظاہری ملاپ سے سب مرعوب نظر آتے تھے۔ بجائے اس کی حماقتوں پر ہنسنے کے اس کی دُور اندیشی کی داد دیتے تھے۔ فلمی بیویوں کا سہاگ تو سوئی کی نوک پر ٹکا رہتا ہے۔ وہ منگلا کی اس جیت کو اپنی ذاتی فتح سمجھتیں کہ کوئی تو ستی ساوتری نکلی جو بجائے ماتم کرنے کے یم دوت سے بھڑ گئی۔ اور اپنے پیارے پتی کو صحیح وسالم نکال لائی۔

چوٹ بھر جاتی ہے، پر نشان نہیں مٹتا۔ جیت تو ہوئی مگر چہرے پر سے وہ بے ساختہ اطمینان اور بھروسے کی چمک اُڑ گئی۔ اس میں کوئی کمی تھی جب ہی دھرم کے پیر لڑکھڑائے۔ انڈسٹری میں کوئی کسی تنالۂ عالم کا شکار بنتا ان کے زخم ہرے ہونے لگتے کہ دوسرے کے آئینے میں اپنے دکھ زیادہ صاف دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ ایسے جلے کٹے جملے کہتی کہ دھرم اور زرینہ پر شبہ پڑنے لگتی۔

ستمبر میں فلم کی زور سے ریکارڈنگ ہونے لگی۔ دیوالی پر ”پورنما“ ایک دم سارے بڑے شہروں میں ریلیز کرنے کا پروگرام تھا۔ زرینہ اسی پابندی سے آرہی تھی۔ دھرم نے ابھی کہانی کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا تھا۔ مگر یہ طے ہو چکا تھا کہ وہی پورنما کی کامیاب جوڑی ہوگی، لیکن خاص کردار بینا کماری کا تھا۔

کاپیاں تیار ہو ہو کر جا رہی تھیں۔ زرینہ دفتر میں بیٹھی اسکرپٹ پڑھا کرتی۔ انیل کو ڈیٹ دینے کی بات دھرم نے ان سُنی کر دی تھی۔

”انیل کے فلم کی مہورت ہے چلو گے نہیں؟“ منگلا نے تیار ہو کر پوچھا۔ ”وہ بیچارا خود آیا تھا بڑی منت سے کہہ گیا ہے چیف منسٹر آرہے ہیں مہورت کرنے۔“

”مجھے کاپیاں بھجوانا ہیں، پبلسٹی کا سامان بھجوانا ہے، تم جا رہی ہو۔“

”ہاں، گانے پر من دادا نے کہا مجھ کو ہی دینا ہوں گے۔“

"تم گانے دے رہی ہو؟"

"ارے بھول گئے۔ خود مجھے کیشو سے کانٹریکٹ بھجوایا۔ اور" وہ دھرم کا رنگ دیکھ کر جھینکی ہو گئی۔ ٹال کر اس نے پکارا "چلو ببلو چنٹو۔۔۔۔۔۔ یہ دیکھو ان کے لئے الگ کارڈ دے گیا ہے۔ تم بھی چلو نا خوش ہو جائے گا بیچارا۔"

"سارا کنبہ تو جا رہا ہے۔ ایک میرے نہ جانے سے کیا فرق پڑے گا۔ میری طرف سے عذر کر دینا۔"

وہ جانتی تھی دھرم ہٹ دھرمی کر رہا ہے۔ یہ سارے کام اس نے آج تک نہیں کئے۔ سب کیشو کرتا ہے۔ وہ لاڈلی کوئی ریہرسل کرنے آ رہی ہوں گی۔

مگر وہ بڑے چین سے دونوں بچوں کا ہاتھ پکڑ کر روانہ ہو گئی۔

وہاں زرینہ کو دیکھ کر اسے اتنی خوشی ہوئی کہ سچ مچ گلے لگا لیا۔

"ہاں بھائی "پورنماشی" کے چندا کو اب دیدی کے ہاں آنے کی فرصت کہاں۔" اس نے پیار سے طعنہ دیا۔

"ہائے دیدی طعنہ مارو گی تو اللہ قسم رو دوں گی۔ مٹے اسٹوڈیو سے فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"ہائے میرے سہاگ کو مٹا کہہ رہی ہے۔" اس کا جی چاہا ڈانٹے مگر اس کا جی کھل رہا تھا۔ دھرم ہی تو اصل اسٹوڈیو ہے۔

مہورت بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ انیل کی بیوی کچھ کھچی کھچی سی لگ رہی تھی۔

میرا بھوت اتر کے اب اس نگوڑی پر چڑھے گا۔ وہ دل ہی دل میں مسکرائی۔ انیل کی بیوی یاسمین نے شادی کے بعد فلم میں کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ زرینہ کے قصے سن کر لرز رہی تھی، وہ اس میدان میں نئی نہیں تھی۔ سنا تھا کہ انیل سے بہت جھگڑا ہوا زرینہ کو لینے پر، مگر وہ نہیں مانا۔

"وہ کس کی اجازت سے مہورت میں گئی" کیشو پر دھرم نے گولہ باری شروع کی۔

"پرسوں ذکر تو ہوا تھا سب کے سامنے۔"

"سب کے سامنے سے یہ مطلب نہیں کہ میں نے اجازت دے دی تھی۔"

"انیل حبیب کارڈ دے کر آئے تو آپ فون پر تھے۔ وہ دستخطوں کے لئے کانٹریکٹ دے گئے ہیں۔

"یہ کانٹریکٹ نہیں ہوگا۔"

"مگر تم نے تو کہہ دیا تھا انیل سے کہ ہو جائے گا اسی لئے تو اس نے نام دے دیا۔"

"میں نے کہا تھا ہو جائے گا۔ بس اب میں ہی کہتا ہوں نہیں ہو گا۔"

"مگر......"

"میرا دماغ نہ چاٹو۔" وہ دھڑ دھڑ فائیل پٹخنے لگا۔

بڑی شاندار مہورت ہوئی حبیب نشتر کے ساتھ زرینہ اور انیل کی تصویریں کھنچیں، تر ویدی کی باچھیں کھِل جا رہی تھیں، پہلی فلم تھی انیل مہمانوں کی خاطر میں بچھا جا رہا تھا۔ دھرم نہیں آیا، اسے کلیپر دینا تھا۔ انیل نے منگلا سے درخواست کی، بیحد جھینپتی ہوئی وہ تیار ہو گئی۔ انیل نے کانٹریکٹ کی یاد دہانی کی،

"ہو جائے گا، آپ فکر نہ کیجئے۔" امینہ نے کہا۔

"مجھے اپنی فکر نہیں، میں تو تمھاری تسلّی کے لئے کہہ رہا تھا۔ مجھے کیا فکر دھرم جی نے کہہ دیا جانو کانٹریکٹ ہو گیا۔"

جب زرینہ اسٹوڈیو پہنچی تو دھرم فرعون بے سامان بنا بیٹھا تھا۔

"مجھے کیا معلوم، امینہ آپا سے کہئے۔"

"کیا کہوں امینہ سے؟ امینہ کمپنی کی نوکر نہیں ہے۔"

"انھوں نے کہہ دیا تھا ہم لوگ ضرور آئیں گے۔" آنسو چھلکنے لگے۔

"تو وہ چلی جائیں۔"

"معاف کر دیجئے دھرم جی۔ وہ بات یہ ہوئی کہ غلطی میری تھی۔" امینہ بولی۔

"میں دو ایک ساتھ شروع کر رہا ہوں۔ میں ڈیٹ کہاں سے دے سکوں گا۔" دھرم نرمی سے بولا "تم لوگوں کو میری پریشانی کا ذرا بھی خیال نہیں۔"

دھرم کے شرکت نہ کرنے سے انیل کچھ شبہے میں پڑ گیا تھا۔ اس نے یوں ہی ٹٹولنے کے لئے دھرم کو فون کیا۔

"ہلو...... دھرم جی، میں انیل بول رہا ہوں۔"

"اوہ بھئی مجھے بڑا افسوس ہے۔ ڈیٹ کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا، دونوں فلمیں سیٹ پہ جا رہی ہیں۔ آپ کو بھی خواہ مخواہ تکلیف ہوگی۔"

"جی، میں سمجھا نہیں۔" وہ واقعی نہیں سمجھا۔

"آپ وجینتی مالا کو لے لیجئے۔ زرینہ کے پاس بالکل وقت نہیں۔"

"مگر میں تو مر جاؤں گا۔ دھرم جی میں نے تو پرنس بھی کر لی۔"

"سوری، میں نے آپ سے کہا تھا۔" دھرم لاجواب ہونے لگا۔

"آپ نے کہا تھا ہو جائے گا۔ پکی بات ہے ..... اب ....."

"سوری انیل ..... میرے پاس بالکل وقت نہیں۔" اس نے بڑی نرمی سے کہا اور فون رکھ دیا۔

انیل سناٹے میں رسیور دیکھتا رہا۔ پھر رکھ دیا۔

"مجھے معلوم تھا۔" ترویدی نے تلخی سے مسکرا کر کہا۔ "میں نے کہا بھی تھا مگر۔"

"مگر ترویدی صاحب انہوں نے مجھ سے کہا ....."

"پیارے یہ فلم لائن ہے۔ یہاں ہاں اور نہیں، کوئی معنی نہیں رکھتے۔"

"یہ خوب رہی کامیابی نصیب ہو تو ہماری آپ کی .... اور باقی رہا الزام وہ انڈسٹری کے ماتھے۔ دھرم جی بات سے پھر جائیں۔ اس میں انڈسٹری کو کیوں داغ لگے۔ خوب۔ واہ۔" اتنے میں پھر گھنٹی بجی۔

"ہلو۔" انیل نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"ذرا انیل صاحب کو بلا دیجئے۔"

"کون اعینہ آپا..... کہئے میں بول رہا ہوں۔"

"دیکھئے بات آگے نہیں جانی چاہئے۔ آپ بے فکر رہئے ..... سب ہو جائے گا۔"

"مگر میں تو پندرہ اکتوبر سے آوٹ ڈور پر جا رہا ہوں۔ جی ..... اچھا اچھا.."

"ہاں نئی لڑکی کی تلاش ہے یا اور ایسا ہی کوئی بہانہ۔" اعینہ دھیمی آواز میں بولی۔

"ہاں ہاں وہ میں سب ٹھیک کر لوں گا..... شکریہ شکریہ....." انیل کا

چہرہ جگمگا اُٹھا . . . . . " ہاں ترویدی صاحب آپ کہہ دیجئے یہ تو میں جانتا تھا۔" اس نے ترویدی کو امینہ نے جو کچھ کہا تھا بتا کر چڑا یا

" نہیں پیارے یہ تو میں بالکل نہیں جانتا تھا۔ یار یہ عورتیں بڑی نگر م باز ہوتی ہیں۔"

اپنی بات رکھنے کے لیے بے کہانی طے کیے دھرم نے سیٹ لگوانا شروع کر دیا۔ رندھیر کو مدراس سے ایک بہت بڑا آفر آیا۔ مگر دھرم نے کہا اتنا بڑا کام وہ کیسے سنبھالے گا۔ کیونکہ مینا کماری والی فلم اُسے ہی ڈائرکٹ کرنا ہوگی۔ دوسری پھر ست نرائن کو دے دی جاتے یا ترویدی۔

" ترویدی انیل کے ساتھ پارٹنر شپ میں ہے۔"

دھرم کچھ چڑھ سا گیا۔ مہورت کے موقع پر جو اس نے پبلسٹی کی تھی وہ بھی دھرم کو بہت چھچھوری معلوم ہوئی۔ اس میں منگلا کے فن پر بہت ہی شاعرانہ روشنی ڈالی گئی تھی، حالاتِ زندگی میں اُسے اس قدر مہان ہستی ظاہر کیا تھا کہ معلوم ہوتا تھا دھرم اسی کی محنت اور قربانیوں سے اتنا کامیاب پروڈیوسر بنا ہے۔ دھرم کو کبھی لوگوں کی طرح کسی کی غیبت کرنے کی نہ عادت تھی اور نہ مہلت اس کی اپنی زندگی اتنی بھرپور رہی تھی کہ کسی پر رشک کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ مگر اس وقت انیل پر چھینٹے کسنے لگا۔ چھچھورا ہے، بہت بھدکتا ہے۔

" یار جوڑ توڑ لگائی کے سہارے اوپر چڑھا ہے اس لئے۔" رندھیر نے بھی اڑیہ لگائی۔

زرینہ کا کوئی ذکر نہ تھا بس یہ کہ نئی ہیروئن کی تلاش ہے۔ رول نئی لڑکی مانگتا ہے۔

" انگور کھٹے۔"

زرینہ بیٹھی اپنے بھانجے کا سوئٹر بُن رہی تھی۔ امینہ اون کا گولہ بنا رہی تھی۔ امداد رنگے ہاتھوں ایک ایکٹر سے دلچسپی لیتا پکڑا گیا۔ اس لئے وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ اب امینہ ہی زرینہ کے ساتھ چپکی رہتی تھی۔ رندھیر سے چھیڑ چھاڑ چلتی رہتی تھی۔ زیادہ تر چاروں ساتھ ہی رہتے تھے۔

رندھیر کا ایک سیٹ ہو چکا تھا، مینا کماری مدراس گئی ہوئی تھی، اس لئے

زرینہ اور دھرم کے ہی کچھ سین ہوئے تھے۔ مینا کماری کے لئے منگلا آواز دے رہی تھی، اس لئے زرینہ کے لئے آشا کو لینا تھا۔ لتا کے نام سے دھرم کا خون کھولنے لگتا تھا۔ میاں بیوی کے جھگڑے کو اس نے سیاسی رنگ دے کر بات اتنی اُچھلوائی۔

سیٹ ختم ہوئے تین چار دن گزرے ہوں گے۔ ابھی دوسرے سیٹ کا کچھ طے نہیں ہوا تھا۔ کہانی پر ابھی بہت کام کرنا تھا۔

"یار بوریت ہوگئی۔ چلو مہابلیشور چلتے ہیں۔ وہاں ذرا ٹھیک رہے گا۔" دھرم نے اُکتا کر کہا۔

"ہاں، میں بھی اپنی گاڑی لے لوں گا، ورنہ بچے دہلی بھی نہ چل سکے....
......بھابی تو چلیں گی ہی۔"

"وہ تو مدراس گئی ہوئی ہیں۔ واسن کی فلم کے لئے ریکارڈنگ کرنے۔"

"اچھا کب؟"

"آج ہی صبح—"

"ارے یار تو پھر کیا پوچھتے ہو۔"

"امینہ—"

"اس کی طرف سے تم نسچنت رہو پیارے...." زندھیر نے آنکھ ماری

"اور ہاں تو تلیں اپنی پے چلیں گے وہاں کچرا ملتا ہے۔"

"ذرا بھیجو تو—" دھرم نے کیشو کو داخل ہوتے دیکھ کر کہا۔ ایک دم سے اس میں جان پڑ گئی۔

"نہیں ابھی تک آئی ہی نہیں۔"

"ساڑھے گیارہ بجے ہیں اور ابھی تک نہیں آئیں، فون کرو۔" بوتل نکال کر دونوں نے شغل شروع کر دیا۔

"کیا، کوئی اُٹھاتا ہی نہیں۔ ایکسچینج سے بولا مگر لائن تو ٹھیک ہے۔"

"اچھا آئیں تو کہنا آج ڈانس ریہرسل نہیں۔ اور کیشو ڈیرک سے بولو ایک کیس چاہئیے، ایک دم ولایتی، سالے نے کچھ گول مول کیا تو بڑے جوتے لگیں گے۔"

بارہ بجے معلوم ہوا نہیں آئیں۔ دھرم کچھ زیادہ ہی تیزی سے گلاس پہ گلاس خالی

کر رہا تھا۔

"میں جاؤں؟"

"ہوں ٹھہرو۔" دھرم خود فون کرنے لگا۔ کسی نے اٹھایا فون ——

"یہ کیا قصہ ہے...... ایں....."

"میم صاحب نہیں ہے۔" کوئی آیا بول رہی تھی۔

"نہیں ہیں؟ کہاں گئیں؟"

"ہم کو مالوم نہیں صاب۔"

بار بار فون کرنے کے بعد خدا خدا کر کے امینہ ملی۔

"ارے کہاں چلی گئی تھیں، میں سمجھا کوئی ایکسی ڈینٹ تو نہیں ہو گیا۔"

"نہیں، ٹھیک ہے سب۔" امینہ ہنسی۔

"یہاں ڈانس ڈائرکٹر سوکھ رہا ہے۔ انتظار میں۔ ریہرسل کے لئے نہیں آنا؟"

"ارے زرینہ نے تو صبح ہی فون کر کے پرکاش سے پوچھا۔ اُس نے کہا کوئی ریہرسل نہیں، اس لئے۔"

"اچھا چھوڑو، گئی کہاں تھیں؟"

"وہ..... اپنل..... کچھ کپڑے وغیرہ....."

"کپڑے؟"

"جی، پکچر کے کاسٹیوم کے ٹرائیل پر گئی ہیں۔"

"یہ کیا بکواس لگا رکھی ہے، بغیر اجازت کیوں گئیں؟"

"پوچھ تو لیا تھا میں نے۔" امینہ نے بات کاٹی۔

"کس سے پوچھ لیا تھا؟"

"زرینہ سے، اُس نے کہا اُس کی شوٹنگ تو اب کہیں دسمبر جنوری میں..."

آپے سے باہر ہو کر دھرم مغلظات پر اتر آیا۔ اودھر سے فون رکھ دیا گیا۔

"حرام زادیاں، کیا سمجھتی ہیں، اُلّو کی پٹھی..... ہوش بھلا دوں گا۔"

وہ لال پیلا ہو کر اٹھا۔

"اماں کیوں رنڈیوں کے منہ لگ کے اوقات گنواتے ہو..... بیٹھو..."

"نہیں،" دو تین مسلسل گالیاں دے کر دھرم ننگے پیر موٹر میں بیٹھنے لگا۔

"تم نہیں جاؤ گے؟"

"کیوں؟"

"ارے وہ ذلیل ہیں، تمہاری پوزیشن خراب ہوتی ہے۔ ہٹو، میں جاتا ہوں۔"

رندھیر اُسے سمجھا بجھا کر خود روانہ ہو گیا۔ دھرم ونبل پر غصّہ اُتارنے لگا۔ وہ اُس کی پتنی تو نہ تھی اور نہ محبوبہ تھی جو اس کے نخرے سہتی، ہلپٹ کر اسی کو ڈسنے لگی بےقرار ہو کر وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ یہ سب اسی کمینی کتیا امینہ نے اسے ورغلایا ہے۔ اس میں اتنا دم نہیں...... وہ تو خود اتنی سیدھی ہے۔ اتنی معصوم۔ یہ جونکیں اس کی جان کو لگی ہیں، ماں غریب ٹھیک تھی، یہ تو بلائیں ہیں۔ رندھیر کو گئے ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا۔

جی نہ مانا فون کیا رندھیر نے ہی اٹھایا۔

"ارے بھئی کیا کر رہے ہو آتے کیوں نہیں؟"

"آرہا ہوں" رندھیر کی آواز مری ہوئی سی ہو رہی تھی۔

"تو آؤ نا، دن ہی دن میں روانہ ہو جائیں گے، پھر رات ہو گئی تو گھاٹ چڑھنے میں مصیبت ہو گی۔ اور ہاں زرینہ سے کہنا چوڑی دار ساتھ لے چلے چلنے پھرنے میں مزہ رہے گا —— جلدی آؤ۔"

"اچھا" رندھیر بجھی ہوئی آواز میں بولا۔

دو گھنٹے بعد رندھیر آیا تو معلوم ہوتا تھا کسی نے عرق نچوڑ لیا ہے۔

"اتنی دیر لگا دی جا کر بیٹھ ہی رہے۔" وہ دروازے کی طرف زرینہ کو ڈھونڈنے لگا "کہاں ہے، سامان وغیرہ" وہ بے تابی سے بولا

"بتاتا ہوں" رندھیر ماتھے کا پسینہ پونچھتا بیٹھ گیا۔

"نہیں آئی" دھرم کا چہرہ سُرخ انگارہ ہو گیا۔

رندھیر نے صرف موٹی سی گالی دی۔ "اماں کچھ بسنت کی بھی خبر ہے؟"

"کیا بک رہے ہو؟"

"کیشو...... اے کیشو......" کیشو آنکھیں جھکائے اندر آیا۔ باہر انتظار میں کھڑا تھا۔

"اُہنوں" دھرم چڑھ گیا۔ "ہم پوچھتے ہیں ساتھ کیوں نہیں لیتے آتے۔"

"اماں یار بات تو کرنے دو" رندھیر نے چڑھ کر کہا "پانچ اکتوبر کا کانٹریکٹ ختم ہو گیا۔"

"ہاں۔ اور۔"

"نیا کانٹریکٹ سائین نہیں ہوا؟"

"کہاں سائین ہوا، دو مہینہ سے کہہ رہا ہوں، میری کوئی سنتا ہے۔" ہو جائے گا۔ کیا جلدی ہے۔ "اب پتہ چلا وہ بھی ٹال رہی تھی۔"

"کیا بتاؤں دھرم عورت ذات پہ ہاتھ نہیں اٹھا" حالانکہ وہ دلّو کو اکثر چار چوٹ کی مار دیا کرتا تھا "بس جی چاہتا تھا منہ توڑ دوں سالی کا۔"

"زرینہ!" دھرم ہانپا۔

"وہ تو نکلی ہی نہیں۔" امینہ نے کہا نیا کانٹریکٹ ہوگا تب۔"

"نیا کانٹریکٹ..... میں کانٹریکٹ نہیں کروں گا۔" دھرم نے لات مار کر ٹیبل دور پھینکی۔

"تو یہ پکچر....؟"

"گولی مار و سالی پکچر کو..... شیلف کر دو۔ ہاں، شیلف۔ ہاں۔" وہ کھڑا ہو کر جھومنے لگا۔

"نہیں، ہم کوئی دوسری لڑکی......" رندھیر بولا۔

"نہیں.... کوئی دوسری تیسری نہیں۔ بس۔" اس نے گلاس زور سے دیوار پر مارا۔

"اور رینا ہی کا کانٹریکٹ، رحمان.... ہیلن..... سب ہی کے کانٹریکٹ ہو گئے ہیں۔ کئی دفعہ کہا ٹال گئی۔

"اپنی کمپنی ہے کانٹریکٹ کی کیا ضرورت ہے۔" دھرم جی کا حکم..... ہنہ حکم کی بچی۔"

"نہیں کرنا ہے اس کے ساتھ کام سور کے بچے۔" وہ کیشو پر برس پڑا اس نے فائیل کے پرزے کر ڈالے اور میز پر سر رکھ کر ہچکیوں سے رونے لگا۔ نشہ میں آنسو بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اور جس بات کی دھن سوار ہو جائے بس سوار رہتی ہے۔

"نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔" وہ رات دھرم پر قیامت کی گزری۔ محبت اور نفرت

میں بال برابر کا بھی فاصلہ نہیں ۔ کہاں محبت ختم ہو کر نفرت شروع ہو جاتی ہے کچھ پتہ نہیں چلتا محبت کی چوٹ جتنی گہری ہوتی ہے ۔ اتنی ہی شدت نفرت میں ہوتی ہے ۔ کہ نفرت کرنے والا بھسم ہو جاتا ہے ۔ نہ الفت پر کسی کا زور نہ نفرت پر ۔

رندھیر نے اُسے ایک پل کو تنہا نہ چھوڑا ، آج یہ پی پی کر دم توڑ دے گا ۔ ساری رات ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہا ، سسکتا رہا ۔ پل بھر کو آنکھ تو لگ جاتی مگر آہیں نہ رکتیں ۔ ذرا ہوش آتا اور پھر وہ اس ہوش کو شراب میں ڈبونے لگتا ۔

"تم جھوٹے ہو ، مجھے ستانے کو جھوٹ بول رہے ہو ۔ تمہاری نیت اس کی طرف سے خراب ہے ۔ تم ہمیشہ مجھ سے جلتے رہے ۔ اُسے میرے خلاف بھڑکاتے رہے ہے"

رندھیر نے اپنی دونوں بیویوں کی اولاد کی قسمیں کھا کر اپنی بے گناہی کا ثبوت دیا ۔ "میں نے اُسے بُری نظر سے دیکھا ہو تو بی اماں پر بھی بد نگاہ ڈالی ہو" اس کی ماں کو مرے ہوئے چودہ سال ہو گئے تھے ۔ "اپنی بہن کے ساتھ بد فعلی کی ہو" اس کی آپا کا سر سفید ہو چکا تھا مگر اس پر بھی شراب چڑھی بیٹھی تھی ۔

"امینہ نے اُسے کمرے میں قید کر دیا ہے" وہ زرینہ کو بے قصور ثابت کرنا چاہتا تھا ۔ اس طرح اس کی کچلی ہوئی انا کو تقویت پہنچتی تھی ۔ زرینہ لاچار ہے مجبور ہے ۔ ظالم دنیا اس کے ٹینٹوے پر سوار ہے ۔ وہ بے بس ہے بے وفا نہیں ۔ اُس نے ٹھکرایا نہیں ۔

جب منگلا نے یہ روداد سُنی ، اپنے ریزہ ریزہ پتی دیو کو پیار بھری باہوں میں سمیٹنے نہیں آئی ۔ اس کی ساری ذلتوں کا بدلہ مل گیا ۔ اب دھرم دیو محفوظ ہو گیا خطرہ آپ ہی اُسے ٹھکرا کر چلا گیا ۔ چوری کا کھٹکا ختم ، جیتا رہے سکون دل و دماغ کو لوٹنے والا ۔ سب ہی اس پر ہنس رہے تھے ۔ جو کل تک اس پر رشک کر رہے تھے آج بغلیں بجا رہے تھے ۔ ایک بیوی بچے والے عاشق کا دل ٹوٹا خوب ہوا ۔

منگلا کی نگاہوں کے طعنے جھیلنے کی اس میں سکت نہ تھی ۔ وہ پدما کی باہوں میں جا چھپا ۔ پدما جو اس بھنور سے دور غیر جانبدار کھڑی تھی ۔ اسے نہ منگلا سے ہمدردی تھی نہ زرینہ سے کوئی گلہ ۔ اس کا کام تھا گرتوں کو سنبھالنا ، ٹوٹے ہوئے ذروں

کو جوڑنا، مگر دھرم کے ذرات جوڑے جانے کی حدوں کو پار کر کے خاروار کرچیاں بن گئے تھے۔

جیسے کسی مال دار رنڈوے کو پیغام آنے لگتے ہیں۔ اسی طرح فلم اسٹار بننے کی امیدوار پریاں اس پر ٹوٹ پڑیں۔ زرینہ کے عیب اور اس کے گنوں کی تفصیل سن سن کر اس کے کان بہرے ہو گئے۔ اس کے کانوں نے ترویدی کے بھونڈے ڈائریکشن اور انیل کے سیٹ پر زرینہ کی پھسپھسی اداکاری کے چرچے بھی سنے۔ نہ جانے کیا سمائی، کون سی آس بندھی کہ سیدھا ساؤنڈ اسٹوڈیو پہنچ گیا۔

اسے یقین تھا کہ جب وہ اسے ہاتھ لگائے تو اس کا بدن جھنجھنا اٹھے گا اور وہ خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ کر اس کی آغوش میں ٹپک جائے گی۔ تب وہ سینہ تان کر ان چھچھورے لونڈوں پر ایک قہقہہ لگائے گا اور اپنے چاند کو سب کے سامنے سمیٹ کر لے آئے گا۔

مگر جب اس نے زرینہ کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ یوں اجنبیوں جیسی ڈھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے لگی جیسے پوچھتی ہو "کون ہیں جی آپ؟"

"چاندنی، چلو ...." اس نے پیار کا نام لے کر ماضی کو جگانا چاہا۔

"شوٹنگ کر رہی ہوں۔" اس نے رکھائی سے کندھا جھٹک دیا اور مڑ کر میک اپ درست کرنے لگی۔

"چاند ...." دھرم نے سسکی بھری۔

زرینہ ادھر ادھر دیکھنے لگی کہ کسی نے یہ احمقانہ خطاب سنا تو نہیں سب دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔

"چلو، میں تمھیں لینے آیا ہوں۔"

زرینہ نے نہیں سنا۔ آئینہ میک اپ مین کو پکڑا دیا اور مقررہ جگہ چاک کے نشان پر کھڑی ہو گئی۔

"ریڈی ——" اس نے موتیوں کی لڑی بکھیر دی۔ انیل بڑی فضیلت سے مسکرایا۔

"آل لائٹس!" ترویدی نے آواز دی جیسے دھرم کسی کو نظر نہ آ رہا ہو۔ دھرم کے دماغ میں ایک دم شعلہ سا لپکا اس نے زرینہ کا ہاتھ مروڑ

کر گھسیٹا۔

"آہ!" زرینہ دوہری ہو گئی۔

اور پھر طوفان پھٹ پڑا۔ انیل نے پیچھے سے دھرم کی گردن میں کہنی اڑا کر پیٹھ میں گھٹنا مارا۔ وہ اوندھے منہ گرا مگر پھر تڑپ کر اٹھا۔ ہزاروں ہاتھوں نے اسے دبوچ لیا۔ ننھے سے بچے کی طرح ہاتھ پاؤں چلاتا وہ دروازے کے باہر لے جایا گیا۔ وہ پھر ہاتھوں کی گرفت سے نکل کر اچھلا مگر ہاتھوں کی تعداد چوگنی ہو گئی۔ اسے ایک دفتر میں بند کر کے لوگ جگہ جگہ فون کرتے دوڑے۔

دھرم نے دفتر کا سارا سامان چور چور کر ڈالا۔ رندھیر اور کیشو ڈاکٹر کو لئے آئے۔ کیونکہ انھیں اطلاع ملی کہ طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر نے پکڑ دھکڑ کر اسے انجکشن دیا اور وہ بے بس ہو گیا۔

جب اسے موٹر میں ڈال کر لے جا رہے تھے تو زرینہ چاک کے نشان پر کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے نا ترویدی جی؟"

جب انجکشن کا اثر دور ہوکر دھرم کو ہوش آیا تو اس نے آخری بار خودکشی کی ناکام کوشش کی۔ سب چوکنے تھے۔ اس لئے کوشش خاک میں مل گئی۔ اس کے چند عزیز دوست ہمزاد کی طرح دن رات اس کے ساتھ لگے رہتے۔ منگلا نے نہایت بے حسی سے اس کی تیمارداری کی۔

"کیا سب دکھاوا کانٹریکٹ کی وجہ سے تھا" اسے کسی طرح یقین نہ آتا۔ کاش اس جنم میں وہ صرف ایک بار اُسے مل جائے۔

"چاندنی!" وہ اس کی ٹھوڑی اُٹھا کر پوچھے گا اور اس کی آنکھوں میں اپنا جواب پالے گا پھر عمر بھر وہ اس سے ملنے کی تمنا نہیں کرے گا۔ وہ اس جواب کو اپنی زندگی کا سرمایہ بنالے گا۔

اُسے معلوم بھی نہ تھا منگلا تیسری بار ماں بننے والی تھی۔ ایک دم نئی جان کے تصور سے اس کے مردہ جسم میں جان آگئی۔ وہ خلا سے واپس لوٹ کر دنیا میں پہنچ گیا۔ اس بار حمل بڑا تکلیف دہ تھا۔ اور پھر سے میاں بیوی کے درمیان جو اجنبیت حائل ہوگئی تھی۔ بڑی دم گھوٹنے والی تھی۔

بددل اور بیمار منگلا سے پھر آنکھیں چار کرنا قیامت خیز تھا۔ مگر دھرم بلا کا ضدی تھا اس نے ایک دم شراب چھوڑ دی۔ معافیاں مانگنے کا وقت گزر چکا تھا۔

بینا کماری مدراس سے واپس آئی تو سیٹ تیار تھا۔ جب ڈرامائی سین شروع ہوئے تو دھرم کے اُجاڑ دل میں پھر فن کار جاگ اٹھا۔ فلم اور منگلا کے سوا وہ سب کچھ بھول کر ایک بار پھر پرانا دھرم دیو بن گیا۔ اس کے جاننے والے کچے گھڑے کی طرح اس کی حفاظت کرتے۔ زرینہ کی تمام تصویریں اُتار کر چھپادیں۔ اس کا نام لینا بھی جرم بن گیا۔

رندھیر کو اپنے پہلے ڈائرکشن کی بڑی فکر لگی ہوئی تھی۔ نئی لڑکی کی تلاش جاری تھی۔ تاکہ زرینہ کی جگہ سائن کرلیا جائے۔ اس نے دھرم کو دو چار تصویریں دکھا کر رائے لی۔

"کس رول کے لئے؟"

"دیتی کے لئے۔"

"مگر وہ تو زرینہ کرے گی۔" دھرم نے بڑی سادگی سے کہا مگر رندھیر کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ اسے احمقوں کی طرح تکنے لگا۔ اس کے چہرے پہ کوئی وحشت کے آثار نہ تھے۔

"یار لفڑا ہے۔۔۔۔ میرے خیال میں تو۔"

"اتنی شوٹنگ ہوچکی ہے۔ میرے خیال میں تو اب زیادہ کام نہیں۔ بیناجی کے نئے سین رکھے گئے تو پھر ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"مگر۔" اسے اتنی سمجھداری کی باتیں کرتے دیکھ کر رندھیر کے اوسان خطا ہوئے جارہے تھے۔

"اوہ۔" دھرم بڑی صحت مند ہنسی ہنسا۔ "اچھا رندھیر بتاؤ تو کیا میں تمہیں سچ مچ پاگل لگتا ہوں۔"

"یار پاگلوں کے اور کیا سینگ ہوتے ہیں۔"

ہیں، بس اس دن سے راتوں کی نیند حرام ہوگئی ہے۔ ڈر کے مارے رات کو اپنے گھر میں بھی نہیں سوتے۔"

ڈر کس بات کا۔"

"رندھیر جی یہ فلم انڈسٹری ہے یہاں کیا نہیں ہوتا؟ اس دن جو حرکت انہوں نے کی۔۔۔۔"

"وہ تو خیر نشے میں تھے تم تو ہوش میں تھیں، تم نے جو کمینہ پن کیا۔ جب تک کانٹریکٹ تھا بندھی مار کھاتی رہیں۔ اور جیسے ہی موقع ملا پیر پھیلانے لگیں۔ دھرم جی کے احسانوں کا یہی بدلہ ہے؟"

"احسان؟"

"اور نہیں تو کیا، وہ نہ لاتے تو انڈسٹری میں نہ دھنسنے بھی نہ پاتیں۔"

"اچھا ہی ہوتا، مگر دھرم جی کے احسانوں کا بدلہ شاید اس جنم میں تو اتر نہیں سکتا۔ مگر کبھی آپ نے یہ سوچا ہے کہ زرینہ نے پانچ سال بے چون و چرا بندھی تنخواہ پر کام کیا ہے۔ لوگوں نے بہت شہ دی مگر ہم نے کہا نہیں، ہم نا شکرے نہیں جو کانٹریکٹ ہے وہ نبھائیں گے۔ پھر بھی جو کام اسے باہر ملا اس میں آدھا کمپنی کا۔ کمپنی نے زرینہ سے کتنا روپیہ کمایا اور پھر بھی احسان سر پر سوار رہا۔ انیل کی پکچر کے لئے پہلے ہاں کہہ دیا پھر صاف مکر گئے۔" امینہ کی آواز بھر آگئی رندھیر قائل ہو کر بغلیں جھانکنے لگا۔

"وہ بے زبان ہے۔ ناتجربہ کار تھی۔ آپ لوگ اس کے سر پر چڑھ بیٹھے، قسم سے کہئے رندھیر جی، کیا اس نے ہیروئن بننے کی پوری قیمت ادا نہیں کی، ابھی کچھ اور باقی ہے۔" امینہ دھاروں دھار رونے لگی۔

"بھئی محبت میں انسان اندھا ہو جاتا ہے۔"

"یار بہت پی رہا تھا۔ ان دنوں، اس نے بدتمیزی کی بس نہ جانے کیا ہو گیا۔"

"ڈر لگتا ہے یار۔"

"میں وہی ڈر تو نکالنا چاہتا ہوں۔"

"اور جو وہ انکار کردے تو؟"

"آدھے سے زیادہ کام کر کے انکار نہیں کر سکتی۔ میری پکچر پوری کرنا ہی پڑے گی۔ ورنہ وہ کہیں کام نہ کر سکے گی۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔۔۔۔ مگر بھابی سے تو پوچھنا چاہئے۔"

"نہیں میں اس سے اجازت نہیں لوں گا۔ نہ کوئی وعدے وعید کروں گا۔ رندھیر بڑی باریک سی بات ہے شاید سمجھا نہ سکوں، مجھے اپنے اطمینان کے لئے۔۔ ۔۔۔۔ اس سٹیٹ سے گزرنا ہوگا۔ ورنہ میں دنیا میں کبھی کچھ نہ کر سکوں گا۔"

"میں سمجھتا ہوں دوست، خدا تمھیں نظرِ بد سے بچائے اور۔۔۔!" اس کا جی بھر آیا۔

پھر بھی رندھیر نے منگلا سے رائے لینا ضروری سمجھا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میں نے بہت کہا کیوں بات کو پھر سے اٹھایا جائے۔"

"اب وہ بات نہ ہوگی۔" منگلا پژمردگی سے مسکرائی "میں اس چوکیداری سے اوب گئی ہوں۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کہاں تک ان کے پیروں کی بیڑی بنی رہوں دل پتھر ہوگیا ہے۔ کسی بات کی پرواہ نہیں ہوتی۔"

اس کے بعد رندھیر امینہ کے پاس گیا، وہ چپ ہوگئی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"یہی سوچ رہی ہوں کہ کیا سوچوں؟ اماں تھیں تو اور بات تھی۔ ہم دو بہنیں محبت ہے منگلا سے، زرینہ سے یا پدما سے؟"

رندھیر لاجواب ہوگیا۔

"صاف کیوں نہیں کہتے تو اب ہیں طبیعت کے پوری حرم سجانا چاہتے ہیں۔ گھر میں ستی ساوتری، اندھیرے اجالے کوئی بے کس لاچار، ہوس کے لئے رنڈی کا کوٹھا۔"

"تم تو وکیلوں کے بھی کان کترتی ہو۔ کانٹریکٹ تھا تو بھونک سر کی ہوئی تھی۔"

"بندھا مار کھاتا ہے، آزاد ہو کر کسی کو بیڑیاں ڈالنے کا شوق نہیں ہوتا۔"

"ایسی عزت پیاری تھی تو فلم لائن میں کیوں آئی تھیں گھر میں بیٹھی ہوتیں۔

رندھیر جل گیا۔"

"آپ کو معلوم نہیں کہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ کیوں کرتا ہے۔ ابا کے انتقال کے بعد ہم لاوارث رہ گئے۔ اماں نے ہم تین کی تو جلدی جلدی شادیاں کردیں۔ یہ سب سے چھوٹی رہ گئی۔ ابا نے بڑے چاؤ سے اسے ناچ سکھوایا تھا۔ پانچ برس کی عمر سے اسے اسٹیج پر چانس ملنے لگے۔ ابا کے بعد اس کی کمائی پر ہم دال روٹی چلاتے رہے۔ تیلگو فلم میں کام ملا تو ذرا اور سہارا ہوا۔ جب دھرم جی نے آفر دیا تو ہم اسے خوش قسمتی سمجھے کہ اس کمپنی میں کوئی فکر کی بات نہیں۔ سب

ہی شریف لوگ ہیں۔ مگر آپ تو جانتے ہیں جیسی شرافت کا ثبوت دیا ہے وہ۔۔۔"
غصّہ سے اس کی آواز گھٹ گئی۔ "خیر جو نصیب میں تھا وہ تو بھگتا اب یہ بتائیے
کیا ایسی کوئی صورت نہیں نکل سکتی کہ بغیر زرینہ کے کام چل جائے، کچھ کاٹ چھانٹ
کر کے۔"

"بھئی واہ کیا کہنے ہیں وہ دن بھول گئیں جب رول بڑھانے کے لئے مسکا
لگایا جاتا تھا، آج رول کاٹنے کا مطالبہ ہے۔"

"وقت وقت کی بات ہے۔" امینہ ہنسی۔

بڑی جھک جھک کے بعد طے ہوا کہ رول کاٹنے کی کوشش کی جائے گی، امینہ بہن
کی پہرے داری کرے گی سیٹ پر جائے گی۔ کام کر کے لوٹ آئے گی۔

"مگر ایک شرط ہے۔" رندھیر نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"زرینہ کو دھرم جی سے معافی مانگنی پڑے گی۔" یہ شرط رندھیر نے لگائی۔

"خوب، اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔" امینہ تلخی سے ہنسی۔

"امینہ۔"

"فرمائیے؟"

"کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتی ہو کہ سارا قصور دھرم جی کا ہے؟"

"مگر دھرم جی معصوم تو نہ تھے۔"

"اور تمہاری بہن معصوم تھی، کیوں اُلّو بنانے کی کوشش کرتی ہو۔"

"اوہ" امینہ بے چین ہوگئی۔ رندھیر کو اپنی جیت پر بڑی مسرت ہوئی۔"
رندھیر جی۔۔۔۔۔ جب یہ ناچ سیکھا کرتی تھی اور کوئی نو دس برس کی تھی تب وہ
ملعون ماسٹر کانی ادھیڑ عمر کا اس کی نادانی سے ناجائز فائدہ اٹھاتا تھا۔ یہ نگوڑی
اُسے بھی کلا کا ایک حصّہ سمجھتی تھی۔ اُف سوچتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔
رندھیر جی یہ سوکھی ہوئی چوہیا، جب تھکی ہاری بسورتی ہوئی لوٹتی تھی تو اُلٹی اسے
ڈانٹ پڑتی تھی، وہ تو ایک ذرا سمجھدار لڑکی نے مل مچا دیا اور ساری لڑکیاں چُپ
چاپ گھر بیٹھ رہیں۔ ایسی بات منہ سے نکال کر خود ننگو بن جاتے۔ یہ ہمیشہ کی ایسی
ہی سہمی ہوئی گم سُم سی ہے۔ اُس نے ایکٹنگ کا ایک حصّہ سمجھ کر ہی کبھی کسی سے

ذکر نہیں کیا۔ وہ تو جب ساری انڈسٹری میں بات پھیلی تب راز کھلا۔" امینہ کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ رندھیر کا سر جھنا گیا۔ وہ آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھا رہا۔

"امینہ۔۔۔۔ تم چاہو تو صاف انکار کر سکتی ہو۔ مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی۔"

"شکریہ رندھیر جی جو ہونا تھا وہ ہو گیا اور اب وہ مٹ نہیں سکتا۔ اب تھوڑے سے کام کے لئے بگاڑ کرنے سے کیا فائدہ۔ بس اتنا خیال رہے کہ بات بد سے بدتر صورت نہ اختیار کرنے پائے، کام جلدی نمٹ جائے اور پاپ کٹے۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔" رندھیر اٹھنے لگا۔ "ایک بات پوچھوں امینہ"

"پوچھئے۔" امینہ نے ذرا تکلف سے کہا۔

"کیا زرینہ کی طرف سے بس ایکٹنگ ہی تھی یا۔۔۔۔ کچھ اور بھی تھا۔"

"ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی، وہ میری سگی بہن ہے مگر بخدا مجھے اس کے دل کا حال معلوم نہیں۔ وہ ایک معمہ ہے جو میری موٹی عقل حل نہیں کر پاتی۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے بس کوئی رول ادا کرتی ہے۔ جب وہ چھوٹی سی تھی اور کوئی ضد کر بیٹھتی تھی تو نہ روتی تھی نہ مچلتی تھی مگر ہم سب کو اس کے سامنے ہار مان لینا پڑتی تھی کھانے پہ روٹھ جاتی۔ اماں زبردستی اس کے منہ میں نوالہ دیتیں، وہ بیٹھی منہ چلاتی رہتی، لاکھ دھمکانے پر بھی نہ نگلتی۔ تب ہم سمجھتے تھے اس کے سر پہ کسی جن کا سایہ ہے۔"

امینہ اسے دروازے تک چھوڑنے آئی۔

سیٹ پر بڑا شاندار ملاپ ہوا۔ زرینہ نے سر پر پلّو رکھ کر دھرم کے پیر چھوئے، انہوں نے بڑی شفقت سے سر پہ ہاتھ رکھ کر معاف کیا۔ ہفتہ زرینہ اور دھرم کے سیٹ سے ملاقاتی بھگائے جاتے تھے۔ جرنلسٹ دھتکار دیئے جاتے تھے۔ آج ہر خاص و عام کو اجازت تھی۔ کیمرے آنکھیں مار رہے تھے۔ بینا کماری کی شوٹنگ نہیں تھی مگر فضا کو خوش گوار بنانے کے لئے موجود تھی۔

رندھیر دونوں کو ایکشن بتا رہا تھا۔ اور دھرم بڑی بے تکلفی سے زرینہ سے ادھر ادھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہا تھا۔ منگلا کو پورے دن تھے مگر وہ بھی بیچ لے کر آئی مسکرا مسکرا کر سب کو تلی ہوئی مچھلی اور رائتہ کھلایا۔ دھرم زیادہ تر بینا سے باتیں کر رہا تھا۔ مگر زرینہ کو قطعی نظر انداز نہیں کر رہا تھا۔ زرینہ کا کام بہت جلدی

ختم ہو گیا۔ چند شوٹ رہ گئے وہ کبھی بھی لے لئے جائیں گے۔

دھرم امتحان میں پورا اترا، جب زرینہ اور انیل کی آؤٹ ڈور شوٹنگ کے انڈسٹری میں چرچے ہوئے تو بھی وہ قطعی متاثر نہ ہوا۔ بڑے کھلے دل سے ان کے فلمی رومان اور انیل کی بیوی کی واویلا۔ واویلا پر چٹکلے چھوڑتا بلکہ کچھ زیادہ ہی دلچسپی لیتا کہ اکثر لوگوں کے چہروں پر ہنسی میکانکی ہو جاتی۔

منگلا نے بیٹی کو جنم دیا تو وہ خوشی سے ناچ اٹھا، پورے اسٹاف کو تین مہینے کا بونس دیا۔ بیٹی پر وہ بے طرح عاشق ہو گیا۔ اس نے جوہو پر جو نیا بنگلہ خریدا اس میں ہی ایک حصہ دفتر کے لئے سجا دیا گیا۔ اب وہ زیادہ تر گھر پر ہی کام کرتا۔ صبح اٹھ کر پھلوں کا رس پیتا پھر یوگا کے آسنوں کی مشق کرتا یا بیڈمنٹن اور ٹینس کی پریکٹس کرتا جس کے لئے باقاعدہ ایک کھلاڑی نوکر رکھا گیا۔ صحت اچھی رہے تو دماغ بھی چوکس رہتا ہے۔ رندھیر کی فلم "کلپنا" بہت ٹھنڈی گئی مگر کلاسک مانی گئی۔ زرینہ کی بے وجہ غیر حاضری بے طرح کھٹکتی تھی۔ مدراس کا معاملہ ڈائرکشن کے لئے نہیں پٹا۔ وہ منظر نامہ اور مکالمے لکھ رہا تھا۔ دھرم ہی ان فلموں کا ہیرو تھا۔ اس نے مدراس کا کام اسی شرط پر لیا تھا کہ رندھیر لکھے گا ساتھ میں وہ اپنی بھی تیاری کر رہا تھا۔ وہ جہاں جاتا لوگ کہانیاں لے کر ٹوٹ پڑتے دھڑا دھڑ کہانیاں خریدی جانے لگیں۔

بات پر اڑ جانے کی عادت تو بہت پرانی تھی۔ اور یہی شاید اس کی کامیابی کا راز تھا کہ وہ ایک بات طے کر لیتا، پھر خواہ کتنی بھی ناممکن کیوں نہ ہو وہ اسے عملی جامہ پہنا کر دم لیتا۔ اب وہ اس بات پر اڑ گیا کہ کوئی بات طے نہیں کرے گا۔ اتنی بے ڈھنگی غلطیاں کرنے کے بعد اسے اپنے فیصلے پر بھروسہ نہیں رہ گیا تھا۔ روز نئی کہانیاں پاس ہوتیں اور رد کر دی جاتیں۔ اکثر تو معاہدہ ہو جاتا پھر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا اور پورا معاوضہ دینا پڑتا۔ ہر نیا چرب زبان کہانی کار منتخب کی ہوئی کہانی کی دھجیاں اڑاتا۔ اپنی کہانی کے جھنڈے گاڑتا اور ایڈوانس لے کر کام شروع کر دیتا۔ پھر تو لوگوں نے اس کے سر وہ کہانیاں بھی منڈھ دیں جو پہلے کہیں بیچ چکے تھے۔ یا بن رہی تھیں۔ کیونکہ یہ تو معلوم تھا دو چار روز بعد رد کر دی جائے گی۔ ایڈوانس ہی ہاتھ آئے گا۔

رات گئے تک دھرم کے کمرے میں لوگ جمع رہتے تھے دوسرے لولیتا چھوٹی تھی۔ اسی لئے منگلا کا بیڈ روم بچوں کی نرسری سے ملا ہوا بالائی منزل پر تھا۔ کبھی وہ دھرم کے کمرے کا چکر لگا جاتی کہ شاید کسی کو کچھ ضرورت ہو، کبھی دوستوں سے جلدی چھٹکارا مل جاتا یا سب کے سب کسی مفت کی پارٹی میں چلے جاتے اور وہ اکیلا رہ جاتا۔ کیونکہ وہ پینے پلانے کی محفلوں سے دور رہنا چاہتا تھا تو وہ منگلا کے کمرے میں چلا جاتا، اگر وہ سوتی ہوئی کو جگانا نامناسب سمجھ کر لوٹ آتا۔ یا وہ ہی کچھ موڈ میں نہ ہوتی اور ٹال دیتی۔ وہ فرماں بردار شوہر کی طرح ٹل جاتا۔

اجنبیت بڑھتی گئی ضرورت گھٹتی گئی۔

عورت سو کنوئیں کا پانی پی کے پھر سے ستونتی بننا چاہے تو نہیں بن سکتی۔ مگر مرد کا کچھ نہیں بگڑتا۔ وہ تو دیوتا ہے۔ بیوی پھر اس کی پوجا پاٹ شروع کر دیتی ہے۔ شاید پوجا کرنے لگتی ہو۔ مگر ویسی والہانہ محبت کی موت ہو جاتی ہے۔

مگر چونکہ وہ محکوم ہوتی ہے، شوہر اسے روٹی کپڑا دیتا ہے، اس لئے پتی ورتا بن جاتی ہے۔ عجیب خصلت ہے عورت کی۔ جب اس کا پتی اسے چھوڑ کر دوسری کا ہو رہتا ہے۔ پتہ نہیں پیروہ اس کی چاہ میں کرتی ہے یا اس کا سرور بھنگ کرنے کے لئے ادودھم جوتتی ہے۔

اتنا ضرور ہوتا ہے کہ وہ دل سے اسے کبھی معاف نہیں کرتی۔ اگر وہ دوسری عورت کو چھوڑ کر واپس آجائے تو وہ اسے اس کا فرض سمجھتی ہے اور اگر عورت ٹھکرا دے تو پھر وہ اُسے قطعی ناکارہ اور فضول انسان سمجھنے لگتی ہے۔ اس کی ناک چوٹی تو کاٹ نہیں سکتی کہ مردان جھمیلوں سے آزاد ہوتا ہے، بس اس کی وقت بے وقت کرکری کرنے پر تُلی رہتی ہے۔

منگلا بھی ہنسی ہنسی میں اسے چھوٹے چھوٹے نشتر چبھایا کرتی۔ جان بوجھ کر انیل کی شکل و صورت اور ذہانت کی تعریفیں کرتی۔ اس کی کم عمری پر جھگڑنے لگتی۔ اسے زرینہ کے لئے ہر لحاظ سے موزوں ثابت کرتی۔

انیل کتنا سمجھدار ہے، کتنا بھولا ہے۔ منگلا کی کتنی عزت کرتا ہے۔ اس کا ایک ایک ریکارڈ جمع کر کے رکھ چھوڑا ہے۔

یہ بات نہیں تھی کہ دھرم کو رشک آتا تھا، وہ برابر منگلا کی ہاں میں ہاں ملاتا "کیا ٹھاٹ ٹھ فٹ تنوٹنگ ہوتی ہے بھئی۔ نہیں کہ جھینیوں رسی ہر سل چل رہے ہیں۔" وہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکراتی۔ فضا مکدر ہونے لگتی۔

"ترینہ کی ساری ہیکڑی ختم، انیل بالکل لفٹ نہیں دیتا۔ وہی مسکہ لگائے جاتی ہے انیل کے۔ وہ بیچارا مجھے بہت ہی مانتا ہے، بس اتنا سا منہ نکل آتا ہے۔ مجھے تو آنچل پھیلا پھیلا کر کوستی ہوگی۔ میری وجہ سے ہر جگہ کھنڈت پڑتی ہے۔" دھرم کھسیانی ہنسی سے سب جھیلتا رہتا۔ اس پر وہ اور سُلگ اٹھتی۔ لوگ کوئی عذر کر کے سرکنا شروع کر دیتے، آخری ملاقاتی کے ساتھ وہ بھی اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلی جاتی۔ کبھی تو دھرم کو ایسا معلوم ہوتا وہ صرف اس کے ملاقاتیوں کو تتر بتر کرنے آئی تھی۔ جب یقین ہو گیا کہ سب جا رہے ہیں تو چل دی...

....تاکہ وہ تنہا رہ جائے۔

مدراس میں فلم شروع ہوئی تو دھرم کی جان میں جان آئی۔ وہاں بمبئی کا ہر قابلِ ذکر فن کار کوئی نہ کوئی طریقہ نکال کر پہنچ جاتا۔ مدراس کی فلمیں جو جنوبی اداکاروں کو لے کر بنائی گئی تھیں۔ دو تین تو کامیاب ہوئیں پھر متواتر فلاپ ہونے لگیں۔ لہٰذا انھوں نے نہایت بے رحمی سے جنوبی اداکاروں کو نظر انداز کر کے بمبئی کے فلم اسٹار اور میوزک ڈائرکٹر منہ مانگے داموں پر لے کر ہٹ فلمیں بنانی شروع کر دیں۔ بس پھر کیا تھا ہر آرٹسٹ مدراس کی طرف مڑ گیا۔ دھرم نے بھی دو کانٹریکٹ کر لئے تھے، کیونکہ مدراس سے معاوضہ زیادہ اور وقت پر ملتا تھا۔ بمبئی کی طرح قسطوں پر فلمیں نہیں بنتیں۔ بمبئی میں چند پروڈیوسروں کو چھوڑ کر زیادہ تر ڈسٹری بیوٹر کی دی ہوئی قسطوں سے فلمیں بناتے ہیں اور اکثر فل کو آپریشن مانگتے ہیں یعنی پیسے فلم کی ریلیز پر ملیں گے۔ اگر مدراس کے پروڈیوسر نہ میدان میں آ جاتے تو بمبئی کے فلم اسٹار بھوکے مر جاتے۔ جیسے زیادہ تر پروڈیوسر کڑکے ہو چکے تھے یہی حال ان کا ہوتا

کم از کم دھرم کو تو پھر سے مدراس نے زندگی بخش دی۔ یار لوگ وہاں اِندر سکا اکھاڑا جما کر جی بھر کے دادِ عیش دیتے ہیں۔ بیویوں اور داشتاؤں کی روک ٹوک سے وقتی طور پر جان بچ جاتی ہے۔ منگلا نے اپنی نخوت کے نشے میں چور ہو کر اسے نکما بنا ڈالا تھا۔ وہاں پھر سے شراب شروع ہو گئی۔ بے حیا قسم کی

لڑکیوں نے اس کا کھویا ہوا اعتماد واپس بخش دیا۔ وہ اس کے پیسے ہی کی نہیں مردانگی کی بھی قائل ہو گئیں۔

دھرم اگر چاہتا تو دوسرے اداکاروں کی طرح اپنی ایکٹنگ کی آمدنی پر ہی عیش کر سکتا تھا۔ بڑے فلم سٹار کی مدراس میں بھی خاصی حکومت چلتی ہے۔ وہ اپنی مرضی کی ہیروئن، میوزک ڈائرکٹر، گیت نگار اور ٹیکنیک کی فرمائش کر سکتا ہے۔ چاہے تو اپنی ہی پسند کے دوسرے آرٹسٹ بھی لے لے۔ جیسے وہ بمبئی میں ڈکٹیٹر کے حقوق رکھتا ہے اور انھیں عملی جامہ پہناتا ہے، اسی طرح ایک حد تک اس کی پوزیشن کے مطابق وہاں بھی اسی کی چلتی ہے۔ مگر دھرم کو اپنے سٹاف سے بڑا لگاؤ تھا۔ بمبئی کی اس افراتفری زندگی میں دھرم جیسے پروڈیوسر کا وجود نہ جانے کتنے خاندانوں کا سہارا ہے۔ مدراس میں فلمیں لے کر وہ اپنے اسٹاف کو اسی طرح جمائے رہا۔ اپنے پروڈکشن کے لئے فلم بنانا اشد ضروری تھا۔

مدراس سے وہ متواتر بمبئی آتا رہتا۔ یہاں پھر ایک فلم شروع کر دی۔ اس دفعہ اس نے گھر سے دفتر بھی واپس اسٹوڈیو میں منتقل کر دیا کیونکہ اب منگلا نے اس کے وجود کو قطعی نظرانداز کرنا شروع کر دیا تھا۔ کئی کئی دن اسے منگلا کی صورت بھی نہ نظر آتی۔ پدما کی محفلیں دوبارہ جمنے لگیں۔

ادھر منگلا کچھ ضرورت سے زیادہ پینے لگی۔ رتیا اور رمی کا رشتہ بس روپے کا رہ گیا تھا۔ اس نے الگ فلیٹ لے لیا تھا۔ جہاں وہ آزادی سے دادِ عیش دیتا تھا۔ رتیا اور دونوں بچے منگلا کے قریب ہی الگ رہتے تھے۔ کبھی منگلا کی کسی اوٹ پٹانگ قسم کے دوست سے بہت پینگیں بڑھنے لگتیں تو منگلا اکیلی بیٹھی بوتل سے جی بہلایا کرتی۔ لتا اور محمد رفیع کی کچھ اَن بن سی تھی۔ اس لئے بہت سے دوگانے اسے رفیع کے ساتھ ملے۔ ریکارڈنگ ری ہرسل میں ذرا زندگی کا کچھ مصرف نظر آنے لگا۔ دھرم سے اجازت لینے یا صلاح لینے کی نہ اب ضرورت محسوس ہوتی تھی اور نہ موقع ہی ملتا تھا۔ محمد رفیع سے اس کا کافی میل جول بڑھا، لیکن انڈسٹری نے ان کے بارے میں کوئی فضول قسم کی افواہ نہیں اڑائی۔ دھرم خود آوارہ منش تھا مگر اس نے بھی کبھی کوئی خیال نہیں کیا۔

مگر قسمت میاں بیوی کے بچے کھچے رشتے کو بھی ختم کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ انہیں دنوں اپنی نئی فلم کے گانے دھرم نے بجائے رفیع کے مہندر کپور سے لئے۔ یہ بات منگلا کو بھی ناگوار گزری۔ حسب عادت اس نے مہندر کپور کے ساتھ گانے سے انکار کردیا۔ دھرم نے چپ چاپ گانے آشا سے لے لئے منگلا نے بھی کوئی پرواہ نہ کی۔

رندھیر کی فلم کلپنا فلمی میلے میں جرمنی بھیجی گئی۔ اس کے سلسلے میں دھرم اور رندھیر کو بھی بلاوا آیا۔ چونکہ زرینہ بھی جارہی تھی۔ اس لئے اس نے دھرم سے کہا کہ منگلا کو بھی لے جانا چاہیے۔ دھرم گانوں کے معاملے میں زیادتی کرچکا تھا۔ اس لئے منگلا سے کہا کہ تم بھی چلو۔ رندھیر نے بھی بہت زور دیا کہ وہ رتّو کو بھی لے جائے گا، لیکن اگر وہ نہ گئی تو دِتّو اپنی حماقتوں سے اس کی وہاں ناک کٹوا دے گی۔

"بھائی ذرا دس بارہ اچھی ساڑھیاں بھی خرید وادو۔" اس نے بڑی خوشامد سے کہا۔ منگلا بھی راضی ہوگئی۔ کیونکہ ارادہ تھا کہ وہاں سے انگلینڈ اور یورپ بھی جائیں گے۔ ایسے موقعے روز روز کہاں آتے ہیں۔ منگلا نے سب کچھ بھول بھال تیاریاں شروع کردیں۔ شام کو محمد رفیع نے فون کیا کہ ہفتے کو ناگ پور جانا ہے۔ پرائم منسٹر فنڈ کے لئے روپیہ جمع کرنا ہے۔ منگلا نے کہہ دیا اس کا جرمنی جانا بہت ضروری ہے۔ بڑے زور شور سے تیاریاں ہورہی تھیں۔

ان دنوں گورنمنٹ نے باہر جانے پر سخت پابندی لگا رکھی تھی اور چونکہ بلاوا صرف دھرم اور رندھیر کا تھا، اس لئے منگلا اور دِتّو نہیں جاسکتی تھیں۔ بڑی دوڑ دھوپ کی مگر وقت نہیں تھا۔ دھرم نے کہا وہ بھی نہیں جائے گا، تو رندھیر نے کہا وہ اکیلا کیا بھاڑ پھوڑے گا۔

"نہیں بھئی اپنی فلم جارہی ہے۔ آپ لوگوں کا جانا بہت ضروری ہے۔" کیشو نے رائے دی۔

"نہیں منگلا نہیں جاسکتی اس لئے میں نہیں جاؤں گا۔"

"ارے تو کیا ہوا، تم چلے جاؤ۔ ولایت بھاگا تھوڑی جاتا ہے پھر چلے جائیں گے۔" منگلا نے اصرار کیا، اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ زرینہ

اور اینیہ انگلینڈ گئی ہوئی ہیں۔ وہاں سے وہ بھی جرمنی جائیں گی۔ منیا کو اس کے پتی دیو نے نہیں جانے دیا۔ کیونکہ ان کا بھی بلاوہ نہیں تھا۔ بیچاری رو پیٹ کے چپ ہو گئی۔

رتیا کے نئے دوست سے اسی دن لڑائی ہوئی تھی جس روز یہ لوگ جرمنی روانہ ہوئے۔ وہ اپنا غم دل سنانے منگلا کے پاس آئی۔ دونوں دل جلی رات گئے تک پیتی رہیں۔ ایک دوسرے کو اپنی دکھی داستان سناتی رہیں۔ پھر سے زخم تازہ ہوئے اور کوئی مرہم نہ تھا انھیں بھرنے کے لیے۔ رتیا نے آیا کو فون کر دیا کہ وہ صبح آئے گی۔ اور وہیں سوئے گی۔ دراصل جانے کا دم بھی نہ تھا صبح سر میں ایسا درد تھا کہ پھٹا جا رہا تھا۔ دونوں نے پھر تھوڑی سی سہارے کے لیے پی اور پیتی ہی گئیں۔

بات بگڑنے پر تلی ہوئی تھی۔ کسی پھرتیلے فوٹوگرافر نے دوسرے ہی دن اخبار کے لئے وہاں کھینچی ہوئی تصویریں بھیج دیں۔ اور جب وہ تصویریں چھپیں تو منگلا پر جیسے بجلی گر پڑی۔ رتیا کو تو اس کا دوست سمیٹ کر لے گیا تھا۔ بچے پارک میں کھیلنے گئے ہوئے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے تصویریں دیکھتی رہی۔ ہر تصویر میں دھرم اور زرینہ ساتھ تھے۔ چالاک فوٹوگرافر نے اینیہ اور رندھیر کو اس چالاکی سے کاٹا تھا۔ کہ ان کے وجود کا شبہ بھی نہ ہوتا تھا۔ اور کچھ اشارے کنائے میں چھینٹے بھی کسے تھے۔ پرانی کشیدگی کا بھی ذکر تھا۔ منگلا کی غیر موجودگی کا حوالہ بھی دیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا دھرم قصداً اسے نہیں لے گیا تاکہ وہاں دونوں گلچھرے اڑا سکیں۔ کئی بار جی چاہا گلاس میں ساری کی ساری خواب آور گولیاں انڈیل کر اس کرب اس جانکنی کی حالت کا خاتمہ کر ڈالے کہ پیچھا چھوٹے۔

مگر پھر سوچا۔ یہ تو وہ دونوں چاہتے ہی ہیں۔ نہیں اس جنم میں تو انھیں خوش نہیں کرنا ہے۔ مگر جب لے جانے کا ارادہ نہیں تھا تو اس نے کہا کیوں تھا۔ شاید اس لئے کہ میں ناگپور نہ جا سکوں۔ میرا پروگرام بھنڈ کر کے خود چلا جائے۔ محمد رفیع سے بیر ہے، اس لئے کہ وہ مجھے کام دلوا دیتا ہے تو شریمان جی کی ہتک ہوتی ہے۔

"تمھیں کیا ضرورت ہے کام کرنے کی، روپے کی تنگی ہے کیا؟" وہ کئی بار کہہ چکا ہے۔ اتنے بڑے فلمسٹار اور پروڈیوسر کی بیوی کام کی محتاج! اپنی کمپنی

سے تو معاملہ ختم ہی ہوگیا۔ باہر کام نہ کروں۔ ختم ہو جاؤں۔ مٹ جاؤں۔ مجھ سے نفرت۔ میری کلا سے نفرت۔ صبح رفیع کی پارٹی ناگپور جا رہی ہے۔ ابھی وقت ہے اس نے فوراً فون کیا۔

"مگر وہاں گاؤں گی کیا، کچھ تیاری بھی نہیں کی ہے۔ رہنے ہی دو۔"

"ارے نہیں نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ تمھیں چلنا پڑے گا۔ کچھ بھی گا دینا۔"

"میری تو کاپی بھی دفتر میں کہیں پڑی ہے۔"

"بچوں کے پاس گانوں کی کتابوں میں دیکھتا ہوں۔ اور وہ گانا جو مدراس میں وہ کون سی فلم تھی اس کے لیے ریکارڈ کیا تھا، وہ تو یاد ہی ہوگا۔"

"بول تو یاد نہیں، کون سا۔"

رفیع نے حوالہ دیا، گنگنا کر یاد دلایا۔

"ہاں ہاں، منگلا نے بھی گنگنا کر یاد کیا۔

"کوئی نوکر بھی نہیں ہے اس وقت سب سو رہے ہیں، میں خود لے کر آتا ہوں ابھی۔"

رفیع اور منگلا ڈیڑھ بجے تک ہارمونیم پر ریہرسل کرتے رہے۔ کئی پرانے گانے یاد آ گئے جو دونوں نے ساتھ گائے تھے۔ پھر منگلا کا وہ بھجن بھی یاد آ گیا جو اس نے "پورنما" میں گایا تھا، گنگنانے لگی۔

"ہائے کیا سوز ہے اس گانے میں، بڑے جی سے گایا ہے۔"

"جی کو لگی جو تھی۔" منگلا نے ٹھنڈی سانس بھری۔ اس نے اخبار رفیع کے سامنے ڈال دیئے۔

"ہوں،" رفیع دکھی ہو گیا۔

"جبھی تو میرے جانے کا سارا معاملہ ٹھپ کر دیا۔"

"انتہا ہے حماقت کی۔ بال بچوں والا آدمی یوں واہی تباہی بکے۔ تم کیوں اتنا دل چھوٹا کرتی ہو۔ تمھاری کلا کا بھی تمھارے اور کچھ حق ہے۔ اس پروگرام کے بعد ہمارا ارادہ اپنی ٹروپ کو لے کر پورے یورپ کے دورے پر جانے کا ہے۔ پچھلی دفعہ نیروبی میں بہت اچھا پروگرام رہا۔ ضرور چلنا۔"

دیر تک گلے شکوے ہوتے رہے پھر چونکہ صبح جلدی اٹھنا تھا، رفیع

سونے کی ہدایت کر کے چلا گیا۔

منگلا روتے روتے تھک گئی تب آدھا گلاس وہسکی میں خواب آور گولیاں ڈال کر غٹا غٹ پی گئی۔

دھرم کو پلین ہی میں معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بھی آ رہی ہے۔ بڑی خوش دلی اور لاپرواہی سے ہنس دیا۔

"ابھی تو تم کہہ رہے تھے، انگلینڈ گئی ہے۔" اس نے تھوڑی دیر بعد بے تعلقی سے پوچھا۔

"ہاں امینہ اور وہ پرسوں ہی پہنچ گئیں!"

"مگر یہ کیا ضروری ہے کہ میلے میں آئے۔"

"اماں میلے ہی میں شرکت کی غرض سے آئی ہیں۔ امینہ کو اجازت نہیں مل رہی تھی۔ کیونکہ اس کا ارادہ نہیں تھا"

"تو پھر کیسے آ گئی؟" دھرم بولا۔

"دو مہینے پہلے بھاگ دوڑ مچائی۔ زرینہ نے کہدیا اکیلی نہیں جائے گی۔ لڑکی کو ایک ساتھی کی اجازت مل جاتی ہے۔ مینا کو بڈھے نے آنے دیا ہوتا تو پھر کوئی بات نہیں تھی، چونکہ وہی اکیلی لڑکی ہے۔ اس لئے۔۔۔۔۔۔"

"تو کیا ہر میٹنگ میں بھی اسے گھسنے کی اجازت ہو گی؟"

"کیوں بھائی قصہ کیا ہے؟" زنجیر نے اسے غور سے دیکھ کر پوچھا

"ارے کچھ بھی قصہ نہیں!"

"دیکھو بھئی اگر تم نے یہاں پر پسارے تو خدا قسم۔۔۔۔۔۔"

"والے ہٹ خواہ مخواہ کے طوفان جوڑ رہا ہے۔" بات ٹل گئی مگر رندھیر کا ماتھا ٹھنک گیا۔ اگر پھر سے بات چل نکلی تو سارا مزہ کرکرا ہو جائے گا۔ جب زکام ہونے والا ہوتا ہے تو چھینکیں آتی ہیں۔ دھرم کو رندھیر برسوں سے جانتا تھا۔ اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ کبھی تو اسے یہ بھی پتہ ہو جاتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ دھرم کو زرینہ بخار ہونے والا ہے۔ چھینکیں آ رہی ہیں۔ زبان بند ہے مگر آنکھیں بول رہی ہیں۔ آپ ہی آپ مسکراتا ہے، پھر غم کے بادل اُمڈتے ہیں، پھر ہنس دیتا ہے۔ پھر کہیں کھو جاتا ہے۔ رندھیر کو معلوم ہے وہ دل ہی میں اپنی محبوبہ سے مل رہا ہے۔ بچھڑ رہا ہے۔ روٹھ رہا ہے پھر مَن رہا ہے۔ وہ اس کے دماغ میں کبھی پھول کھلاتی ہے کبھی کانٹے بھونک دیتی ہے۔ کبھی انگ انگ میں رس بھرتی ہے کبھی زہر گھول دیتی ہے۔ وہ سمجھ رہا تھا اور لرز رہا تھا۔ یورپ کی سیر ہھبگ ہوتی صاف نظر آ رہی تھی۔

"کیسی ہو؟" دھرم نے زرینہ کو دیکھ کر رسماً کہا۔

"اچھی ہوں، آپ تو بہت بزی ہیں نا، نئی پکچر شروع ہو گئی نا، انگلینڈ میں بہت مزہ آیا۔ میں نے کہا آؤ اعینہ آپا یہاں کھو جائیں......" بڑبڑ وہ بکتی رہی۔ یہ نہیں چاہتی کہ دھرم کچھ کہے۔ کیا بھروسہ ہے کیا کہہ دے اور وہ سٹ سے غائب ہو گئی۔

دھرم کے ماتھے پر نمی آ گئی۔

"نہیں اس سردی میں پسینہ ہرگز نہیں آ سکتا۔" رندھیر نے خود کو یقین دلایا۔ "چہل پہل سے چہرے پر رونق آ گئی ہے۔" مگر وہ اپنے کو دھوکا نہ دے سکے۔ جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے ویسے ہی دھرم بے ہوش بے سدھ بھرے مجمع میں بھوکی بھوکی نظروں سے ڈنتا ہوا، نامعلوم سی غیر مرئی ڈور سے بندھا ہوا چلا جا رہا تھا۔ نہ اسے فوٹو گرافروں کا خوف تھا نہ دیس بدیس کے مہمانوں کی پرواہ۔ وہ سب کو دھکیلتا، دھکے کھاتا، اس کے قریب پہنچ جاتا۔ وہ اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی رعنائیوں کا عذر کر کے پھر مجمع میں کھو جاتی۔ مگر اس کی چھٹی حس اسے پھر وہیں کھینچ لاتی۔ وہ اس کے پیچھے ایسے بھاگ رہا تھا جیسے ماں اپنے تازہ پاؤں پاؤں چلتے بچے کے پیچھے بانہیں پسارے بھاگتی ہے۔ اس نے

دیکھا اور ٹھٹک کر سانس روک لی۔ بچہ خندق کے کنارے ڈگمگا رہا تھا۔

دھرم نے اس کے شانے کو چھوا اور جب مڑی تو اس کے سامنے ہتھیلی پھیلا دی۔

صدیاں بھاگتی دوڑتی گزر گئیں۔ قرن بیت گئے۔

وہ مٹھیاں بھینچے اس کی ہتھیلی کو گھور رہی تھی۔

"وہ دیکھو——" ابیہ نے اسے گھسیٹ کر اپنے آگے کر لیا۔ اور آنکھیں موندے نواردوں کے قریب چھوٹتی ہوئی آتش بازی دیکھتی رہی۔

دھرم نے مٹھی بند کر کے جیب میں ڈال لی۔ اس کی نرم نرم آنکھوں میں آتش بازی کا عکس دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔

وہ رات رندھیر نے محاذ پر گزاری۔ معلوم ہوتا تھا اس کے سر پر بار بار بم پھٹ رہے ہیں۔ اسے دھرم کے پاگل پن میں کوئی شک نہیں رہا تھا۔ اس نے کبھی ایک انسان کو بغیر خون کی ایک بوند بہاتے یوں پھڑپھڑاتے نہیں دیکھا تھا۔

"رندھیر وہ بے وفا نہیں، میرے دوست تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی، یک طرف شعلے نہیں ہو سکتے۔ میرے یار میرے سینے میں بڑی جلن ہے۔ جیسے کوئی ناخونوں سے کھرچ رہا ہے۔ تم مجھے ڈانٹتے کیوں نہیں گالیاں کیوں نہیں دیتے کچھ تو کہو، شاید میرا دھیان بٹے۔ شاید دل میں غیرت جاگ اٹھے تب اس جلن پر شاید چھینٹا پڑ جائے۔" پھر وہ ایک دم دیوار پر ہاتھ رکھ کر خود سے کہنے لگا۔ "وہ اسی ہوٹل میں ہے۔ یہ دیوار پھر دیوار—— دیوار ہزاروں دیواروں کے بعد وہ ادھر ہے۔ کیسے تعجب کی بات ہے! ہے نا؟" وہ بڑے پیار سے دیوار پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ جیسے وہ سمنٹ کی سرد کاٹ نہیں محبوبہ کا نرم و لچک دار جسم ہو۔

"سنو...... ٹھیک سے یہاں بیٹھو! اگر تمہیں اتنا یقین ہے تو پھر کیا مشکل ہے؟" رندھیر نے اسے پھسلا کر پلنگ پر بٹھایا "تو پھر خواہ مخواہ کیوں بلبلا رہے ہو۔ صبح میں......"

"صبح نہیں،"

"ابے کیا جوتے کھلوائے گا۔ معلوم ہے تین بجے ہیں۔ مجھے اس کے کمرے کا نمبر بھی نہیں معلوم۔ صبح میں بات کر دوں گا۔ امینہ سے بات کروں گا۔ میں صاف کہہ دوں گا۔۔۔۔۔" وہ ایک دم رُک گیا۔ اُسے قطعی کچھ نہیں معلوم تھا کہ کیا صاف کہہ دے گا۔ مگر وہ بولتا چلا گیا۔ "اور بھئی جب وہ بھی —"

"تو تم مانتے ہو نا کہ وہ بھی۔۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے دل سے تو۔۔۔۔"

"ہاں ہاں یار اس میں کیا شک ہے۔" رندھیر نے اسے ٹھنڈا کرنے کو کہا۔

"مگر دیکھو یہاں پردیس میں اپنا کھیل نہیں بنے گا۔ سمجھے اپنی ڈگنٹی میں فرق نہ پڑے — ہاں!۔۔۔۔۔ اور دیکھو یوں بیکار ہڑبڑانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یوں تو بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔" اس نے بڑی نرمی سے کہا۔

"بگڑ جائے گا؟" دھرم پر پھر لرزہ چڑھا۔

"میرا مطلب ہے خواہ مخواہ۔۔۔۔ دنیا بھر کے لوگ جمع ہیں۔ تم اتنے بڑے پروڈیوسر وہ ایک معمولی ایکٹریس۔ بات حساب سے ہونی چاہیے۔ تم بالکل بے فکر ہو کے آرام کرو۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔ ہاں۔" رندھیر نے اسے کمبل اُڑھا دیا۔ ایسا لگا جیسے وہ ایک دم سو گیا۔

"یار رندھیر۔" اس نے ایک دم سہمی ہوئی آواز میں کہا "وہ منگلا۔۔۔۔۔ منگلا کا کیا ہو گا؟"

رندھیر اتنا تھکا ہوا نہ ہوتا تو وہیں اُسے قتل کر کے پھانسی پر جھول جاتا۔

"تم ان کی فکر نہ کرو۔ ان کا اس میں کیا دخل۔۔۔۔۔ اچھا یار سو جاؤ ورنہ ہم صبح اُٹھ نہ پائیں گے اور وہ لوگ گھومنے گھامنے نکل جائیں گی۔ بات ٹل جائے گی۔" اُس نے پھسلا دیا اور۔۔۔۔۔۔

صبح جب اُس کی آنکھ کھُلی تو دھرم غسل خانے میں شیو کر رہا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر لپکا۔ آدھے راستہ میں یاد آیا کہ بجلی کا شور ہے اور وہ اپنی حماقت پر چڑھ گیا۔ کمبخت پاگل کے ساتھ رہ کر وہ خود پاگل ہوتا جا رہا تھا۔ دھرم کی "اتم ہتیا دوں" نے اسے بوکھلا دیا تھا۔

بڑی مشکل سے امینہ ہاتھ آئی۔ رندھیر نے بالکل عاشقوں کی طرح اس کے گرد طواف کرنا شروع کیا۔ جی تو چاہ رہا تھا ایک ملّہ رسید کرے اور کہے چل مٹھ اور

سُن مجھے بہت ضروری باتیں کرنا ہیں۔ مگر اس نے ضبط کیا اور اسے رسان رسان کھسکا کر ایک میز کے پاس لے گیا۔ جلدی سے کافی کا آرڈر دیا اور بڑے ہی خلوص اور چاؤ سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔

"ابتینہ تم اس لورٹم سے طلاق کیوں نہیں لے لیتیں؟"

"ارے یہ صبح صبح مجھے طلاق کیوں دلوانے لگے؟" مگر وہ خوش ہوگئی کوئی اس کے لئے میاں کو بُرا کہتا تو وہ بڑی دلچسپی سے سُنتی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

"طلاق لے کے کیا کروں؟" وہ ہنسی۔

"شادی۔"

"دیوار پاکھوں سے؟ چیونٹیوں بھرے کباب سے کون شادی کرے گا؟"

"ساری دُنیا میں تمھیں کوئی "وہ کون" ہی نظر نہیں آتا۔ ایک ہیں میاں امجد علی عرف رندھیر۔۔۔۔ نام سنا ہوگا؟"

"جی کچھ یاد تو پڑتا ہے مگر سنا ہے وہ تو۔۔۔۔۔۔ اُن کے تو بیوی۔"

"اسلام چار کی اجازت دیتا ہے۔"

"اوہ، دو تو آپ فرما چکے۔۔۔۔۔۔ اب تیسری اور کہیں کرڈالئے، پھر چوتھی کے بارے میں سوچا جائے گا۔ سُنا ہے لوگ آخری بیوی چاہتے ہیں۔ مگر رندھیر صاحب کیوں ادھر ادھر کی باتوں میں وقت برباد کر رہے ہیں۔ اُگل دیجئے نا۔"

"اُگل دوں؟"

"اب میں اتنی بھی ننھی نہیں ہوں کہ یہ یقین کرلوں کہ صبح صبح میری طلاق پر تبصرہ کرنے کے لئے یہاں لائے ہیں، مجھے۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے ہمیں پرکاش جی ذرا گھمانے لے جا رہے ہیں۔ اس لئے ـــــ"

رندھیر نے زیادہ تکلف مناسب نہ سمجھا اور اگلنے لگا۔ وہ چپ سنتی رہی۔ بٹوا کھولتی بند کرتی رہی۔ رندھیر کے اعصاب جواب دینے لگے۔

"مجھے ان سے بڑی ہمدردی ہے۔" اس نے الفاظ تول کر کہا۔ "مگر یہ تو پتہ چلے کیا چاہتے ہیں۔"

"یعنی، یہاں اتنی لمبی چوڑی داستان سنا ڈالی اور آپ کو یہی پتہ نہیں۔"

"دیکھئے وہ جو آپ سوچ رہے ہیں اس کا جواب میرے پاس نہیں۔ اسی سے پوچھئے۔ لیکن اگر ۔ ۔ ۔ ۔"

"اگر کیا؟"

"اگر شادی کا خیال ہے تو ۔ ۔ ۔ ۔"

"شادی!" رندھیر ضبط نہ کر سکا۔

"آپ تو ایسے بدکے جیسے کبھی شادی کا لفظ نہ سُنا ہو" وہ کھکھلا کر ہنسی۔ حالانکہ ماشاءاللہ سے ۔ ۔ ۔ ۔"

"اور منگلا" رندھیر کا خون کھول گیا۔

"ارے آپ اتنا بن کیوں رہے ہیں، ان کے بارے میں تو سوچنے کے بعد ہی کچھ طے کیا ہوگا۔"

"اور بچے!"

"اوہ بچے کس کے نہیں ہوتے، کیا آپ کے بچے نہیں تھے۔ آپ نے جب دِتّو سے بیاہ کیا تھا تو اپنی بیوی کے بارے میں جو سوچا تھا بس وہی ——— رندھیر صاحب زرینہ میری بہن ہے۔ اس کی جگہ آپ کی بہن ہوتی تو آپ کیا جواب دیتے۔"

رندھیر کی آنکھوں میں خون اُتر آیا، آپا جی یاد آگئیں۔

"دھیں اپنے بہت مقدس معصوم ہوتے ہیں۔ آپ کا منہ بہت سُرخ ہو رہا ہے۔ لوگ دیکھ رہے ہیں نہ جانے کیا سمجھ رہے ہوں گے" وہ اُٹھنے لگی۔

"یہ میری اپنی رائے ہے"

"اور زرینہ کی؟"

"وہ زرینہ جانے" وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

جب رندھیر نے گالیوں کے کلّے ٹھنڈے لگا کر دھرم کو سب باتیں بتائیں تو وہ پھول کی طرح کھل اُٹھا۔ بڑی فرماں برداری سے گالیاں سُنیں جھینپی ہوئی نظریں اُٹھائیں۔ آنکھوں کے کونے پر موتی کانپ رہے تھے۔ جب وہ اینہ سے باتیں کر رہا تھا تو باہر فواروں کے پاس زرینہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ فوراً فوٹو گرافر

ٹوٹ پڑے۔ وہ اُسے بڑی مشکل سے بچا کر نکال لایا اور پھر وہ وزن دیکھنے کی مشین میں سکّے ڈال کر کارڈ دیکھنے لگے

"یہ دیکھو" دھرم نے مٹھی کھول دی۔ وزن کا کارڈ رندھیر نے اُٹھا کر دیکھا۔

"یہ.... ادھر پیچھے دیکھو" وہ بچوں کی طرح شرمایا۔

"بچھڑے محبوب سے ملاقات ہو۔ دل کی مراد پوری ہو" کارڈ پر لکھا تھا۔

"ابے گاؤدی، اُلّو کے پٹھے عاشق کے بچّے" اُس کا جی چاہا ایک گھونسا مار کر کہے مگر ایک شرط ہے، یوں معاملہ نہیں پٹے گا۔ شادی کرنی ہو گی"

"شادی!" دھرم شوق سے مفلوج ہونے لگا۔

"جی نکاح..... اور مہر....." رندھیر نے مہر کی تشریح کی۔

"مہر جتنا بھی کہو"

"مہر سے کام نہیں چلے گا، نکاح کرنا ہو گا مسلمان ہو کر" رندھیر غرّایا۔

"اور اگر اب کے تم نے بھابی کا نام لیا تو خدا کی قسم جبڑا توڑ دوں گا"

"اس کا نام لینے کا مجھے کوئی ادھیکار نہیں" وہ ایک دم چُپ ہو گیا۔

ویٹر نے بیر کے مگ لا کر سامنے رکھ دیئے۔ رندھیر نے بل اُٹھایا مگر جب تک دھرم نے نوٹ بیرے کو پکڑا دیا۔

"کمپنی خرچ" دونوں اپنے اپنے خیال میں گم بیر پینے لگے۔

"یار رندھیر....... یہ نکاح کیسے ہوتا ہے"

"یہ آدمی ہے یا گھن چکر۔ ادھر منگلا کو ٹرنک کال ملانے کے لئے بھاگا بھاگا پھر رہا ہے۔ بچّوں کے لئے کھلونے اور چاکلیٹ خرید رہا ہے۔ ادھر نکاح کی فکر میں گھلا جا رہا ہے" اُس نے نکاح کی تشریح کر دی۔

"یار باندرہ کی مسجد میں کام بن جائے گا" دھرم نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

نہ جانے کیوں رندھیر کو منگلا پر ہونے والی زیادتی پر بہت غصّہ آ رہا تھا جب اُس نے خود دو سے شادی کی تھی تب اُسے اپنی بیوی پر قطعی ترس نہیں آیا تھا۔

حالانکہ منگلا اس سے کچھ خوش نہ تھی یہی سمجھتی تھی کہ وہ زرینہ کی دلالی کرتا ہے۔ وہ دیر تک دھرم کو ڈانٹتا رہا۔ پھر اس کو رحم آنے لگا۔ کیونکہ وہ سر جھکائے ملامتیں سنتا رہا۔

جب رندھیر با دلِ ناخواستہ امینہ کو دھرم کا جواب دینے کے لئے کمرہ تلاش کرکے پہنچا تو معلوم ہوا وہ لوگ باہر گئی ہوئی ہیں۔ شام تک لوٹیں گی۔ پھر شام کو معلوم ہوا فرانسس چلی گئیں۔ دھرم نے پیچھا کرنے کا پروگرام بنایا۔

"نہیں یار اگر معاملہ کرنا ہی ہے تو لونڈھیار سے کوئی فائدہ نہیں۔ ان کی سیٹیں بک تھیں، جائیں گی کہاں۔ چلنا تو ساتھ ہی ہے۔ یہاں ہوائی جہاز کے پیچھے دوڑنے سے کیا فائدہ۔

مگر ایرپورٹ پر پہنچنے سے معلوم ہوا انھوں نے بکنگ کینسل کروا دی۔ پتہ نہیں کب اور کس پلین سے جائیں گی۔ کچھ نہ پتہ چل سکا۔ دھرم وہیں پھیل گیا مگر رندھیر نے سختی پکڑ لی۔

ایرپورٹ پر پہنچتے ہی اُسے منگلا کے ناگپور جانے کی اطلاع مل گئی ناگپور کا پروگرام خاصا کامیاب رہتا۔ اگر منگلا عین وقت پر ضرورت سے زیادہ پی کر اسٹیج پر نہ آجاتی۔ کسی کو شبہ نہ تھا کہ وہ اس حد تک عادی ہو چکی ہے، صبح سے وہ ہوٹل میں اپنے کمرے میں بند پڑی تھی۔ جب وہ جھومتی لڑکھڑاتی اسٹیج پر آئی تو سب متحیّر رہ گئے۔ اُلجھے بال، بے ترتیب کپڑے۔ اُدھر آرکسٹرا نے ساز ملائے اِدھر اسے بڑے زور کی اُبکائی نے دبوچ لیا۔ مارے سرانڈ کے ناکیں سڑ گئیں بمشکل اُسے باہر لے گئے۔

اخبار میں ساری تفصیل کے بعد لکھا تھا کہ دھرم جرمنی گیا ہوا ہے اور شاید منگلا کا یہ ہر بھاری ہے۔

"کیا ضرورت تھی جانے کی، میں نے منع کیا تھا" وہ ایک دم نرم پڑ گیا۔

"مجھے بتایا بھی نہیں منگو نے۔"

"تمھیں مہلت ملے تو بتائے۔ یار گردن اڑا دینے کے قابل ہو۔ تم جیسی اس کی بے قدری کرتے ہو وہی ہے جو برداشت کر رہی ہے۔ اور کوئی ہوتی تو

کبھی کی تمھارے جسم میں تھوک کر الگ ہوتی۔" دھرم سے وہ بے تکلف تو ہمیشہ تھا۔ مگر دھول دھپّا کا رشتہ نہ تھا۔ مگر جرمنی میں جو بنتی اور رندھیر کی اہمیت بڑھی تو وہ کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہو گیا۔ پہلے وہ اُسے جنبیں مانتا تھا۔ اب ذرا ٹنک پیدا ہو گیا تھا۔

اب کے پھر بیٹا، اور ہم بھی ایسی سپر ہٹ فلم بنائیں گے۔ کہ دنیا دیکھتی رہ جائے گی۔" اس نے منگلا کے بیڈ پر بیٹھ کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

"بیٹا، ہنھ، بھگوان نہ کرے۔" اس نے دھرم کا ہاتھ جھٹک دیا اور ایسے دور ہٹ گئی جیسے وہ کوئی کوڑھی ہو۔

"منگلو۔۔۔۔"

"بابا، یہ چوچلے وہیں بگھارو جا کے۔" وہ بیڈ سے اُٹھ کر سنگار میز پر جا بیٹھی دراز کھول کر اس نے گلاس میں تھوڑی سی وہسکی ڈالی اور کنگھی کرنے کے لئے چوٹی کھولنے لگی۔

"منگلا یہ سویرے سویرے۔"

"تو؟" منگلا نے جیسے اُسے چڑانے کے لئے نیٹ پینا شروع کر دی۔

"یہ اچھا نہیں منگلا۔"

"کیا اچھا ہے اور کیا اچھا نہیں۔ یہ میں بھی جانتی ہوں۔ تم کیوں فکر میں گھلے جاتے ہو۔"

"منگلا ــــــ"

"ارے بابا جاؤ نا اپنی گلبدن کے پاس۔ بڑی مشکلوں سے تو رودھتی دیوی کو منایا ہے کہیں خفا نہ ہو جائے۔"

"کیوں طوفان جوڑتی ہو وہ تو پیرس سے ابھی آئی بھی نہیں۔" دھرم کے منہ سے نکل گیا۔

"جبھی میرا بھیجا چاٹنے کی فرصت مل گئی۔" وہ ننگی تلوار کی طرح کھنچ گئی۔ اور ایک بڑا سا پیگ انڈیل کر منہ سے لگا لیا۔ دھرم اس کی طرف بے بسی سے بڑھا۔

"دور۔ دور۔" اس نے ہاتھوں سے اشارہ کیا۔" مجھے ہاتھ نہ لگانا

ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔

دھرم اُس کی آنکھوں کا زہر نہ برداشت کر سکا تیزی سے باہر نکل گیا منگلا نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اور کنڈی چڑھالی۔

"نہیں رندھیر —— اب کوئی گنجائش نہیں۔ میں بھی اسے اس اکڑ کا مزہ چکھاؤں گا۔ امینہ نے کیا کہا؟"

"ملی کب جو کہتی۔"

"تم نے فون کیا؟"

"فون؟ ارے میں نے اس کی چوکھٹ کی خاک لے ڈالی۔ مگر وہ لوگ آؤٹ ڈور کی تیاریوں میں لگی ہیں۔ ملتی ہی نہیں۔ یہ گھر تو امینہ کے نام ہے۔ اُس نے دوسرا فلیٹ لے لیا ہے کسی وقت نہیں ملتی۔ اس کا یہ مطلب ہے وہ لوگ وہاں ہی رہنے لگی ہیں۔ اور وہاں کا ٹیلی فون ابھی نہیں آیا ہے۔ اس کی شرط تو تمہیں معلوم ہی ہے۔ مگر یار تم ہو نرے تھالی کے بینگن۔ فیصلہ تو کر لو پہلے۔"

"کر لو لیا فیصلہ۔" دھرم نے نہایت غیر فیصلہ کن انداز میں کہا

"تو پھر رتنا کے ذریعہ بات چیت کے کیا معنی۔" دھرم بے بس ہو گیا ——

"اچھا اگر تم واقعی فیصلہ کر چکے ہو تو منگلا کو طلاق دے دو۔"

"طلاق؟ ...... رندھیر تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ وہ میرے بچوں کی ماں ہے! میں نہایت ہی کمینہ ہوں مگر اس کے یہ معنی تو نہیں ......"

"اچھا بابا ... بھول ہوئی، میں واقعی بڑا گدھا ہوں۔" اس نے کہنیوں تک ہاتھ جوڑے اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

"رندھیر ——" دھرم نے دوڑ کر اس کا گریبان پکڑ لیا "کہاں جا رہے ہو۔" بڑی بے بسی سے پوچھا۔

"جہنم میں۔" وہ گریبان چھڑانے لگا۔

"رندھیر ایسے وقت میں تم بھی میرا ساتھ چھوڑے جا رہے ہو۔" اس نے گریبان چھوڑ دیا۔

"اُف، وہ نیک بخت میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ فلم کے ٹکٹ منگوائے تھے۔"

اس کی ساری اکڑ ختم ہو گئی۔

"ہاں وہ انتظار کر رہی ہو گی۔ جاؤ۔" وہ واپس کمرے میں چلا گیا۔

"صبح آٹھ بجے پہنچ جاؤں گا۔" وہ اس کے پیچھے پیچھے گیا۔ دھرم دراز کھول کر بوتل نکال رہا تھا۔

"جاؤ۔" "میں تو کہیں نہیں جا سکتا، میرا کوئی انتظار نہیں کر رہا ہے۔"

رندھیر کا دل ڈوبنے لگا۔ جاتے ہوئے قدم رک کر لوٹ پڑے۔ تھوڑی دیر دونوں کھڑے سوچتے رہے۔ پھر رندھیر چوروں کی طرح بیٹھ گیا۔ "چلو ریگل میں اچھی فلم لگی ہے۔"

دھرم مسکرا رہا تھا۔

"واسو کو فون کر دو، ایک سے دو بھلے!"

"کوئی ضرورت نہیں۔"

"حد ہو گئی۔" اس نے بھی ایک گلاس اٹھا لیا۔ دونوں خاموش پیتے رہے۔ بالکل بات کو ٹال کر فلم کی بات کرنے لگے۔

"مالا کو اپنا رول بہت پسند ہے۔"

"بڑا جی لگا کر کام کرتی ہے۔"

"اب تو پھر سے ڈانسنگ شروع کر دی ہے۔"

"ہاں اچھا نکھر نکل آیا ہے۔"

"بہن کے رول کے لئے سوچا کچھ؟"

"کوئی جچتی نہیں۔"

"حیدر آباد چلتے ہو؟"

"کیوں؟"

"ذرا چھوکریاں دیکھیں گے۔"

"یدیا کو بھی نئی لونڈیا لائی ہے چلتے ہو؟" دھرم ایک دم مستعد ہو گیا۔

"یار دیر ہو جائے گی۔"

"ابھی تو گیارہ بھی نہیں بجے۔" دھرم نے پھسلایا۔

"حاجی کے ہوٹل سے تھوڑے سے کباب لیتے چلیں گے۔"

ایک دم مطلع صاف ہوگیا۔ رندھیر پانچ منٹ کے لئے اپنے گھر ٹھہرا۔ دتّو کو سمجھا بجھا کر آگیا۔

پدما کے ہاں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ نئی چھوکری رس ملائی کی طرح بھرپور تھی۔ بے انتہا چلبلی، دھرم کی فلمی پوزیشن سے مرعوب، رندھیر کی اہمیت سے واقف۔

"کیسی رہے گی، چھوٹی بہن کے رول کے لئے"

"ذرا ٹھگنی ہے۔ اور کلّے بہت پھولے ہوئے ہیں" رندھیر کو بعض وقت سخت حیرت ہوتی تھی۔ دھرم کی نظر اس قدر تیز تھی۔ خواہ وہ کتنا بھی مدہوش ہو، بہا جا رہا ہو بالکل کیمرے کے لینس کی طرح چہرے مہرے کی پیمایش سے نہیں چوکتا۔ اس کا اندازہ کبھی دھوکا نہیں کھاتا تھا۔ زرینہ اس شدت سے اس کے حواسوں پہ چھائی ہوئی تھی پھر بھی وہ شوٹ لگواتے وقت ہمیشہ اس کے بھونڈے ہاتھوں اور پیروں سے کیمرہ دور ہی رکھتا تھا۔ عشق میں اندھا ہوتے ہوئے بھی اس کی فنی غلطیوں کی کبھی درگزر نہیں کی۔

پدما کے یہاں سے تین بجے لوٹے تو ذہن پر سے سارا غبار ڈھل چکا تھا۔ دھرم نے وہاں بہت کم پی، باتیں خوب اور کھل کر کیں۔ نہ جانے کیا بات تھی پدما کی صحبت میں ساری جذباتیت صابن کی طرح دھل جاتی تھی۔

جب رندھیر اُسے اتار کر چلا گیا تو وہ دماغی طور پہ کافی صحت مند محسوس کر رہا تھا سونے سے پہلے ایک اور پیگ کے لئے دراز کھولی۔ بوتل خالی تھی۔ اِدھر اُدھر ڈھونڈنے لگا۔ کپڑوں کی الماری میں بوتل مل گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ البم بھی مل گئی جو اسٹل تیار کرنے والے نے اسے نجی طور پہ پیش کی تھی۔ جس کی قیمت اس نے اپنی مدراس کی فلموں میں اُسے کانٹریکٹ دلوا کر چکائی تھی۔ اس میں صرف اس کی اور زرینہ کی وہ تصویریں تھیں جو رہرسل کے دوران میں لی گئی تھیں۔ نہ وہ سین فلم میں جوڑے گئے تھے اور نہ ان کے اسٹل فوٹو باہر والوں کو دکھائے گئے تھے۔

وہ صبح تک ان تصویروں کو دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے اپنا سولہ ملی میٹر کا پروجیکٹر نکالا اور وہ سین دیکھتا رہا جو فلم میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ یہ فلم گندے یا قابلِ اعتراض نہیں تھے۔ دو انسانوں کے درمیان خوبصورت اختلاط کے فلم تھے۔ رندھیر سے اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان سب کو جلا دے گا۔ اور سب کچھ بھول کر نئی زندگی شروع

کرے گا۔ اس نے انہیں جلایا نہیں۔ سیف میں چھپا دیا۔

نئی فلم کا کام سٹارٹ ہو گیا۔ عجیب انسان تھا، ایک دم فلم کے خوبصورت ڈرامائی سین آجاتے تو جاگ اٹھتا، بڑی جاں فشانی سے دنیا کو بھول کر جٹ جاتا۔

پھر نہ جانے کیا ہو جاتا۔ کچھ دل کو چوٹ سی لگتی، وہ اپنے کمرے میں ہو جاتا اور شراب کی بوتل سینے سے لگائے کئی کئی دن کے لیئے بے کار ہو جاتا۔ کبھی بچوں سے ملنے جاتا اور منگلا سے ملاقات ہو جاتی تو دونوں کٹی کاٹ جاتے۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ چونکہ جونہی منگلا کو اس کے آنے کی خبر ملتی وہ ادھر اُدھر ہو جاتی۔

نئے فلم کے گانوں کے بارے میں نہ کسی نے اس سے پوچھا نہ اس نے توجہ دی۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ فلموں میں گانا نہیں چاہتی تھی۔ ویسے روپے کے لئے اُسے کام کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ دھرم اُسے بہت روپیہ دنیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ خود نہایت بے تکا آدمی ہے۔ منگلا ہی بچوں کے مستقبل کو سنوارے گی۔ اس لئے وہ اپنی ایکٹنگ کی کمائی تو سب کی سب اسی کو دے دیتا تھا۔

منگلا اپنے خاندان کے بعد اگر کسی چیز سے دلچسپی رکھتی تھی وہ تھا اس کا گانا۔ اتنے دن وہ صرف دھرم کے فلموں ہی کے لیئے گاتی رہی۔ اس لیئے اس کا فن محدود ہو کر رہ گیا۔ وہ سال میں ایک اور زیادہ سے زیادہ دو فلموں کے گانے گاتی، دوسرے پلے بیک گانے والے سینکڑوں گانے گا لیتے۔ مشق سے مہارت بڑھتی ہے ہر دلعزیزی بڑھتی ہے، سننے والوں کے کانوں میں بھی انہیں کی آوازیں پڑتی ہیں، زیادہ تر انہیں کے گانوں کی فرمائشیں ہوتی ہیں۔ انہیں کے ریکارڈ زیادہ تعداد میں بکتے ہیں۔ فلم مانگ کو نظر میں رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔ خواہ وہ اداکاروں کی مانگ ہو یا گانوں کی۔ منگلا اپنے ذہنی سکون کے لیئے گانا چاہتی تھی کہ زندہ ہونے کا احساس نہ ختم ہو جائے۔ وہ ہر طرح کا کوآپریشن کرنے کو تیار تھی، جو بھی اُسے لیتا وہ پینا پلانا بند کر کے بڑی سنجیدگی سے ریاض شروع کر دیتی۔ خود ریہرسل کے لیئے پہنچ جاتی۔ پیسہ مانگنا تو درکنار وہ ان کی ہر طرح مدد کو تیار ہو جاتی۔ دھرم دیو سے تعلقات بگڑنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ سب سے کٹ گئی۔ دھرم کے پاس ہی بلاوا آتا۔ اگر ضروری ہوتا تو وہ خود اپنے دوست احباب کے ساتھ چلا جاتا۔ اُس کے لیئے کوئی بہانہ کر دیتا۔ لوگ اُسے بھولتے جا رہے تھے۔ وہ لوگوں کے دلوں میں رہنا چاہ رہی

تھی ۔ چونکہ وہ غرض مند تھی، انڈسٹری کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ کوئی گریڈ ڈائریکٹر جیسے دوسرے کلاکار رعایت دینے سے انکار کر دیتے منگلا کے پاس ہاتھ پھیلاتا آتا ۔ ظاہر ہے نہ عام طور وہ بڑا میوزک ڈائریکٹر دیتا تھا نہ ہی اس کی فلم ہٹ ہوتی نہ اچھی ٹیکنیکل سہولتیں ملتیں ۔ فلم انڈسٹری اُبھرتے کلاکار کے پیچھے بھیک کا پیالہ لے کر بھاگتی ہے ۔ گرے ہوئے کو روندتی چلی جاتی ہے ۔ اتنی عظیم فنکار قعرِ گمنامی میں ڈوب رہی تھی ۔ اور تنکے کا سہارا نہ تھا ۔ وہ گمنامی اور بے توجہی میں کھو جانے کو تیار نہ تھی ۔ وہ دیکھ چکی تھی کہ ثریا کہاں گئی وہ جو کبھی چوٹی کی فلم اسٹار تھی جس کی آواز سن کر پتھر بھی تڑپ اُٹھتے تھے جو لاکھوں کے دل میں اپنی آواز کا جادو جگایا کرتی تھی، آج کہاں ہے ۔ وہ زندہ ہے اس کا گلا زندہ ہے مگر کون جانتا ہے ۔ وہ ثریا کی طرح ضد بھی نہیں کرنا چاہتی تھی، کہ فلم کی ہیروئن بنائی جائے تب ہی اس کی آواز ملے گی ثریا اپنی آواز کے ساتھ جسم کو نہ بھول سکی، منگلا سب کچھ بھول لینے کو تیار ہے کہ وہ ایک بڑے فنکار کی خوشحال بیوی ہے جو فلم کمپنی کا مالک ہے ۔ اس نے کوئی شرط نہیں لگائی، مگر اس کی مقبولیت بحال نہ ہو سکی ۔

صبح کسی گمنام سے پروڈیوسر نے اسے فون کیا تھا کہ شام کو گانے کی ریکارڈنگ کے بارے میں طے کرنے آئے گا ۔ مگر کوئی نہ آیا ۔ غریب بھاگتا پھر رہا ہوگا ۔ بھولی بھیلائیے ۔ میوزک ڈائریکٹر بھی کہاں تک مروت پر فلمیں بنواتے جائیں ۔ میوزیشین کو تو نقد دینا ہی پڑے گا ۔ پھر ریکارڈنگ کا خرچ، اور پہلے وعدے ہی پورے نہ ہوئے ہوں گے ۔ ایک وہ ہی تو ٹھالو پڑی ہے چند آوازیں ہیں کس کس کے ساتھ رعایت کریں ۔ اور کب تک کریں ۔ بمبئی کے نوے فیصدی پروڈیوسر کڑکے ہیں ۔

کرانتے میں گھنٹی بجی سوچا شاید پروڈیوسر دیر سویر آ ہی گیا، مگر جب ایک لمبا دبلا پتلا سا لڑکا جھینپا شرمایا اندر آیا تو وہ اسے پہچان بھی نہ پائی ۔ جب اس نے اپنا نام و نشان بتایا تو چونک پڑی ۔

”وہ کون، فریدا باپ رے باپ کیا اونٹ کا اونٹ ہو گیا ۔ ارے منیر کہاں ہے رے ۔ بیٹھو ۔“

”منیر کالج گیا ہے ۔“

”اور تم نہیں گئے کالج ۔“

"میں۔ میں نے تو ایف ایس سی سے چھوڑ دیا۔"

"اچھا، اب کیا کر رہے ہو؟"

"کچھ خاص نہیں۔ دھرم جی نے کہا تھا، پھر ٹیسٹ لیں گے۔ سائیڈ رول ہے، اسی کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔"

ابھی منگلا اور دھرم کی علیحدگی کا چرچا عام نہیں ہوا تھا اور فرید تو ابھی انڈسٹری میں داخل ہی نہیں ہوا تھا۔ فلمی شوہر گھروں پہ کم ہی ملتے ہیں۔ منگلا نے دھرم کی غیر حاضری کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

"ارے ان کے کہنے کا کیا ٹھیک۔" مگر پھر وہ سنبھل گئی "وہ بھول گئے ہوں گے۔"

"میں یہ پوچھنے آیا تھا کہ شوٹنگ ہے کہ نہیں، انھوں نے کہا تھا کہ شوٹنگ شروع ہو گی تب سیٹ پر ہی ٹیسٹ لیں گے۔ ٹیلی فون پہ کوئی ٹھیک سے جواب نہیں دیتا۔"

"فلم لائن پسند ہے۔"

"ہاں اگر چانس مل جائے تو......"

"ارے بڑی گندی لائن ہے۔ کچھ اور کام کرو نا۔"

"کہاں ملتا ہے کام۔" ایک فلم لائن ہے جہاں قابلیت دھری رہ جاتی ہے۔ بس قسمت چلتی ہے۔"

"ارے دنیا میں بہت کام ہیں۔"

"مگر فلم لائن میں کیا برائی ہے۔"

"کیا برائی نہیں، یہ پوچھو، تم تو مزے کرتے پھرو گے بیوی سر پکڑ کر نصیب کو روئے گی۔"

"بیوی ہے ہی نہیں تو روئے گی کہاں سے۔" وہ ہنسا۔

"کبھی تو آئے گی۔"

"کیوں آئے گی، میں شادی ہی نہیں کروں گا۔"

"ہائے رام، گھر نہیں بساؤ گے۔" منگلا اپنی دھن میں کہتی چلی جا رہی تھی۔ اُسے یہ باتیں نہیں چھیڑنی چاہئیے تھیں۔

فرید کا باپ کسی زمانے میں بڑا زبردست ہیرو تھا۔ اس کی فلمی بیوی ایک

آرٹسٹ کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ تب فرید پانچ برس کا ہوگا۔

"وہ چائے لوگے کہ کچھ ٹھنڈا؟"

"جی اب چلوں گا..... آپ دھرم جی کو یاد دلا دیجیے گا۔ پہلے بھی انہوں نے وعدہ کیا تھا۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"ارے بیٹھو نا۔" ان دنوں منگلا اکیلی بیٹھی اوب جایا کرتی تھی۔ کوئی بھولا بھٹکا آن پھنستا تو اسے اٹھنے نہ دیتی۔ وہ تنہائی سے ڈرنے لگی تھی۔

"ارے بیٹھو نا......" اس نے فرید کی آستین پکڑ کر بٹھا لیا جب اس نے وہسکی پیش کی تو فرید سٹپٹا گیا۔

"کیوں؟ پیو نا بہت ذرا سی دی ہے۔ میں نے۔"

"نہیں۔" فرید تکلف کرنے لگا۔

"ارے اتنا بڑا تاڑ سری کا ہو گیا، کیا ابھی تک دودھ ہی پیتا ہے۔" منگلا موڈ میں تھی۔

"ڈیڈی....." وہ جھجک گیا۔

"تیرے ڈیڈی نہیں پیتے؟ خوب پیتے ہیں، کبھی تجھے نہیں پلائی؟ سچی کہہ جھوٹ بول رہا ہے۔" فرید ہنسنے لگا۔ "یار دوستوں کے ساتھ چکھی تو ہے۔"

"تو بس لو..... دو بوند تو ہے ہی۔" بڑے تکلف سے اس نے گلاس لے لیا۔

منگلا اس کی صورت دیکھتی رہی۔ ابھی کل ہی کی بات تو تھی جب وہ نئی نئی بیاہ کر آئی تھی۔ تو مشکل سے وہ اس کے کندھے تک آتا تھا۔ کبھی گیند لینے اس کے کمرے میں آجاتی تو لڑکیوں کی طرح لال کرتہ ہونٹا آتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھ فٹ اونچا ہو گیا مگر چہرے پر ابھی تک بچپن نظر آتا تھا۔ لڑکوں کے اتنے سرخ ہونٹ اچھے نہیں لگتے۔ جیسے لپ اسٹک لگی ہو۔ ابھی زہر حلق سے نہیں اترا!

فرید کی شربتی آنکھیں تین چار پیگ میں سیاہ پڑ گئیں۔ اور ہیرے کی کنی کی طرح دمکنے لگیں۔

منگلا اسے رخصت کرنے اٹھی تو ساڑھی پیر میں الجھ گئی۔ اس سے پہلے کہ منہ کے بل گرتی دو مضبوط ہاتھوں نے اسے تھام لیا۔

وہ خود کو چھڑا کر جلدی سے اپنے بیڈروم میں ہانپنے لگی جیسے بہت دُور سے بھاگی چلی آرہی ہو۔ ساڑھی کا پلّو کھینچ کر اُس نے اپنے گرد لپیٹ لیا۔ اور وہیں قالین پر بیٹھ گئی۔ اُس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ جیسے جاڑا بخار چڑھنے والا ہو۔ اکثر ایسا ہونے لگا تھا۔ ڈاکٹر کہتے تھے شراب پر قابو ہونا چاہیے۔ یہ اُس کے بس کی بات نہ تھی۔ اس بھنور میں ایک بار پھنس کر پھر کون چھٹتا ہے۔ اور وہ تو ایک کمزور ابلا تھی۔ زندگی کی نامرادی اور تنہائی نے اُسے بے دم کر دیا تھا۔ شراب اس کا آخری ساتھی تھی۔

یہ کیا ہو رہا ہے مجھے؟ ابھی اگر میرا دم نکل جائے تو؟ بے اختیار اُسے دھرم یاد آیا۔ ایسا بے رحم تو نہیں، کہ مرتی ہوؤں تب بھی نہ آئے۔ یہ اُس نے کیا کر دیا۔ دھرم کیا اتنی دور چلا گیا ہے۔ کہ مُڑ کر بھی نہ دیکھے گا۔ نہیں ایک بار اُسے آنا ہی ہوگا۔ پھر وہ اُسے اپنی باہوں میں جکڑ لے گی۔ جانے نہ دے گی۔ بس ایک بار اس کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لے گی پھر کبھی نہ کھولے گی۔

وہ فون کرتی رہی۔ اینگیج کی آواز آتی رہی۔ بڑی مشکل سے کنکشن ملا۔

"ہلو— میں کیشو بول رہا ہوں دیدی!"

"انھیں ٹیلی فون دو۔"

"کیا بات ہے دیدی میں آؤں؟"

"نہیں ....." وہ زور سے چیخی۔ جیسے کیشو اس کے دل کا حال جان کر فعل بد کی دھمکی دے رہا تھا۔

"بچّے تو ٹھیک ہیں؟"

"ہاں ٹھیک ہیں، انھیں بلا دو۔" منگلا نے لجاجت سے کہا۔

"دیدی ..... وہ اگر کوئی بہت ضروری کام ہو تو ......"

"کمینہ۔ حرام زادہ۔" منگلا نے فون پٹخ دیا۔ وہ تازہ پیگ انڈیل رہی تھی۔ کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

"ہلو ..... میں رندھیر بول رہا ہوں۔"

"وہ کہاں ہے ذرا بلائیے۔" منگلا کو میوزک اور قہقہوں کی آواز سنائی دی۔

"تم اسٹوڈیو سے بول رہے ہو نا؟"

"جی...... جی ہاں" زندھیر کی آواز کپڑے میں لپٹی ہوئی سی معلوم پڑتی تھی۔
"وہ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ ابھی سوئے ہیں...... بخار بھی معلوم ہوتا ہے"
منگلا سر سے پیر تک لرز رہی تھی۔ "یہ سب میرے دشمن ہیں۔ سب کی ملی بھگت ہے۔ مجھے چڑانا چاہتے ہیں۔ گیدڑ شیر کی دُم سے لگے ہوئے ہیں۔ جیتا نہیں چھوڑیں گے" وہ اور بھی ڈر گئی

"بہت ضروری کام ہو تو......"

"مجھے روپیہ چاہیے" اس نے بڑی کھری آواز میں کہا۔

"ایں؟ اچھا اچھا میں صبح ہی بھجوا دوں گا۔ اور کوئی کام؟"

"نہیں" اس نے ہولے سے فون رکھ دیا۔ خالی ہاتھ گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔ بمبئی کا پچھلے پہر کا سناٹا دل پر ہول بن کر چھا گیا۔ آبادی سے دور یہاں ڈھنڈھار بنگلے میں وہ تین بچوں کے ساتھ نوکروں کے رحم و کرم پڑی ہے کسی کی نیت خراب ہو جائے تو گلا کاٹ کے ڈال جائیں۔ کوئی اپنا نہیں۔ پکارو تو کوئی سنے گا بھی نہیں۔ اسے ہر کھڑکی اور دروازے سے ڈر لگنے لگا کہ ابھی دروازہ کھلے گا ڈھاٹا باندھے کوئی ننگی چھری چمکاتا اس کی اور بڑھے گا۔ تب اس کے حلق میں آواز گھٹ جائے گی۔

اس نے اٹھ کر جلدی سے کھڑکیاں بند کریں۔ دروازوں کو دیکھ کر تسلی کی۔ اور بھی وحشت بڑھنے لگی۔ وہ تیر کی طرح بچوں کے کمرے میں گئی۔ آیا فرش پر سو رہی تھی۔ دبے پاؤں وہ چوری چوری تینوں کو اٹھا کر اپنے کمرے میں لائی۔ پلنگ نرم گرم جسموں سے لبریز ہو گیا تب ڈھارس بندھی۔

رام جانے وہ کون سے جنم کی بات تھی۔ مدھ بھری آنکھوں والے ایک لڑکے سے املی کے پیڑ کی سبز چھاؤں تلے کوئی پیارا سا خواب دیکھا تھا۔

کون تھا وہ؟ بھلا سا نام تھا۔

زندھیر ٹیلی فون کے رسیور پر ہاتھ رکھے تھکا ہوا بیٹھا رہا۔ جب منگلا نے دھرم کو فون کیا تو وہ کیشو نے اٹھایا کیونکہ وہ وہاں مدراس کی ٹرنک کال کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب منگلا نے ٹیلی فون پٹخ دیا تو اس نے زندھیر کو فون کیا جو اس

وقت پدما کے ہاں سے بول رہا تھا۔ دھرم کو ٹیلی فون پر بلانے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا تھا۔ کیونکہ وہ پدما کی برتھ ڈے منا رہا تھا۔

آج بہت دن بعد دھرم دیو کو موڈ آیا تھا اس نے دن بھر بڑے جوش و خروش سے نئی فلم کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا۔ سیٹ کی ڈیزائن پاس کر دی۔ پندرہ دن سے کم میں تیار نہیں ہوگا۔ یہ موڈ تو بس "پورنما" کے بعد کہیں غائب ہی ہو گیا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے اس کے دو چار دوست بھی آن پہنچے رام سنگھ، رحمن اور رمی بھی دو دہکتی ہوئی لڑکیوں کے ساتھ آن دھمکا۔ رتیا کو اس کی نئی جگہ کا پتہ چل گیا تھا اور وہ شبخون کا عزم کئے بیٹھی تھی۔ اس لئے وہ اسے چکمہ دے کر ادھر کھسک لیا۔ کار میں دوسرا سامانِ عیش بھی تھا۔ اس دن پدما کی سالگرہ بھی تھی کسی کو یاد بھی نہ تھا کہ صرف چار مہینے پہلے اس کی سالگرہ ہو چکی ہے۔ گزشتہ بارہ چودہ برس میں کم سے کم پچیس برتھ ڈے پارٹیاں دے چکی تھی۔ مگر ابھی مشکل سے بائیسواں سال لگا تھا۔

کیا قیامت تھی چودہ برس پہلے نہ جانے کتنے پروڈیوسروں کے تختے لوٹ گئے مگر وہ ہیروئن نہ بن سکی۔ دیکھنے میں سیکس اپیل کا استعارہ تھی پر کیمرے کی آنکھ سے ہونّق نظر آتی تھی۔ اس وقت اپنی کھال سے بھی زیادہ چُست بروکیڈ کی قمیض اور چوڑی دار پاجامہ پہنے تھی۔ اور سٹرک کوٹنے کے انجن کی طرح اپنے عاشقوں کو پیس رہی تھی۔ اس کا دوپٹہ نہ جانے کہاں کہاں سے ہوتا ہوا اس وقت دھرم دیو کے گلے میں حمائل تھا۔ لڑکیاں کم اور مہمان زیادہ تھے۔ اس وقت وہ اس چابکدستی سے مورچہ سنبھالے تھی کہ دس کا کام نمٹا رہی تھی۔ دھرم اس وقت نیلی چارخانہ کی تہبند اور لکھنؤ کے چکن کے کرتے میں بالکل رنگیلے تتا بنا ایک کمسن سی لڑکی کی ہتھیلی پر وسکی انڈیل کر چسکیاں لگا رہا تھا۔ وہ کھلکھلا رہی تھی۔ اور لوگ تالیاں بجا رہے تھے۔ رمی یوں اُسے میدان مارتا دیکھ کر فنفنا اٹھا اس نے اپنے پہلو میں مچلتی ہوئی مرغی کو اوندھا لٹا یا۔ کرتا ہٹا کر اس کی پشت کی نالی میں رم ڈال کر سٹرالیے لگانے شروع کر دیئے۔ اس جدّت پر اور تڑپ لگے اور سب ہی اپنی اپنی ذہانت کے مطابق لڑکیوں کے ساغر بنانے لگے۔

فون رکھ کر رندھیر تھکے تھکے قدموں سے واپس ٹیرس پر آیا۔ دھرم اس مجمع میں

نہیں تھا۔ چاروں طرف نظر دوڑائی ہا سب سے الگ وہ اکیلا منڈیر پر جھکا ہوا تیسری منزل سے نیچے سیمنٹ کی پکی سڑک پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔

"بات نہیں بنے گی، شاید صرف ہاتھ پیر ٹوٹ جائیں!" اُس نے مسکرا کر کہا۔ دھرم بھی ہنسنے لگا۔

"دیکھو یہاں سے کس قدر خوبصورت شوٹ بنتا ہے۔" دھرم نے ہاتھوں سے کیمرے کا فریم بنا کر دیکھا۔ "بس وہ ایک لیمپ پوسٹ اور پاس پڑا ہوا ڈرم۔

"واللہ یار آدمی تم کام کے ہو۔ کیا ہی اچھا ہوتا جو تم ہم سے عشق کرتے۔"

"تم بھی ہمیں ترساتے۔" دھرم آ کر قالین پر لیٹ گیا۔

"نہیں دوست ہم تو تمہارے قدموں میں دم توڑ دیتے اور اُف نہ کرتے!" رندھیر اُس کے پاس پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ دھرم آدھا لیٹا رمّی کی خرمستیاں دیکھ دیکھ کر ہنسنے لگا۔ اُس نے قمیض اور بنیان اتار پھینکا تھا اور گھوڑا بنا چڈھی دے رہا تھا۔ اس کی پیٹھ پر ایک تیتا سی چھوکری بیٹھی ٹخ ٹخ کر رہی تھی۔

سرتیا ایک موٹے سے بنوی کے کپتان کے گلے میں ڈوپٹے کا پھندا ڈالے شیمپین کے گلاس کی ڈگڈگی بجا رہی تھی۔

"ناچ جمورے۔ ڈگ۔ ڈگ۔ ڈگ.....!" اور وہ بھالو کی نقل میں اچھل رہا تھا۔

توی میکل چرن سنگھ منہ کھولے چت پڑا تھا۔ ایک گول مٹول ٹوہ سی حسینہ اس کی چٹیل چھاتی پر پالتی مارے بیٹھی تھی۔ اور منہ میں قطرے ٹپکا رہی تھی۔ اس کی نارنجی قمیض کے چاک اُدھر تک پھٹے ہوئے تھے۔

"بھابی کا فون آیا تھا۔" رندھیر نے اس کی گنجی ہوتی ہوئی چاند پر کلے کی انگلی سے دائرہ بناتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" بڑی لمبی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"یہاں نہیں۔ دفتر میں آیا تھا کیشو نے مجھے کہا۔" دھرم کا چہرہ سفید ہونے لگا۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"روپیوں کی ضرورت تھی۔"

"اوہ!" وہ پھر واپس لیٹ گیا۔ اس کی ضرورت کس کو نہیں۔

"میں نے کہہ دیا صبح بینک کھلتے ہی بھجوا دیے جائیں گے۔"
"صبح کیوں؟ مجھے کہا ہوتا تم نے۔" وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔
"ہلو۔۔۔۔ کیشو۔۔۔۔ فون آیا تھا، روپیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔"
"اماں پوری بات تو سنتے نہیں لو کھلائے دیتے ہو۔ مجھ سے کہا تھا روپوں کا۔ تمھیں پوچھ رہی تھیں۔ تم اس لونڈیا میں مشغول تھے، میں کیا کہتا؟"
"یار چلو بور ہو گئے۔" دھرم نے اکتا کر کہا۔ رندھیر کا منھ اتر گیا
"کہاں جا رہے ہو۔ مجھے اتارتے جاؤ۔"
"دیکھیں منگلا کو کیا ضرورت آن پڑی۔ تم موٹر لے آنا۔ مگر میں نے پرسوں ہی نو ہزار دیے تھے۔ اتنی جلدی پھر ضرورت پڑ گئی۔"
"کیا ارادہ ہے؟" پورٹیکو میں موٹر روک کر دھرم خاموش بیٹھا رہا تو رندھیر نے پوچھا۔
"بڑی رات ہو گئی ہے۔ سو گئی ہو گی۔"
"پھر؟"
"صبح روپے بھجوا دینا۔ دھرم نے لمبی سانس لی اور موٹر اسٹارٹ کی۔
"تمھارے ہاں چلیں؟"
"چلو مگر وہ بھتنی رات بھر لڑے گی، نیند حرام ہو گی۔"
"نیند آتی کس حرام زادے کو ہے۔"
"کیشو ہے نا گھر پر۔"
"اچھا تو کل جلدی ہی آ جانا، گانے کا ریہرسل ہے۔"
"جلدی ہی لو۔"
جب موٹر آ کر رکی تو نہ جانے کیوں منگلا نے دم سادھ لیا اور پیروں کی چاپ پر کان لگا دیے۔ موٹر پھر مڑ کر روانہ ہو گئی۔ قدموں کی چاپ نہ آئی۔ کوئی نہ آیا۔ کون آتا ہے۔ آہ بھر کے اس نے پھر آنکھیں موند لیں۔
اس بار اس نے رندھیر کو بیچ میں نہیں ڈالا۔ رندھیر کو اس کے دل کا حال کیا معلوم؟
اس نے کیشو کے آگے دل چیر کر رکھ دیا۔ اس طرح نہ وہ سوچ سکتا ہے

نہ فیصلہ کرپاتا ہے ۔ یہ فلم بھی ڈبے میں جائے گی ۔

کیشو کے ہاں کسی نے سات پشت سے عشق نہیں کیا تھا ۔ پندرہ سولہ برس کی عمر میں شادی ہوگئی جیسے وہ بغیر کسی چون وچرا کے نبھا رہا تھا ۔ دنیا میں ہوتے ہیں ایسے بھی لوگ جنہیں نہ عشق کا شوق نہ سلیقہ ۔ فلم لائن میں اس نے اتنی ٹھوکریں کھائیں کہ بھوسہ نکل گیا ۔ اس کی ساری جوانی دولت کمانے کا کوئی ذریعہ تلاش کرنے میں لٹ گئی ۔ دھرم کے ساتھ اسے پہلی بار پیروں تلے زمین جمتی نظر آئی ۔ اس کی سمجھ میں آج تک نہ آیا کہ عشق کیا ہوتا ہے جس کے پیچھے لوگ روپے کا نقصان کرلیا کرتے ہیں ۔ روپیہ کمانے سے بھی زیادہ دلچسپ مشغلہ کوئی ہوسکتا ہے ۔ ہاں عورت ہے ۔ ایسی ہی جیسے روٹی ہے ۔ چارپائی ہے ، نہانا دھونا ہے ، ٹٹی جانا ہے ۔ اس میں ایسی قباحت ہی کیا ہے ۔ جو تمیض ثابت ہوئی وہ پہن لی ۔ کیسے کپڑے کی ہے ۔ رنگ کیسا ہے یہ نہ اس نے کبھی دیکھا اور نہ سوچا ۔ کوئی احمق دیکھ سکتا ہے ۔

وہ بڑی ہوشیاری سے پہلے ہی وار میں امینہ سے ملاقات میں کامیاب ہوگیا ۔

"کلر فلم ہے ، پچاس لاکھ سے کم نہیں بیٹھے گا ، بارہ گانے ہوں گے ۔ پر فنا فٹ بنے گی ۔" اس نے فوراً بزنس شروع کردی ۔ "دو میں نے صاف کہہ دیا دھرم جی یہ پکچر گوڑنے کی نہیں اسے تو آپ ہی بنائیں گے ۔"

"اچھا ؟" امینہ ذرا بھی مرعوب نہ ہوئی ۔ مگر دل رکھنے کو کہہ دیا ۔

"قسم سے کیا رول ہے ۔ مدھوبالا تو بس تڑپ اٹھی ۔" اسے یاد بھی نہ رہا کہ مدھوبالا تو انارکلی بھی کبھی کی دیوار میں چن دی گئی ۔ "وجنتی کچھ ٹھیک ہے ۔" اس نے بات سنبھالی ۔ "دو مگر میں نے کہہ دیا یہ رول تو بس ایک ہی اسٹار کر سکتی ہے اور وہ اپنی زرینہ جی ۔ تو بس آپ شام کو آکر کاسٹیوم کا ناپ دیدیجئے ۔"

"دو کون ہیں ؟" امینہ بدذاتی پر اتر آئی ۔

"دو ہیں ہیں ۔" وہ بڑی دریادلی سے ہنسا ۔ "وہ آپ سمجھتی ہیں ، امینہ جی وہ تو بچہ ہیں ۔ آپ ہی سب کچھ ہیں ، بزرگ ہوئیں نا ۔"

"دو یہ آپ کی غلط فہمی ہے ۔ بہن تو ہوں ، مگر وہ سب فیصلہ اپنی مرضی سے کرتی ہے ۔ بات یہ ہے کیشو جی زرینہ کے پاس بالکل وقت نہیں ۔ چھ پکچر ہیں ۔

اور سب بڑے بڑے ہیرو بڑے میوزک ڈائرکٹر کی بیں تو گنتی نہیں، مدراس کے تین کانٹریکٹ ہیں اور تین کا آفر آیا ہے۔ اتنی فلموں میں کام کرنے سے مٹی پلید ہو جاتی ہے۔" اینہ بھی ٹہلنے پر دلا ٹیکا لے لگی۔ "ارے زرینہ تیار ہو جاؤ۔ تین بجے ہیں، ساڑھے تین بجے پکچر شروع ہو جائے گی۔" وہ اٹھنے کے لیے پیر سے چپل ٹٹولنے لگی۔

"اچھا کیشو جی!"

"سنیئے تو۔" کیشو نے ریل چھوٹتے ہی دیکھ کر جلدی جلدی تیلیاں پھینکنا شروع کیں۔ دھرم کے دل کا سکون ہے تو کمپنی چلتی ہے۔ کمپنی چلتی ہے تو اسٹاف کی روٹی چلتی ہے۔" وہ سب شرطیں ماننے کو تیار ہیں۔" اس نے بلند پھینک ہی دیا۔

"شرطیں؟"

"ہاں زندھیر جی سے بات ہوئی تھی نا فورین میں۔" اس نے بڑی راز داری سے کہا۔

"اوہ۔۔۔۔۔۔ ہوں۔"

"اب تو وہ مستقل پیڈر روڈ آگئے ہیں۔ وہیں رہتے ہیں، آتے جاتے بھی نہیں۔"

"ہوں۔" وہ غوطہ مار گئی۔

کیشو کے سر میں خون ابلنے لگا۔ ایسی بنجیری ہے کہ صاحب کے نائی بن کر پیغام لائے ہیں۔ جی چاہا دل کھول کر کھری کھری سنائے اور رستہ ناپے۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"میں۔۔۔۔۔۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا سوچوں، ایسا کیجیے آپ زرینہ سے بات کر لیجیے۔" وہ لپک کر زرینہ کو پکارتی اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر دونوں کھسر پسر کرتی رہیں۔ پھر زرینہ سہمی ڈری پنجوں کے بل آئی۔ غم واندوہ کی تصویر بنی کرسی کے کنارے پر ٹک گئی۔

"تمھیں تو اندازہ ہوگا زرینہ جی وہ اپنی زندگی سے اکتا گئے ہیں۔ کسی کام میں من نہیں لگتا۔ رات دن پیتے ہیں۔ اگر یہی حال رہا تو۔۔۔۔۔" اس نے بڑے ڈرامائی موقع پر جملہ توڑا۔

زرینہ کی آنکھوں میں ساون جھوم آیا۔

"اگر انہیں کچھ ہوگیا تو ان کا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔"
زرینہ نے ایک سسکی لی اور ہرنی جیسی بڑی بڑی آنکھوں سے خلاء میں گھورنے لگی جیسے دھرم کی ارتھی کا جلوس جا رہا ہو۔
"مگر دیدی۔" زرینہ نے آنچل سے منہ ڈھانک لیا اور لمبی لمبی سانسیں کھینچنے لگی۔
"ان کی فکر نہ کرو۔"
"کیسے ان کی فکر نہ کریں کیشو جی۔ تین بچوں کی ماں ہے۔ مذاق نہیں۔ آپ انہیں سمجھاتے کیوں نہیں۔ مدراس میں وہ اور رشمی کیا راس رچاتے ہیں۔ بڑے لوگوں کے بڑے شوق، پورے پورے وہسکی کے کیس ایک رات میں ختم۔" زرینہ اٹھ کر بھاگ گئی۔ امینہ ساڑھی بدل کر آگئی۔
"ارے جی ٹھکانے لگے گا تو یہ سب ختم ہو جائے گا۔"
"اچھا جی یہ کہ ٹھکانے لگنے کا نام نہیں لیتا، گھر میں تین بچوں کی ماں ہے۔ مدراس میں خانگیوں کی فوج ہے۔ باندرہ میں پدما دیوی ہیں۔ اور سنتیا دیوی الگ پیڈر روڈ کی رونق بڑھانے کو آتی جاتی رہتی ہیں۔"
"اور یہ سب کس کا قصور ہے۔" کیشو بھی بھپٹ پڑا۔ "وہ اتنی فلمیں بنائیں کبھی دیدی سے آدھی بات کی نوبت نہیں آئی۔ تمہارے آتے ہی سب بھسم ہوگیا۔"
"جانے دیجئے، آپ تو ایسی باتیں کر رہے ہیں جیسے دھرم جی کو جانتے ہی نہیں۔ آج زرینہ کے بہانے اپنی گنوتی کو چھوڑ رہے ہیں۔ کل کوئی اور نئی نویلی آنکھوں میں اتر آئی تو اسے چھوڑ کے اس کو سنبھالیں گے۔ کاہے کو بے زبان منگلا کا صبر سمیٹتے ہو۔" امینہ نرم پڑ گئی۔ "اور پھر وہی جھگڑا کھڑا ہوگیا تو آپ لوگ کیا کریں گے۔"
"کیسا جھگڑا؟" کیشو کا سر چکرا رہا تھا۔
"آپ یہ سب کچھ کمپنی کی خاطر کر رہے ہیں؟"
"آ...... ہاں...... ویسے دھرم کے بارے میں جو میں نے کہا وہ جھوٹ تھوڑی کہا۔ ان سے مل کر ان کی حالت تو دیکھو۔ تمہارا جی پگھل جائے گا۔"
"لیکن آپ کو تو کمپنی کی پڑی ہے۔ دیدی چپ چاپ سہہ لیں گی، پھر وہی میوزک سٹین اور پلے بیک سنگر گڑبڑ کریں گے۔ پھر گانوں کی مصیبت ہوگی۔"
کیشو بری طرح لاجواب ہوگیا۔ بے حد سٹپٹا گیا۔ "نہیں شاید اب کے کچھ

نہ ہو۔" اُس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"اور ایک شاید کے بھروسے پر آپ اتنا بڑا جوا کھیل رہے ہیں۔"

کیشو کے جانے کے بعد زرینہ نے جھانکا۔

"گیا؟" اس نے شرارت سے آنکھیں جھپکائیں۔

"ہاں گیا۔ حرام زادہ، سور کا بچہ کمینہ کہیں کا! اس بچے کی دلالی کرنے چلا ہے۔ سب کی روزی لگی ہے نا، اس لئے مسکہ لگاتے ہیں۔ اس کی پیٹھ ٹھوکتے ہیں۔ بونس دیتا ہے۔ نا تو کیا اس کی ناز برداریاں کرتے ہیں، جو کل کو دیوالہ نکل جائے تو کوڑی کے تین کوئی نہ پوچھے۔ سب اسے چھوڑ کے کسی دوسرے تازہ دم کی پونچھ سے ٹنک جائیں گے۔

زرینہ دور جانے کہاں چلی گئی تھی۔

"کیا سوچنے لگیں؟" امینہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ کلر میں ہے فلم!"

"کیا ارادے ہیں؟"

"کچھ نہیں امینہ آپا کچھ بھی تو نہیں۔" اس نے منہ پھیر لیا۔

"مدراس کی دونوں فلمیں کلر میں ہیں۔ یہاں کی بھی تینوں کلر ہوں گی۔"

"بھی، مدراس کی فلمیں دھوں دھاں کے سوا ان میں ہوتا ہی کیا ہے۔ سارے وقت کیمرہ دلیپ کمار جی پر رہے گا۔ وہی گائیں گے ناچیں گے، کودیں گے۔ ہم ایک کونے میں دانت نکوسے کھڑے رہیں گے۔

"تو یوں کہو نا صاف صاف نیت خراب ہو رہی ہے۔"

"نیت تو اس رول پر ہمیشہ سے خراب تھی۔"

"اور رول کے ساتھ جو تیخ لگی ہے وہ۔"

"وہ تم نے لگائی ہے۔"

"زری میں شام کی گاڑی سے جا رہی ہوں۔"

"بس دھمکیاں دینے لگیں، آپا.... میری جان غصہ نہ کرو ـــــ تجھے خفا کر کے کیسے جیوں گی۔" زرینہ اس کے گلے میں جھول گئی۔

"زرینہ سچی سچی بتائے گی؟" امینہ نے بڑی احتیاط سے پوچھا۔

"پوچھو تو" زرینہ چہک کر بولی۔

"اگر ایسی بات تھی تو پہلے بیکار کا کیوں طوفان اٹھایا۔

"انیل کا کانٹریکٹ وعدہ کیا اور مکر گئے"

"تو نے کہا ہوتا"

"باپ رے۔ وہ زور کا لپڑ مارتے کہ طبیعت ہری ہو جاتی" امینہ بڑی حسرت سے اُسے دیکھنے لگی۔ پھر اسے گود میں گھسیٹ لیا۔

"کیا وہ نامراد گورو بھی لپڑ مارتا تھا"

"ہاں" زرینہ نے سر ہلا دیا۔

"خدا غارت کرے ان حرامیوں کو۔ ان کی قبر میں کیڑے پڑیں۔ تو اُس کمبخت سے ڈرتی ہے۔ پھر بھی اس مردوئے پر مٹی دھری ہے"

"مردوئے کو تو میں نہیں جانتی، ڈائریکٹر پہ مٹی دھری ہوں"

"اس میں اور حرام زادے گورو میں کیا فرق ہے؟"

"فرق تو کچھ بھی نہیں۔ آج میں جو کچھ ناچ لیتی ہوں وہ اُسی نے سکھایا اُس کے آگے کوئی بھی نہ سکھا سکا۔ جیسا رول میں نے "پورنما" میں کیا ہے، کبھی نہ کر سکوں گی۔ نہ "ترشنا" کی گلابی پھر پیدا ہوگی۔

"اور جو گورو دکشنا دینی پڑی اس کا تجھے کوئی دکھ نہیں؟ کوئی شرم نہیں"۔

"جب تھپیڑ لگتا ہے تو دکھ ہوتا ہے پھر مٹ جاتا ہے"

"لٹنے کے بعد عزت واپس نہیں ملتی"

"مگر آپا تم سی تو کہتی ہو سب سے کہ لوگ بکتے ہیں۔ جھوٹ اڑاتے ہیں دولھا بھائی کو تم نے قائل کر دیا تھا کہ نہیں، کہ فلم لائن میں کسی کے پاس سرٹیفکیٹ ہے کہ عزت لٹی یا نہیں۔ ویسے بھی دنیا تو ایکٹریس کو بدکار ہی کہتی ہے۔

"زرینہ تو نے ناحق فلم لائن پکڑ لی تو تو اول درجے کی وکیل بن سکتی تھی"۔

صُبح جب کیشو نے روپے لا کر دیے تو وہ رات کا واقعہ بھول بھی چکی تھی۔

"یہ روپے کیسے؟"

"رات بولا تھا نا رندھیر جی سے۔"

"اوہ۔ ہاں۔" بغیر گنے اس نے روپے کُشن کے نیچے سرکا دیئے۔

"رات بہت دیر تک کام چلتا رہا۔ گراؤنڈ پلان بناتے رہے۔ کلر ہے نا پھر رندھیر جی کے ساتھ اسکرپٹ پر کام کرتے رہے۔"

"پدما کے ہاں؟" منگلا نے رکھائی سے کہا۔ رتنا اُسے صبح ہی فون پر بتا چکی تھی، اس کی سہیلی کی سہیلی بھی گئی تھی۔ وہ گندا اُچھلا ہے کر تو یہ ارمیٰ ابھی تک لاپتہ ہے۔ اس نے ایک ادر فلیٹ چھپ کے خریدا ہے مگر جاتا کہاں ہے، اس کا بھی سراغ لگ جائے گا۔ یہ لفنگے سمجھتے ہیں وہ کچھ نہیں جانتی۔

"ہیں ہیں ہیں۔" کیشو کھسیانہ ہو گیا۔ بابا پوری جادوگرنی ہے۔ اُس نے سوچا۔

اس کے جانے کے بعد ہارمونیم گھسیٹ کر دھنیں گنگنانے لگی۔ ہزاروں گیت اُمڈ پڑے۔ وہ گیت جو اُس نے دھرم کے کان میں املی کے پیڑ کی چھایا میں گنگنائے تھے۔ کس پیار اور ارمان سے وہ دھرم کے لیئے گایا کرتی تھی۔ وہ پاس لیٹ جاتا۔ اس کا ہاتھ کمر میں شرارتیں کیا کرتا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ دھونکنی چلاتا جاتا۔

جب وہ کوئی بہت ہی بےسرا ٹکڑا الاپتی تو وہ اس کا سر جھکا کر ہونٹوں کو چوم لیتا۔ ہارمونیم چپ ہو جاتا۔ لب گنگ ہو جاتا اور دلوں کے ساز گونج اٹھتے۔ پھر گیتوں میں اور بھی رس آ جاتا۔ کتنا مزہ تھا ان ریہرسلوں میں۔ دھرم تو پیار کو بھی ریہرسل کہا کرتا تھا۔ دھڑلے سے سب کے سامنے کہہ دیتا۔

"بھئی ہم لوگ جا رہے ہیں۔ ریہرسل کرنا ہے۔" اور منگلا شرم سے پانی ہو جاتی۔

صدیاں بیت گئیں ریہرسل کئے، جگ بیت گئے ساز دل گونگا پڑا ہے۔ کلیجے میں ایک ہوک سی اٹھی۔ ہاتھ بڑھا کر رم کی بوتل اٹھائی، نہار منہ کئی گھونٹ حلق سے اتار لئے۔ جب کلیجے کی جلن کم ہوئی تو اس نے ٹیلیفون اٹھایا۔

"فرید ہے۔ میں مسز دھرم دیو بول رہی ہوں۔"

"اچھا اچھا، کہئے مزاج تو اچھا ہے۔" فرید کا باپ نذیر بول رہا تھا۔

"جی، وہ فرید نے کام کے لئے کہا تھا۔"

"ہاں دھرم صاحب نے وعدہ تو کیا ہے۔"

"میں شری ساؤنڈ جا رہی ہوں۔ نندا جی کی ریکارڈنگ ہے۔ ان کی پکچر میں ایک رول ہے۔"

"اچھا اچھا۔ دیکھئے وہ نہا رہا ہے۔ میں ابھی اسے بھیجتا ہوں۔ عنایت ہے آپ کی۔"

"کوئی بات نہیں، میں خود کوئی پندرہ منٹ میں آتی ہوں۔"

"اچھا اچھا، بس تو وہ تیار رہے گا۔"

منگلا نے بڑا سا پیگ بنایا اور ہارمونیم دور سرکا کر بیٹھ گئی۔ آیا سے اس نے ساڑھی منگائی اور دوسرا پیگ بنایا۔ پھر ساڑھی پہننے لگی۔

"آہ سوری۔" فرید اونٹ کی طرح منہ اٹھائے چلا آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر پلٹا۔

"ارے جاؤ۔ . . . آؤ نا۔" اس نے ساڑھی کا پلو کندھے پر ڈال لیا۔

"میں نے سوچا شاید آپ بھول گئیں۔ اس لئے۔" فرید بڑے تکلف سے آگے بڑھا۔

"ابھی وقت ہے۔ ذرا پیچھے سے میری ساڑھی تو ٹھیک کر۔" ہمیشہ بچپن میں وہ اس سے یہی فرمائش کیا کرتی تھی۔

فرید اُکڑوں بیٹھ کر ساڑھی درست کرنے لگا۔

"ارے بدھو.... بس.... اوہ" وہ پھر ساڑھی کھول کر باندھنے لگی۔ فرید کچھ کھسیانہ سا بیٹھا رہا۔ منگلا کو پھر اُس کے ہونٹ لپ اسٹک لگے ہوئے معلوم ہوئے اور اُسے ہنسی آگئی۔ آج خود بخود حلق میں ہنسی گنگنا رہی تھی، فرید کا منہ لال ہو گیا۔ اُس نے کشن اُٹھا کر گود میں رکھ لیا۔ اور اُس پر گھونسے مار کر ہنسنے لگا۔

کشن کے نیچے روپے دیکھ کر اس کا منہ فق ہو گیا۔

"کیا منہ پھاڑے دیکھ رہا ہے۔ کبھی روپے نہیں دیکھے اڈیٹ!"

فرید احمقوں کی طرح ہنستا رہا۔

"چاہئیں؟"

"نہیں" فرید نے سر ہلا دیا۔

"کیوں؟ روپیہ نہیں چاہیئے؟" منگلا نے پوچھا۔

"چاہیئے"

"تو پھر لے لو"

"نہیں۔"

"کیسا پاگل لڑکا ہے۔ میں خوشی سے دے رہی ہوں"

فرید نے بڑے تکلّف سے چٹکی میں ایک نوٹ پکڑا۔

"بس"

"تھینکس" اور بھی لال ہو گیا۔

"کیا خریدنا ہے"

"اسکیٹس خریدنا ہیں، مجھے بھی مارکیٹ جانا ہے۔ موٹر چلانی آتی ہے؟"

"ہاں"

"بابا تو کہیں لڑا تو نہ دے گا"

"نہیں، بڑی فرسٹ کلاس چلاتا ہوں دیدی"

"تو چلو" کل آنٹی کہہ رہا تھا۔ آج ڈیڈی پر اُتر آیا۔ لڑکا تیز ہے۔

رسی ہرسل کے بعد اُس نے فرید کو نندا جی سے ملایا اُنھوں نے کہا رول کے لئے بڑا انٹ بیٹھتا ہے ٹیسٹ بھی لے لیں گے۔

"اگر دھرم جی۔ . . . . ." فرید نے موٹر میں واپس ہوتے وقت کہنا چاہا۔

"ارے ہٹاؤ دھرم جی لڑکوں کو چانس نہیں دیتے۔ وہ خود ہیرو ہیں۔ اُنھیں ہیرو کی کیا ضرورت ہے۔"

"سائیڈ میں۔"

"کیا سائیڈ میں مٹی خراب کرنا۔ اگر ہیرو بننا ہے تو ان کے پاس جانا بیکار ہے۔"

فرید اُداس ہو گیا۔ منگلا کو اس پر بڑا ترس آیا۔

"اور بھی پروڈیوسر ہیں جو نئے لڑکوں کو چانس دینا چاہتے ہیں۔ شام کو امرنا تھ سے اپوائنٹمنٹ ہے۔"

"ان سے میرے لئے کہیں گی؟"

"کہہ دوں گی۔ ارے ہاں، رات کو پریمیر پہ جانا ہے۔ چلو گے؟"

"ہاں۔" فرید نے دانت نکال دیئے۔ منگلا نے نذیر صاحب کو فون کر دیا۔

"نذیر صاحب میں فرید کو پریمیر پہ لے جاؤں؟"

"شوق سے آپ کا بیٹہ ہے۔"

"وہاں سب ہی لوگ ہوں گے۔ مدراس کے پروڈیوسر بھی ملیں گے۔ شاید کہیں ہو جائے۔"

"مہربانی، بڑی مہربانی جی۔"

اسسٹنٹ فلم تھی۔ بیحد بھونڈی سی مگر منگلا نے اس کے گانے گائے تھے۔ کلر بھی تھی، مدراسی تھی اس لئے مجمع اچھا تھا۔ فرید نے اس قدر قہقہے لگائے کہ منگلا کو بھی ہنسی آگئی۔ حالانکہ اس کے گانوں کا ریکارڈنگ میں کافی ناس لگ گیا تھا۔ فرید کی ہنسی کے جراثیم بڑے زبردست تھے۔ اتنے قہقہے پچھلے کئی مہینوں میں نہیں لگائے ہوں گے جتنے ڈھائی گھنٹے میں لگا لئے۔ فرید فلم کو دیکھ رہا تھا۔ اور وہ فرید کو دیکھ رہی تھی۔

واپسی پر منگلا نے ضد کی کہ بغیر کھانا کھائے نہ جانے دے گی۔ پہلے دودو

پیگ ہو جائیں اتنے میں کھانا گرم ہو۔ فریدنے ڈٹ کر پی۔ اتنی پی کہ ہوش نہ رہا۔ منگلا نے سو روپے معہ سود وصول پائے۔

جب عورت دینے پر آتی ہے تو تن من دھن دونوں ہاتھوں سے لٹا دیتی ہے۔ منگلا چوٹ کھائی ناگن کی طرح پلٹ کر خود ہی کو ڈسنے لگی۔ اس کے شوہر نے جو اس کا عاشق بھی تھا معشوق بھی، اس کی نسوانیت کو ٹھکرایا تھا۔ اس کے پیار کی توہین کی تھی۔ اس کی کلا کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ کبھی اس کی آواز گلی کوچوں میں گونجا کرتی تھی، خود کو ساری دنیا پر چھایا ہوا محسوس کرتی تھی۔ اب اس کے گانے شاذ ہی ریڈیو پر سنائی دیتے۔ دنیا نے اُسے زندہ ہی دفن کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اس کفن دفن میں دھرم کا ہاتھ سب سے آگے تھا۔ اپنی فلموں کے لیئے اسے مخصوص کر کے پھر ایک دم دو کوڑی کی ایک لڑکی کی خاطر اُسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا، کاش وہ صرف ایک گرہستن ہوتی، لوگوں نے اس کی پرستش نہ کی ہوتی اس کی آواز پر سر نہ دھنے ہوتے تو وہ اپنے بچوں کے پیار اور گھر بار کی دلچسپیوں کو ہی سب کچھ سمجھتی، نہیں اس کے منہ کو تو شہرت کا خون لگ چکا تھا۔ انسان کتنی ترقی کر چکا ہے۔ پھر بھی اپنے جذبات اور احساسات کے ریلے میں بہہ جاتا ہے۔ کاش وہ اتنی حساس نہ ہوتی۔ ایک گرہستن کی طرح چپ چاپ آنسوؤں سے تکیئے بھگوتی اور اس وقت کا انتظار کرتی جب اس کا گمراہ شوہر اچھل کود سے شل ہو کر خالی بوتل کی طرح اس کی باہوں میں لڑھک آئے گا۔

شریف مرد تو آوارہ ہوتے ہیں۔ شریف عورتیں اگر کھل کھیلنے پر تل جائیں تو سماج کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ آوارہ اور بد معاش لوگ اپنا دل اوباش رنڈیوں کو دیتے ہیں۔ مگر دماغوں میں پاکباز بیویوں کی عزت بھری ہوتی ہے۔ جان وہ بسوا پر دیتے ہیں۔ مگر ماتھا ستی ساوتری کے سامنے ہی ٹیکتے ہیں۔ وہ اپنے کمینے پن کے معترف ہیں۔ مگر اپنی ماؤں بہنوں بیٹیوں کو دنیا کی عزت اور آبرو کا امانت دار سمجھتے ہیں۔ اپنی فلمی زندگی کی گندگیوں سے دور رکھتے ہیں۔ یہ اور بات ہے وہ دوسری غلاظتوں سے دوچار ہو جائیں۔ ویسے فلم والے بدنام ہیں۔ اور ان کی بات اچھالی بھی بہت جاتی ہے۔

منگلا نے جو کچھ کیا وہ کوئی نئی بات نہیں، ایک مرد کی ٹھکرائی ہوئی عورت نے دوسرے کی باہوں میں سکون تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایسا ابھی کے لاکھوں گھروں میں ہو رہا ہے۔ اور ہوتا رہے گا۔ دھرم اور زرینہ کے قصّہ پر بھی لوگوں نے چہ مہ گوئیاں کی تھیں۔ چٹخارے لے لے کر تفصیلیں بیان کی تھیں یہ بڑی عام سی بات ہے۔ نوجوان فلم اسٹار اور ڈائریکٹر کا ایک دوسرے پر دل آجانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بلکہ اگر ایسا نہ ہو تو بے شک تعجب ہو سکتا ہے۔
منگلا کوئی گری پڑی ایکٹریس نہیں تھی۔ اس کی ان حرکتوں سے مشرقی تپی ورتا کے مثالی عکس پر دھول پڑنے کے علاوہ یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں اُس جیسیوں کو شہہ نہ مل جائے۔ اچھے بھلے شریف گھرانوں میں کیچڑ اچھلنے لگے گی۔
منگلا اپنے زخمی وجود پر مرہم رکھنے کے علاوہ کچھ اور بھی چاہتی تھی۔ وہ خود اپنے آپ کو اور دنیا کو اس بات کا یقین دلانا چاہتی تھی کہ وہ ابھی ختم نہیں ہوئی۔ لوگ اسے کل کی بات نہ سمجھیں۔ وہ فرید کو فلم کا ہیرو تو نہ بنا سکی اپنے دل کا ہیرو تو بنا ہی لیا۔ اُس کے لئے کارمائیکل روڈ پر ایک شاندار بنگلہ سجا دیا۔ نئی کرائسلر اُسے بخش دی۔ خود چھوٹی گاڑی رکھ لی۔ پھر اُس نے ضد کی تو سفید ایم۔ جی بھی دلا دی۔
چیل کوّے منڈلانے لگے۔ کسی عقلمند نے رائے دی کہ اگر فرید کو ہیرو بننا ہے تو بڑی آسانی سے بن سکتا ہے۔ کیوں نہ ایک پروڈکشن کمپنی کھڑی کر دی جائے۔
منگلا کمپنی کے نام پر اُچھل پڑی۔ یہ بات اُسے پہلے کیوں نہ سوجھی۔ فرید کچھ کم نہیں بلکہ دھرم کے مقابلے میں کم سن اور زیادہ ہینڈسم ہے۔
بس پھر کیا تھا، فرید کا نیا پروڈکشن آفس بن گیا۔ اتنا میوزک تو منگلا کو آتا تھا۔ وہ خود ہی میوزک دے گی۔ کہانیاں سنی جانے لگیں۔ دھنیں بننے لگیں۔
دھرم اپنی نئی فلم میں جٹا ہوا تھا۔ نام ایک پرانے گمنام ڈائریکٹر کا دے دیا تھا۔ مگر کرتا دھرتا دھرم اور زرینہ ہی تھے۔ وہ رنگین فلم تو فی الحال نہیں بن رہی تھی۔ ایک پرانی فلم کی کہانی کے حقوق خرید کر اسے نئے کپڑے لتّے پہنائے جا رہے تھے۔ پرکاش جی کا نام ڈائریکشن میں دے دیا تھا۔ وہ اسی پر مطمئن تھے۔ ورنہ فلم

لائن تو انھیں بھول بھال چکی تھی۔ "پورنما" کے بعد ست نرائن جیسے پھر سے چمک گئے تھے۔ ایسے ہی پرکاش جی کی کایا کلپ کی امید تھی۔ زیادہ تر وہ ایک کونے میں مُڑھے کی نو ٹانگ مارے اونگھا کرتے تھے۔ اسٹارٹ یا کٹ کی آواز پر چونک پڑتے۔ چٹکیوں سے پتلون پکڑ کر اوپر کھسکاتے۔ جیب سے پلاسٹک کی پاؤچ اور کاغذ نکال کر سگریٹ بٹنے لگتے۔ ڈانڈا کے میخانوں میں جب وہ اپنے لونڈوں کے گروہ میں اندھوں میں کانے راجہ بنے بیٹھے ہوتے تو ان تمام معرکے کے "شاٹوں" کو بڑی تفصیل سے سمجھاتے جو بقول ان کے اُنھوں نے زیرِ تکمیل فلم "دھمکی" میں لئے تھے۔ دھرم اور رندھیر ان شاٹوں کی بوٹی پر لوٹ گئے۔

بڑی بے نطقی سے فلم بن رہی تھی۔ دو ہیروئینیں تھیں۔ ایک کا بازار ٹھنڈا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ دُوسری جو کمسن تھی ابھی اس کا بازار گرم ہونا شروع نہیں ہوا تھا۔ دھرم کا شمار باوجود ہٹ فلموں کے چوٹی کے فلمسٹاروں میں نہیں ہوتا تھا۔ فلم کی رپورٹ بہت ٹھنڈی تھی۔ دھرم کے دل کو کوئی چیز نہیں جچتی تھی۔ پہلے تو مکالمہ نگار کا پتہ کٹا۔ رندھیر نے اتنی ہٹ فلمیں لکھی تھیں، انھی نے مورچہ سنبھالا۔ مکالمہ نگار نے اپنا معاوضہ طلب کیا۔ یہ بات دھرم کو ناگوار گزری۔ وہ تو جسے چاہتا کان پکڑ کر باہر کرتا۔ کسی کی مجال نہیں تھی جو چوں بھی کر جاتا۔ مگر یہ مکالمہ نگار ویسے ہی پٹا ہوا تھا۔ دھرم کے ہاں سے کٹ جانے کے بعد اور بھی نقصان کی گنجائش تھی۔ معاوضہ مل جائے یہی غنیمت ہے۔ کام کی تو کوئی خاص اُمید نہیں۔ اس نے فلم رائٹرز ایسو سی ایشن میں جا کے عرضی ٹھونک دی۔ لے دے شروع ہوئی۔ دھرم نے معاوضہ دینے سے انکار کر دیا۔ اُسے کام پسند نہیں آیا تو پھر معاوضہ کیسا؟

یہ فلم انڈسٹری میں اکثر ہوتا ہے۔ دس پندرہ کہانیاں سُنیں، دس بارہ فلمیں دیکھیں، تھوڑا یہاں سے لیا، تھوڑا وہاں سے، ملغوبہ تیار ہو گیا۔ کوئی گھٹیا سستا سا ٹیکنیک پکڑا اور لکھوالی کہانی۔ سستی بھی اور بہت سی کہانی کاروں کے دماغوں کا نچوڑ بھی۔ چند ہوشیار پروڈیوسر گانوں کے معاملے میں بھی یہی کرتے ہیں۔ چھ سات سے ایک سچویشن پر گیت لکھوایا، ناپسند کیا، پھر سب سے گھٹیا گیت کار سے ان گیتوں کی مدد سے بالکل اچھوتا گیت لکھوا لیا۔ ظاہر ہے یہ حرکت ان کہانی کار

اور گیت کار سے نہیں کر سکتے۔ جس کی بازار میں مانگ ہے اور جس کا نام بکتا ہے۔ وہ نمونے کے گیت یا مکالمے لکھ کر نہیں دکھاتا۔ بس اپنے نام کے بل پر سودا کرتا ہے،

کہانی کار کے بعد گیت کار سے بھی جھگڑا ہو گیا۔ دو سیٹ ہو چکے تھے پھر یکدم دھرم اُوب کر اُسے بدلنے پر تُل گیا۔ دو چار ریلیں تیار تھیں انہیں دیکھا گیا کہ نئی کہانی میں یہ سین چپکائے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ پتہ چلا کہ بڑی آسانی سے دو گانے تو چاہے کامیڈی میں ڈالو چاہے ٹریجڈی میں اور چاہو تو ڈریم سیکوئنس بنا دو۔ بس شروع اور آخر میں جوڑ دو کہ یہ خواب تھا۔ دو چار پاسنگ تھیں۔ دو سین کامیڈی کے تھے۔ جو ہر فلم میں فٹ بیٹھ سکتے تھے۔ اب کہانی کی پھر سے ڈھونڈیا پڑی۔ پرانی ہٹ فلموں کو پھر سے رد و بدل کر کے کلر میں بنایا جائے۔ بالکل آزمودہ نسخہ ہے اوپر سے نئے اسسٹنٹ، کار کی ریس، کشمیر کے مناظر ڈال دیئے جائیں، وجہ نہیں کہ کامیابی قدم نہ چومے۔

پرانی فلمیں دیکھ کر پرانے کھنڈر پھر سے اکھڑ گئے۔ یہ تو کسی نے سوچا ہی نہ تھا۔ فلمیں دیکھ کر دھرم کو پھر دورے پڑنے لگے۔ بہت دن سے باندرہ کی مسجد کا ذکر نہیں ہوا تھا۔ نئی فلم کے جھگڑوں میں دل کے پھندے فراموش کر دئیے تھے۔

"واہ اماں ہٹاؤ بھی!" دھرم نے اُکتا کر ٹال دیا۔ فلمیں دیکھ کر اس کا دل بھی بیٹھنے لگا۔ نہیں اب اس معیار کی فلمیں نہیں بنیں گی۔ ہر چیز پہلے سے ہزار گنا مہنگی ہو گئی ہے اسٹوڈیو کے کرائے، خام مال، جو زیادہ تر بلیک مارکیٹ ہی میں ملتا ہے۔ یہ فلم حاصل کرنے کا بھی خوب لطیفہ ہے۔ چلیئے صاحب کوئی آنکھ کا اندھا، گانٹھ کا پورا نہ جانے کس جتن سے نہ جانے کس کس کا گلا کاٹ کر پیسہ لایا۔ چڑیا پھنسی، کمپنی رجسٹرڈ کروائی، پارٹنر شپ ہوئی۔ اب خام فلم یوں بازار میں نہیں ملتا۔ اس کے لئے پرمٹ لینا پڑتی ہے۔ اس پرمٹ کو حاصل کرنے کے لئے خرچ دکھانا پڑتا ہے۔ اور خرچ دکھلانے کے لئے جھوٹی رسیدیں تیار کرنی پڑتی ہیں۔ یہ رسیدیں پرمٹ کے علاوہ اور بہت سی جگہ کام آتی ہیں۔ بلیک منی ان رسیدوں کے ذریعے سے ہی رجسٹر میں درج کی جاتی ہے۔ لوگوں کی سہولت کے لئے جھوٹی رسیدیں دینے والے موجود ہیں۔ جو صرف ان رسیدوں کا دھندا کرتے ہیں۔ جتنے روپے کی رسید جس تاریخ کی چاہئیں مل جائے گی۔ اسی تاریخ

کا اسٹامپ لگا ہوا۔

خیر جب پرمٹ ملتی ہے تو اکثر جڑیا کسی ہوشیار شکاری کے پنجرے میں پہنچ چکی ہوتی ہے۔ پارٹنرز میں جھگڑا پی کر جو تم بیزار ہو چکی ہے۔ وہ طرح دار چھوکری جو جڑیا پھنسوا رہی تھی، امانت میں خیانت کر گئی۔ اور یا تو پارٹنرز سے بے پس گئی۔ یا فنانسر کو پھانس بیٹھی۔

فلم کمپنی ٹھپ مگر پرمٹ رہ جاتی ہے۔ وہ پرمٹ بڑے داموں پر بکتی ہے۔ خام فلم کے علاوہ ہر چیز ہی پہنچ سے باہر ہو چکی ہے۔

"یار نام بتاؤ کوئی اچھا سا۔" دھرم نے رندھیر سے پوچھا۔

"نام.... کس کا؟"

"ہمارا.... باندرہ مسجد.... وہاں نام بدلنا ہوگا۔"

"باندرہ مسجد—— اوہ!" اس نے بے حد گندی گالی بکی پھر سہم گیا۔ مسجد کے ذکر مبارک کے ساتھ مغلظات!

"کوئی بالکل نیا نام ہونا چاہیے۔" دھرم آنکھوں میں رس گھول کر مست ہو گیا۔

"شکورا! گھسیٹے خاں، دھمی خاں یار یہ اچھا رہے گا۔" رندھیر جل گیا۔

"بکواس۔ اچھا سلیم کیسا رہے گا۔؟"

"سلیم..... اور انار کلی!"

"زوردار تھیم ہے۔ کلر میں..... اسٹارنگ.... زرینہ سلیم!"

رندھیر نے ایک لمبی سی آہ کھینچی!

اگر انڈسٹری کی اتنی بری حالت نہ ہوتی تو وہ دھرم کی صورت پر تھوکتا بھی نہیں۔ پانچ سال پہلے اگر کوئی دوسری شاخ پکڑ لی ہوتی تو آج اس خبطی سے بھیجہ پچی کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ ویسے بمبئی فلم انڈسٹری کی قبر کی زمین تو اسی وقت ہموار ہونا شروع ہو گئی تھی۔ جب مدراس کی فلم "چندر لیکھا" نے پورے ملک میں جھنڈے گاڑ دیئے۔ اس وقت بمبئی والے اپنے آپ کو بے حد انٹلکچول سمجھے بیٹھے تھے۔ بنگال فلم انڈسٹری دم توڑ چکی تھی۔ اور وہاں کے فلم اسٹار اور ٹیکنیشین تیزی سے بمبئی کی طرف

بھاگ رہے تھے۔ بمبئی سے زیادہ اس وقت پونا میدان میں تھا۔ پربھات، نیوتھیٹرز، چترپٹ، شالیمار پکچرز بڑے زور شور سے فلمیں بنا رہے تھے۔ بمبئی ٹاکیز سے دیوکا رانی جا چکی تھیں۔ مگر اشوک کمار اور شوک واچہ نے پھر سے اسے زندگی بخش دی تھی۔ مجبور۔ ضدی، مشعل اور بادبان جیسی کامیاب اور ستھری فلمیں بن رہی تھیں۔ ایس مکرجی اور رائے بہادر چنی لال بمبئی ٹاکیز سے ناطہ توڑ کر فلمستان کی بنیادیں مستحکم کر چکے تھے۔ ناسک، جاگرتی، سیندور کے معیار کی فلمیں بن رہی تھیں۔ کاردار داستان اور محبوب انداز دے رہے تھے۔ شاہد لطیف نے ضدی اور آرزو کے بعد بزدل پیش کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ بنگال اسکول کو ماننے والے ابھی زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔

کیدار شرما نے سہاگ رات بنا کر اور پھر بمل رائے نے ایک کے بعد ایک معیاری فلمیں دے کر یقین دلا دیا کہ بنگال صرف بنگال ہی میں نہیں ملک کے کسی کونے میں بھی بسایا جا سکتا ہے۔ مگر ”چندر لیکھا“ کی طلسمی کامیابی نے بمبئی فلم انڈسٹری کی چولیں ہلا دیں۔ پونا فلم انڈسٹری بمبئی کی طرف رُل گئی۔ پربھات میں تالا پڑ گیا۔ شالیمار پکچر کے ڈبلیو۔ زیڈ احمد ہجرت کر گئے اور نیو تھیٹرز کا دیوالہ نکل گیا۔

”چندر لیکھا“ کے بعد ”نشان“ اور پھر ”منگلا“ بھی ہٹ ہو گئیں۔ مار دھاڑ تلوار بازی، راجہ رانی، فوج اور لاتعداد جوان لڑکیاں، بے پناہ رقص، گانوں کی بھرمار ان فلموں میں کیا نہیں تھا؟

اب تو ذرا بمبئی والے کسمسائے۔ ہر ایک نے دھوم دھام کی فلم کے منصوبے بنائے۔ کے آصف نے ”مغل اعظم“ شروع کر دی۔ کمال امروہوی ”پاکیزہ“ بنانے لگے۔ راج کپور نے برسات، آوارہ، شری چار سو بیس دھاندی دیں۔

سیدھی سادی فلموں کی تو میّا مر گئی۔ پھر بھی فلمیں بنتی رہیں۔ پانچ چھ لاکھ میں اچھی دوسرے درجے کی فلم بن جاتی تھی کہ اچانک مدراس کی فلمیں لڑھکنا شروع ہوئیں۔ راجہ رانی، توپ بندوق، ہاتھی گھوڑے سب رچے تھے!

کسی بوجھ بجھکڑ نے سمجھایا کہ اصل میں مدراس کی یہ وزنی ہیروئنیں اور گول گپا ہیرو نہیں چلیں گے کیوں نہ بمبئی کی پریاں اور گلفام شہزادے اڑائے جائیں۔

جب دلیپ کمار کے لئے مدراس سے آفر آیا تو اس نے کہا "ہشت میں دو ہنٹروالی" کے معیار کی فلموں میں کام نہیں کروں گا۔" دلیپ کمار کی اس وقت کئی فلمیں ناکامیاب ہو چکی تھیں۔ اس کی اداکاری کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی مگر لوگ اسے لے کر ڈوبنے کو تیار نہیں تھے۔ پھر بھی وہ جوبلی بوس کا چیلا تھا۔ تیر تلوار بم پٹاخوں کے تصور سے ہی بدکنے لگا۔ اور پھر جنوب کی ہیروئین کی مقدار کو اس کا ہاضمہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

پروڈیوسر نے بیچ میں بابوراؤ پٹیل کو ڈالا۔ دو لاکھ نقد قدموں میں رکھا۔ ہیروئن اور کاسٹ جو حکم! ایک طرف اصول دوسری طرف دو لاکھ کا کنٹریکٹ سائین کرتے وقت، بمبئی کا پروڈیوسر چار ریل کے بعد پیسے کی بات کرتا ہے۔ گھسٹ گھسٹ کر فلم بناتا ہے جو کوڑا ثابت ہوتی ہے۔ پیسوں کی ادائیگی سے پہلے ہی دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ فلمساز بنگال کے بھی تھے۔ معیاری فلموں ہی میں کام کرتے تھے۔ کہاں گئے؟ کچھ ریٹائر ہوئے کچھ بنگالی فلمیں بناتے ہیں۔ ایک محدود مارکیٹ کے لئے اور کچھ بمبئی آئے۔ جو یہاں نہ پنپ سکے۔ کچھ واپس ہو گئے کچھ چھوٹے رول کرنے لگے۔

"ایک فلم بناؤ، روپیہ سمیٹو پھر آرٹ کی خدمت کرو جی بھر کے۔" بابوراؤ پٹیل نے رائے دی۔

اور دلیپ کمار نے لے لی۔ دھڑا دھڑ سٹ فلمیں بننے لگیں۔ اب ہر فلمسٹار مدراس کے کانٹریکٹ کو زندگی کا سہارا سمجھنے لگا۔ مدراس نے وہ معاوضے دیئے جو بمبئی والوں کی حیثیت سے لگا نہیں کھاتے تھے۔ مگر پھر فلمسٹار نے مدراس کی مقرر کی ہوئی قیمت کا مطالبہ کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا وہی دینے کو تیار ہو گیا اور انڈسٹری کی قبر بڑے دھوم دھام سے کھدنے لگی۔ آج بمبئی کا پروڈیوسر چند کو چھوڑ کر دیوالیہ ہے۔ بھیک مانگ کر پروڈیوسر کی قسطوں پر صرف جینے کے لئے فلم میں ٹکا ہوا ہے۔ اب اس کے لئے دوسرے کون سے دروازے کھلے ہیں؟

اور دھرم کا ول اپنی فلم سے کھٹا ہونا شروع ہوا۔ بہت چھان بین اور کاٹ چھانٹ کے بعد پھر وہی پٹی پٹائی کہانی بننے لگی۔

ایک وہ نیل و نہار تھے جب گھر والی سیتاجی کا اوتار تھی۔ دربار میں زرینہ جیسی اپسرا ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ شہرت قدموں کی لونڈی تھی۔ فلم کے سیٹ پھولوں کی تیج۔ انسان کس لیئے جیئے کمپنی کا مردہ کاندھوں پر اٹھائے گرہست کی موت کا انتظار لیئے، گلبدن کے پنجر میں سسکتا، یہ بھی کوئی زندگی ہے ایسی لیچر بنی تو اور نہ بنی تو، کیا فرق پڑتا ہے۔

ایسی زندگی رہی تو، اور نہ رہی تو کیا فرق پڑتا ہے۔

ایک بات عقل کی تھی کہ دھرم اپنا کام ٹالتا رہا۔ ہیروئن سائیڈ ہیروئن، کامیڈین کا کام جتنا بھی چاہو کر ڈالو، ہیرو کا بعد میں۔ کوئی اچھا سین نہیں بنتا۔ رندھیر رات رات بھر بیٹھ کر تڑپتے یہ چھپاتے سین تیار کرتا، ہیرو کے رول میں چار چاند لگانے کی کوشش کرتا۔ دھرم پسند کرتا۔ ایک آدھ سین لیتا پھر جی اچاٹ ہونے لگتا۔

منگلا کے رویئے کی خبریں دبی دبی آگ کی طرح انڈسٹری میں پھیل رہی تھیں۔ مگر سب کے منہ کو تالا لگا ہوا تھا۔ اس کی جگہ کوئی فلم سٹار ہوتی تو پرخچے اڑ گئے ہوتے۔ مگر منگلا تو انڈسٹری کے ایک قدآور ستون کی ناک تھی۔ وہ چور راہے پر کٹتی تو ساری انڈسٹری کی ناکوں پر شہہ پڑ جاتی، یہ ایک باوقار اور ذمہ دار انسان کی عزت کا سوال ہے۔ فلمی ہیروئن کا سوال نہیں، وہ قہقہے جو زرینہ اور دھرم کے چٹکلوں پر چھوٹا کرتے تھے۔ گلوں میں گھٹ گئے۔ دھرم کی جیت تو ان سب کی جیت تھی۔ اس کی ہار سب کی ہار کی دکھتی رگ کو مسلتی تھی۔

دھرم کو جب یہ بات سمجھائی گئی تو وہ ساکت رہ گیا۔ وہ سمجھتا تھا یہ گھر کا بھید ہے کسی کو نہیں معلوم ہوگا۔ اُسے یہ پتہ نہ تھا کہ منگلا زندگی کے کس موڑ سے گزر رہی ہے۔ فریدہ کو فلم لائن سے دلچسپی تھی۔ لڑکیوں کی اُسے کمی نہ تھی۔ جب منگلا کے جلو میں نکلتا تو اس کی ہم عمر لڑکیاں زیر لب مسکراتیں۔

دو ہائے۔ بیچارا فردو۔۔۔۔۔ اسے یہ ٹوٹی پھوٹی باسی بیر کی بوتل جڑھی، اور کسی نے گھاس نہیں ڈالی!!

تب وہ کمینے پن پر اتر آتا۔ اس کے سجدوں کو ٹھوکر پہ مارتا۔ اس کی بیقرار باہیں سانپوں کی طرح ڈسنیں۔ وہ اُسے ربڑ کی گیند کی طرح برتنے لگتا۔ وہ میلی سی کیچڑ میں لتھڑی ہوئی گیند جو سپاٹ دیوار پر غصہ اتارنے کے لئے مارتا تھا۔ دیوار کیچڑ کے پٹوں سے زخمی ہو جاتی۔

وہ بڑی لجاجت سے پروڈیوسروں سے کام مانگتا۔

"ارے میاں تمہیں کیا ضرورت ہے کام کرنے کی۔ مزے لو جب تک جوانی ہے۔ کمی نہیں پیاسی چڑیوں کی موسم میں بہت گرتی ہیں۔ رجواڑوں اور تعلقوں کی لرزتی کانپتی۔ . . . . فلموں کو زندگی سمجھ کر کاغذ کے پھولوں کی تلاش میں یہ تمہیں کس چیز کی کمی ہے؟ ذرا چوکس رہو تو کوئی تجوری بھی پھنسے گی پھر آنا ہم تمہیں دلیپ کمار بنادیں گے۔"

وہ فلم جس کا منگلا نے اُسے پروڈیوسر بنانا چاہا تخیل کی پہلی سیڑھی سے آگے نہ اُکسا۔ لوگ پیسے کھا کر سٹک گئے۔ اگر اس ایکٹر کمان کے بجائے اس کے بس میں کوئی چلتے پہ چڑھا یہ مرتا مثلاً زرینہ تو اس کی عاقبت سدھر جاتی۔ پھر اسے میٹرک کی بی۔ اے کی ڈگری سے اتنا دکھ نہ ہوتا۔

ادھر سب دھرم کو سمجھانے لگے۔

"دو گھر نہ بگاڑو، سماج کے امٹ اصولوں کو نہ ٹھکراؤ۔ اب بھی وقت ہے بکھری زندگی سمیٹ لو، ہم نہیں دیکھیں گے۔ جو کانوں نے سنا اُسے وہم سمجھ کر بھول جائیں گے۔"

طے ہوا رندھیر کے چھوٹے صاحبزادے کی سالگرہ میں دونوں کو بلایا جائے ویسے منگلا سے بات کرنا آسان نہیں۔ شاید دونوں ملیں۔ اور ٹوٹی ڈور جڑ جائے۔

رندھیر اور دتو نے بلے حد شاندار کارڈ خریدے، پارٹی کی تاریخ طے کی اور اپنے بہت ہی خاص خاص بیوی بچوں والے دوستوں کو گھر جا کر بڑے اصرار سے بلایا۔

"دو بھابی جی ضرور آنا . . . . سچی تم نہیں آئیں تو ساری رات کیک نہیں کٹے گا۔"

"آؤں گی بابا — ضرور آؤں گی۔" فرید یونا ٹینس کھیلنے گیا ہوا تھا۔

رندھیر نئے بنگلے میں اٹھ آیا تھا۔ نہایت فلمی قسم کے فرنیچر سے آراستہ آج جھنڈوں اور غباروں سے گلستان بنا ہوا تھا۔ پیسہ بھی کیا استاد ہوتا ہے۔ سب کچھ سکھا دیتا ہے۔ دتو کو دیکھ کر کسی کو یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ کبھی یہ فارس روڈ پر مزدوروں کے پسینے کو لیونڈر سمجھتی تھی۔ ڈانڈا ہس مٹھڑے بازوں کی تے سمیٹا کرتی تھی۔ ہر ساڑی کے ساتھ میچنگ بلاؤز ملتا ہے، غلطی کرنے کی گنجائش نہیں۔ ہیرڈریسر دم بھر میں سیدھی تیل میں چپڑی پٹیوں کے گھنگریالے گچھے بنا دیتی ہے چاہے جوڑا بندھوالو چاہے پونی ٹیل پر میچنگ ربن اور پھر زیور ایک دوسرے کے دیکھ کر بنوانا کیا مشکل۔ روپیہ ہو تو زندگی کا زاویہ بدل جاتا ہے۔

بہت ہی گھریلو قسم کی بیویاں تھیں۔ بہتوں کو تو پتہ بھی نہ تھا کہ منگلا اور دھرم الگ الگ رہتے ہیں۔ یہ دونوں کے رویئے سے شبہ ہوتا تھا کہ کسی قسم کی رنجش ہے۔ دونوں الگ الگ موٹروں میں آتے۔ منگلا بچوں کے ساتھ اور دھرم کیشو کو لے کر، یہ تو ہوتا ہی ہے، بیوی گھر سے آئیں میاں کام سے آ رہے ہیں۔ دونوں ہشاش بشاش سب سے ملتے پھر رہے تھے۔

دونوں ساتھ ساتھ بچوں کا ہاتھ پکڑے بائی بائی کرتے ہوئے رخصت ہوئے، ایک ہی موٹر میں۔

"ٹاٹا منو بیٹے۔" منگلا نے موٹر کی کھڑکی میں سے رندھیر کے بچے کی ٹھوڑی چھو کر ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا۔ دھرم کا ہاتھ پہلے سے اس کی گردن کے پیچھے رکھا تھا۔ ذرا کھسک کر حائل ہو گیا تب بھی اس نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

"بڑی اچھی پارٹی تھی کیک کہاں سے بنوایا تھا جنے۔ بہت اچھا تھا۔" وہ جلدی جلدی بولنے لگی۔

دھرم اس کے بندوں سے کھیل رہا تھا۔ جیسے ہی گاڑی احاطے سے نکلی منگلا نے جلدی سے بٹوہ کھولا فلاسک منہ سے لگا لیا۔

دھرم کو کچھ ناگوار گزرا مگر وہ سہہ گیا۔ اور مسکراتا رہا۔ منگلا نے مگن ہو کر دو گھونٹ اور لئے۔ پھر فلاسک دھرم کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

"ہم بھی۔ مما، ہم بھی۔" للتو ہمک کے ضد کرنے لگی۔ دونوں بے اختیار

ہنس پڑے۔ بلو اور جنٹیو زور زور سے سیٹیاں بجانے لگے۔
وہ بڑی تیزی سے پی رہی تھی۔ اُس نے ایک بار جو گھونٹ لیا تو دھرم نے اُس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر بڑی التجا بھری نظروں سے آنکھوں میں ڈالیں، اُس کی آنکھوں میں آسیب ناچ رہے تھے۔ پھر اُس نے ایک ایسی کریہہ حرکت کی کہ دھرم کو پسینہ آگیا۔ اُس نے اُس کے بال مٹھی میں پکڑ لے اور گھونٹ اُس کے حلق میں اُتار دیا۔ منگلا کا دانت اُس کے ہونٹ میں لگ کر خون نکل آیا۔ پھر وہ سر پیچھے ڈال کر گھنگرو بھرے قہقہے لگانے لگی۔
پدما ایسا کرتی تھی، مگر وہ لچّی تو تحبہ تھی، مگر منگلا..... منگلا تو دھرم دلیو، اُس کی پتنی، بچوں کی ماں تھی! اُس نے یہ گند کہاں بٹورا!
بچوں کو فوراً آیا نے سنبھال لیا۔ منگلا ڈرائنگ روم سے ہی ساڑھی کھولتی بیڈروم میں چلی گئی۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو منگلا نے سارے بلب جلا دیئے تھے اور پیٹی کوٹ پہنے آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ دھرم کو اُس نے بڑے میٹھے انداز سے دیکھا پھر بلاؤز کا گولہ بنا کر اُس کے منہ پر مار دیا۔
جھک کر اُس نے پلنگ کے نیچے سے بوتل نکالی اور دانت سے کاگ کھولتی کہنی کے بل لیٹ گئی۔ دھرم نے اُسے اس قدر وحشت اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ ہونق سا پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا
"یہ منگلو ہی ہے نا، یا وہ بھولے سے کسی اور کمرے میں آگیا ہے۔ منگلو تو لاجونتی کی طرح اُس کے پیار کے سامنے سمٹ جاتی تھی۔ ماں بننے کے بعد بھی وہ نئی دلہن کی طرح بجلی بجھانے پر اصرار کرتی۔ میٹھے میٹھے اندھیرے میں وہ کیتی اجاگر ہو جاتی تھی۔
مگر آج جب کمرے کا ہر بلب آنکھیں پھاڑے اُس پر قہقہے لگا رہا تھا۔ دھرم کی منگلا نہ جانے کہاں گم تھی۔ اُس کے بال کھل گئے تھے۔ وہ عورت جو اُس کے سامنے ڈھٹائی سے کھلی پڑی تھی، جس کے وحشکی سے تر ہونٹوں پہ آبرو باختہ عورت کا سا تبسّم تھا اور آنکھوں میں منہ پھٹ تقاضے۔ وہ جو اس سے اُس نظارے کی بھیک مانگا کرتا تھا، حلق میں اُبھرتی ہوئی اُبکائی کو گھونٹ رہا تھا۔

تب اُس نے جانا کہ بائیس برس کے دیوتا کو بھوگ لگاتے لگاتے سونے کی بھاری بھرکم تھالی ٹھیکرا بن چکی ہے۔ اس کی آگ میں کیتی کٹھنائی ہے۔

وہ بڑی سرعت سے ساری بوتل ایک گھونٹ میں ہی پی لینا چاہتی تھی دھرم نے ہاتھ پکڑ کر بوتل چھین لینا چاہی مگر وہ بوتل کے ساتھ لٹکی ہوئی اس کے پہلو میں ڈھے گئی۔

"بس کرو منگلا۔" اس نے بوتل چھیننا چاہی۔ منگلا نے ایک روپہلا قہقہہ لگایا اور دونوں ہاتھوں سے اس کا کرتا جھبر جھبر کر ڈالا۔

"ارے کیا کرتی ہو۔" اُس نے منگلا کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

"کیوں رے..... تو جو میرے اتنے ڈھیر سارے بلاؤز پھاڑ چکا ہے۔"

"میں نے تو بلاؤز نہیں پھاڑے..... منگلا کے تو نہیں پھاڑے۔" اُس نے سوچا۔

"بس روٹھ گیا، چل ادھر آ..... میرے پاس۔ اے فرو..... آجا..... آجا۔" وہ چار اُنگلیوں سے پیارے پیارے اشارے کرنے لگی۔

"اور وہ تو میرا نام بھی نہیں جانتی....۔" منگلا نے بوتل اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی۔

ایک دفعہ کسی بات پر چڑھ کر اس کا چکن کا کرتا تار تار کر دیا تھا اُس دن دھرم نے اُس کا نام "میاؤں" ہی رکھ دیا تھا۔ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے شرارت سوجھتی تو وہ چپکے سے منہ پر ہاتھ رکھ کے بلی کی آواز نکالتا۔ پھر خود ہی چونک کر کہتا۔

"ارے بلی..... یہ بلی کہاں سے آگئی۔ پکڑو اسے سارے کپڑے لتے پھاڑ ڈالے گی۔" وہ شوخی سے کہتا۔ تب دونوں کی آنکھیں پل بھر کو اُلجھ جاتیں۔ شبدوں کے دہکتے ہوئے راز چھلک اُٹھتے اور زرینہ شرم سے پانی پانی ہو جاتی۔

دھرم نے سب کو باری باری یہ راز بڑے مزے لے لے کر بتایا تھا۔

خوف زدہ ہو کر اُس نے زرینہ کے خیال کو دور جھٹک دیا۔ سب اُس کا قصور تھا، منگلا کی گمراہی کا ذمہ دار وہ خود تھا۔

اس خیال سے بڑی ڈھارس بندھی۔ وہ ظالم تھا نا، اس کی انا کو بڑی تقویت

ملی۔ اس کے علاوہ وہ اس کی ہمدردی کی حق دار تھی۔ ان ذرّوں کو سمیٹنا اس کا فرض تھا۔

مگر سمیٹنے میں اس کے ہاتھ لہولہان ہو گئے۔ بھڑکتے ہوئے شعلوں میں نہانے والی دھیمی دھیمی بھوبل کو کب خاطر میں لانے والی تھی۔ وہ بائیس برس کا بھی نہیں تھا، طرح طرح کی عیاشیوں اور نشوں نے اس وقت سے پہلے تھکا ڈالا تھا۔ منگلا چڑھ گئی۔ تحقیر پر اتر آئی۔ آنکھیں طنز کے زہر میں بجھ کر اور بھی سیاہ ہو گئیں۔ پھر وہ ہنس پڑی۔ خوب ہنسی۔ ہنسی کی مرکیاں اس کے رسیلے حلق میں ستار کے جھالے کی طرح الجھنے لگیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

”تبھی زیرو ی بھاگ گئی“۔ اس کا قہقہہ قے میں لتھڑ گیا۔

دھرم نے وہی جھیر جھیر کرتا منہ میں ٹھونسا اور سیڑھیوں پر گرتا پڑتا باہر نکل گیا۔

صبح جب رندھیر دفتر میں داخل ہوا تو ایک دم ٹھٹک گیا۔

وہ بڑی دیر تک دھرم کو دیکھتا رہا۔

میز پر فائیل اور گراؤنڈ پلین کے کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ دھرم سفید سلک کا کرتا اور اودی پنجابی لنگی پہنے کاغذات پر جھکا ہوا تھا۔ صندل جیسی شفاف پیشانی پر ایک لٹ جھک آئی تھی۔

”دھرم اتنا بدسلیقہ نہیں رہا“۔ رندھیر نے سوچا کنپٹیوں پر چاندی کی جھلک نے وقار پیدا کر دیا ہے۔ رول کے لئے ری ہرج کرنا پڑے گا۔ ”واہ بیٹا ایک ہی وار میں جی اٹھے، سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا“۔

”مزاج شریف“۔ رندھیر نے پیار سے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”آپ کی دعا ہے“۔ مدراس کی مسلم سوشل نے اسے لکھنوی آداب سکھا دیئے تھے۔

”جگ جیو، میرے سرکار!“ دھرم نو عمر دلہا کی طرح تکلف سے مسکرایا۔

”محنت ٹھکانے لگی!“ رندھیر نے شکر کیا۔

”پکچر بہت ڈیلے ہو گئی ہے۔ آج وگ کا ٹرائیل لے کر فائینل کرنا ہے۔ اس سیٹ پر بہت کام ہے“۔

"وہی پرانا منجھا یا دھرم دیو! ایک ہی خوراک میں طبیعت صاف!" رند صفیر اپنی دور اندیشی پر داد دیتا ہوا بیٹھ گیا۔

اتنے میں کیشو اور مادھو بھی آ گئے۔

"پرکاش جی کو فون کرو کیا دو بجے آتے ہیں۔ گاڑی بھیجدو۔"

"فون کئے دیتا ہوں۔ گاڑی اسٹیشن پہ پہنچ گئی ہے۔" کیشو نوکروں کے دماغ خراب کرنے کے قائل نہیں تھا۔ حساب کتاب کا مالک تھا مگر سوائے بس کے نجی کام کے لئے کبھی ٹیکسی نہیں لی۔ پیٹرول سونے کے بھاؤ جا رہا ہے۔ کمپنی کی گاڑی کو بیکار دوڑانے سے کیا فائدہ۔

"واسن نے پھر ہٹ لگایا۔" مادھو بولا۔

"اسٹوری کچھ بھی نہیں، وہی پرانا فارمولا ہے۔ پر صاحب مانتے ہیں۔ گروپ ڈانس کیا اٹھا کے دیئے ہیں۔ ساٹھ لڑکیاں اور لڑکے۔" کیشو نے ہانک لگائی۔ وہ اصولاً سب فلم دیکھتا تھا۔ بجائے لطف اٹھانے کے پورے وقت پر دڈکشن ویلیو گانوں کی تعداد اور کامیڈی سین گنتا رہتا تھا۔

"اپن بھی ڈالیں ایک گروپ ڈانس، کیوں دھرم جی؟" مادھو بولا۔

"کوئی سچویشن نہیں اپنی پکچر میں۔"

"ارے سچویشن بنانے سے بنتی ہے۔"

"ہاں، ہیروئن ہیرو تھیٹر میں جاتے ہیں، بس وہاں۔"

"تھیٹر ہے ہی نہیں فلم میں۔"

بھلا ڈانس کی بھی سچویشن ہونے سے انکار کر سکتی ہے۔ ہیرو ہیروئن گاتے ایک دوسرے کو کھدیڑ رہے ہیں۔ پگڈنڈی پر گاؤں کی گوریاں یکساں لباس پہنے چلی آ رہی ہیں ٹھمکی، ادھر سے ایک سے ڈریس پہنے بالکل اتنے ہی لڑکے نکل پڑتے ہیں۔ لیجئے ہو گیا گروپ ڈانس کا موقع، یہ اور بات ہے کہ ایسے گاؤں کا پتہ کسی کو نہیں معلوم جہاں اتنی لڑکیاں اور لڑکے ایک وضع کے کاسٹیوم پہنے ہر وقت جنگلوں میں تیار بیٹھے رہتے ہیں کہ نہ جانے کب کوئی پریمیوں کا جوڑا ادھر گاتا ہوا آ نکلے۔ اور وہ ایک ہٹ گانا جس میں کم از کم سو ساز بج رہے ہوں گانا شروع کر دیں۔ پتہ اگر کسی کو معلوم ہے تو وہ فلم پروڈیوسر ہیں جو کسی کو نہیں

نبلاتے۔

"آج بچے نہیں آئے؟" دھرم نے گھڑی دیکھ کر پوچھا
"رگھو گیا تو ہے آتا ہی ہوگا۔"
دھرم پھر کام پر جُٹ گیا۔

بڑے اہتمام سے شوٹنگ شروع ہوگئی۔ روز شام کو دھرم پابندی سے بچوں کو لے کر گھر چلا جاتا۔ اس نے کبھی رندھیر کو نہیں بتایا کہ وہاں منگلا نہیں ہوتی، وہ بچوں کے ساتھ کھیل کر گھر چلا جاتا ہے۔ کبھی رمی کے گھر جس نے حال ہی میں نہایت پوشیدہ جگہ ایک فلیٹ لیا ہے۔

"ریتا کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چلے گا۔" مگر دھرم جانتا ہے۔ ریتا کو پتہ چلے گا اور بہت جلد یہ گھر بھی کرائے پر اٹھا دے گی۔ رمّی اور گھر ڈھونڈ لے گا۔

"چوہے بھاگ بلی آئی"۔ زرینہ نے کہا تھا۔ اب تو زرینہ کے خیال پر بھی دل کی دھڑکن تیز نہیں ہوتی۔ اگر رمی نہیں ملتا تو وہ پدما کے ہاں چلا جاتا۔ نہ جانے کیوں پدما کی محفلیں سرد پڑتی جا رہی ہیں۔ نہ وہ چہل پہل نہ وہ ہنگامے۔ جیسے دنیا اب محور پر گھومتے گھومتے ستانے کو ٹھہر گئی ہے۔ تین مہینے ہو گئے دھرم نے کسی عورت کے جسم کو ہاتھ نہیں لگایا۔

پرکاش جی سہمے سہمے ہدایات دیتے ہیں۔ وہ جان کے ان کی غلطی نظر انداز کر دیتا ہے۔ ایک آدھ چھوٹی موٹی غلطی سے تصویر مر تو نہ جائے گی۔ اینی بڑا منجھا ہوا آرٹسٹ بنتا جا رہا ہے۔ اس کی اچھوتی فلم میلے کے لئے منتخب ہوئی ہے۔ "میلہ!" دھرم کے وجود میں ایک پھلجھڑی نے سر اٹھایا پھر سسک کر دم توڑ دیا۔

"پرکاش جی سے کہو"، کیشو اس سے نئے کاسٹوم کے بارے میں کچھ پوچھتا ہے تو وہ پرکاش جی کی طرف اشارہ کر دیتا ہے۔ ان کا لرزتا ہوا ہاتھ پتلون کی جیب پر جاتا ہے جس میں ٹھرے کی شیشی دبکی ہوئی ہے۔ وہ ہاتھ اندر نہیں ڈالتے۔
"پچاس ہزار اتنی رات گئے میں کہاں رکھوں گی؟" منگلا کیشو پر بگڑتی ہے۔"

میرا گلا کٹوانا ہے۔ اکیلی دیکھ پاکر کوئی ٹھکانے لگا جاتے، باپ کٹے یہی چاہتے ہیں نا؟"

"پتہ نہیں،" کیشو مری ہوئی آواز میں کہتا ہے۔

"آپ فیصلہ کیجئے،" دھرم درزی کی دوکان میں لگے ہوئے آئینے کی طرف مڑ جاتا ہے۔

"عجیب آدمی ہے!" پرکاش جی بلاوجہ کھنکارتے ہیں، ہاتھ جیب کے پاس لرزتا ہے۔ اندر نہیں گھس پاتا۔ "میرے خیال میں تو ٹھیک ہیں۔" وہ کپڑوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ قطعی فیصلہ نہیں کر پاتے۔ ان کی قوت فیصلہ اسی دن جواب دے گئی تھی۔ جب کرونا نے بھری محفل میں ان کے منہ پر چپل مار کر کہا تھا "بڈھے کھوسٹ ایک تو ہی رہ گیا ہے، مجھے اور کوئی نہیں جڑتا جو بوڑھی لاش پر مرنے لگوں۔"

تب پرکاش جی کرونا کی بھاری بھر کم جوانی کے خواب بوڑھی لاش میں سمیٹ کر لوٹ آئے تھے۔ اور لوٹتے ہی جا رہے تھے۔

ان کی بیوی بیٹھی رمی کھیل رہی تھیں۔ لڑکیاں دوستوں کے ساتھ گپ شپ کر رہی تھیں۔ انھیں کسی نے نہیں دیکھا جیسے وہ جادو کی ٹوپی پہن کر لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو چکے ہوں۔

اوجھل تو وہ جب ہی سے ہو گئے تھے۔ جب انہوں نے کرونا کو اپنی کمپنی کی ہیروئن بنایا تھا۔

کتنی بوندیں تالاب کی سطح پر پڑتی ہیں، بلبلے اٹھتے ہیں پھوٹ جاتے ہیں۔ دائرے بنتے ہیں مٹ جاتے ہیں۔

"آج نہ جاؤ، رندھیر بڑی وحشت ہو رہی ہے۔"

"بچے کو ٹائی فائڈ ہو گیا ہے۔ وہ تو رو رو کر جان دیئے دے رہی ہے۔ میں صبح ہی آجاؤں گا۔"

"ابھی نہ جاؤ،" دھرم نے التجا دوہرائی۔

"گیارہ بج رہے ہیں۔ ڈائیلاگ لکھ دیئے۔ تم سین کی فکر نہ کرو۔ میں سیٹ پر موجود رہوں گا۔" وہ پھر بیٹھ گیا۔

"بارہ بج رہے ہیں۔ یار کیا مصیبت ہے۔" رندھیر چڑھ گیا۔
"نوکر کو تو آ جانے دو اکیلا چھوڑ جاؤ گے۔" دھرم نے حسرت سے کہا۔
"اوہ یار ننھے بچے تو نہیں جو تمہیں پریاں اڑا کر لے جائیں گی۔" وہ پھر بیٹھ گیا۔ شام کے آٹھ بجے سے وہ گھر جانے کی ضد کر رہا تھا، مگر دھرم پر بھوت سوار تھا۔ ضرورت سے زیادہ چڑھا لی تھی۔
"کیا آج یہاں نہیں سو سکتے۔ صبح چلے جانا۔"
"یار تمہارا دماغ خراب ہوا ہے۔ اچھا ایک بات بتاؤ کیا بھابی سے پھر کھچاؤ ہو گیا۔"
دھرم خاموش رہا۔
"اماں یہ کیا قصہ ہے؟"
"کوئی قصہ نہیں۔ قصہ ختم!"
"پھر وہی۔۔۔۔ یا ندرہ مسجد کا جن تو سوار نہیں ہو گیا۔"
"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔"
"پھر بھابی سے کسی بات پر لڑائی ہو گئی؟"
"ملاپ ہی کب ہوا تھا۔" اٹک اٹک کر سپاٹ آواز میں اس نے اس عجیب و غریب رات کا احوال سنایا۔ رندھیر دم سادھے سنتا رہا۔
"عجیب آدمی ہو یار تم نے مجھے خوب بے وقوف بنایا۔"
اتنے میں نوکر آ گیا۔ اس نے پیکٹ دیا۔
"اچھا یار اب چلتا ہوں۔"
"رک نہیں سکتے۔"
"خدا کی قسم بچہ بیمار ہے۔۔۔۔۔ میں صبح۔۔۔۔"
"اچھا جاؤ جاؤ۔" دھرم نے ہنس کر کہا۔
رندھیر تیزی سے لفٹ کی طرف لپک گیا۔
"میاؤں!" مدراس کے ایک شاندار ہوٹل میں زرینہ کروٹیں بدل رہی تھی۔
"اے ہے زرینہ میں ڈر گئی۔۔۔۔۔" امینہ نے سرہانے کا لیمپ جلایا۔ "یہ کیا کر رہی ہو۔"

"میاؤں۔" زرینہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"چل بیوقوف یہ بھی کوئی وقت ہے مذاق کا۔ سو جاؤ۔" امینہ لیمپ بجھانے لگی۔

"نیند نہیں آ رہی ہے آپا!" اُس نے امینہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے اُچھلتے ہوئے دل پر رکھ لیا۔

"پانی دوں؟"

"نہیں۔"

"تو پھر؟"

"روتے کو جی چاہ رہا ہے۔"

"کیوں؟"

"پتہ نہیں۔" زرینہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"زرینی۔۔۔ میری جان۔" امینہ نے اُسے کلیجے سے لگا لیا۔ کتنی دیر تک وہ سسکیاں بھرتی رہی اور ٹوٹے ٹوٹے ادھورے جملے اس کے ہونٹوں سے جھڑتے رہے۔

"باتیں ٹھیک ہوئے تھے۔ منہ سے نکلتا ہی نہ تھا۔ چاند۔۔۔۔ ذرا آنکھیں تو کھولو۔ بس اِتی سی بات تھی۔۔۔ آپا سردی لگ رہی ہے، ایئر کنڈیشن بند کردو۔"

"بند ہے۔" امینہ نے اسے کمبل اوڑھا دیا۔

"نیا کرتا تھا۔"

"ایں؟" اونگھتے اونگھتے امینہ چونک پڑی۔

"کچھ نہیں آپا ——— کچھ نہیں۔"

"زرینہ۔" امینہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ "واقعی میں اندھی ہوں۔"

"ایں؟" اب زرینہ کے چونکنے کی باری تھی۔

"تو اگر صاف صاف کہہ دیتی، بیوقوف۔ دل میں گھاؤ چھپائے بیٹھی ہے۔ تو نے مجھے بھی دھوکے میں رکھا، عجیب لڑکی ہے۔"

"آپا۔"

"ہاں۔"

"مجھے ڈر تھا۔"

"کس بات کا؟"

"تم کسی سے کہو گی تو نہیں قسم کھاؤ، میری جان کی قسم۔"

"قسم سے کسی سے نہ کہوں گی۔"

"مجھے ڈر تھا......کہ......وہ......" وہ چبا چبا کر بولنے لگی کہ وہ دیدی کو نہیں چھوڑ سکتے۔"

"ہنہ اب اس بدذات نے جو چھوڑ دیا اور اس جھنڈ لینے کے سنگ"۔

"مجھے کیا معلوم تھا۔"

"خیر اب تو وہ گئی، راستے سے۔ دیکھ زری تو بالکل فکر نہ کر میں یہاں سے جا کے فون کروں گی۔"

"ہائے آپا نہیں، مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"چل دیوانی ڈر کاہے کا۔"

"آپا تم نہیں جانتیں، وہ عجیب آدمی ہیں۔"

پڑوسیوں نے بتایا اس رات بار بار ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی تھی۔ مگر فلیٹ بند تھا۔ آخری بار تین بجے پھر گھنٹی بجی۔ پھر خاموشی ہو گئی۔

دھرم نے رندھیر کے جانے کے بعد نیا پیگ بنایا پیکٹ کھولا، دو گولیاں خواب آور دوا کی ڈالیں اور انگلی سے گھولنے لگا

بالکنی میں کسی کی بلی بول رہی تھی۔ دھرم کمرے میں اکیلا تھا پھر بھی اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی سرکا دی۔ ٹیلی فون ملایا۔ گھنٹی بجتی رہی۔ بجتی رہی۔ اس نے تھک کر واپس رکھ دیا۔

پیگ ختم ہو رہا تھا مگر نیند کا نام نہ تھا۔ وہ اوندھا لیٹا، چت لیٹا، آنکھیں بند کیں، پھر کھولیں، نیند نہ آئی۔ اس نے دوسرا پیگ بنایا، پھر دو گولیاں ڈالیں کچھ سوچ کر ایک اور ڈال لی۔ ریسیور اٹھایا۔ پھر ٹیلی فون کیا، گھنٹی بجتی رہی۔

وہ پلنگ پر بیٹھ گیا۔ پھر کروٹیں بدلیں۔ کتاب اٹھا کر کھولی بند کر دی

کچھ سوچ کر اس نے ٹیلی فون اٹھایا، کتاب میں سے نمبر دیکھا۔

"ہلو۔ راج صاحب ہیں۔ میں دھرم دیو بول رہا ہوں"۔ ایسا معلوم ہوا میلوں کے فاصلے سے راج نے اُسے گلے لگا لیا۔ شوٹنگ کی باتیں، فلم کی باتیں، نوڈیول کی باتیں ہوتی رہیں۔ دو بج گئے۔ دھرم دیو نے ٹیلی فون نہ چھوڑا۔ اگر یہ سلسلہ ٹوٹ گیا تو پھر وہ کھو جائے گا، پھر نہ مل سکے گا۔ "راج یار ایسا کرو ادھر آجاؤ نا"۔ جیسے راج دیوار کے اس پار ہی تو کھڑا تھا۔

"دو بجے! ڈرائیور تو چلا گیا اور اپنے سے تو دو قدم نہیں چلا جا رہا ہے۔ ٹکر" "وکر" ہو جائے گی۔ بس میں صبح ہی تو ادھر آرہا ہوں پھر رہیں گی باتیں.. آ..ف"۔ راج نے لمبی سی جمائی لی۔

"دیوی جی کہاں ہیں؟" دھرم نے پوچھا۔

"یہ پاس ہی پڑی ہیں۔ کوئی چار انچ کے فاصلے پر"۔ راج ہنسا۔

"میری طرف سے ایک پیار تو لے لو"۔

"لو، بھئی لے لیا، ایک تمھاری طرف سے اور ایک اپنی طرف سے"۔ دونوں ہنسے۔

"راج؟"

"بولو پیارے"۔

"اس وقت نہیں آسکتے"۔

"نہیں یار بالکل دم نہیں ہے۔ صبح......"

"ارے صبح کس نے دیکھی ہے"۔

ٹیلی فون رکھا، نیند اور بھی دور بھاگ گئی۔ جیسے اب نہ آئے گی کبھی نہ آئے گی۔

پھر پیگ بنایا، کتنی گولیاں ڈالیں، کون جانے، پھر ٹیلی فون کیا، ڈھائی بج رہے تھے۔ گھنٹی چیختی رہی چلاتی رہی۔

"ہلو..... ہلو..... میں بول رہا ہوں"۔ شکر ہے ٹیلی فون اٹھایا گیا۔

"میں دھرم بول رہا ہوں"۔

"کیوں؟"

دھرم کے پاس کچھ جواب نہ تھا۔

"یہ رات کے تین بجے فون..... کیا بات ہے؟" شاید ہوش میں تھی آواز میں ذرا نرمی آگئی تھی۔

"وہ، میرا جی گھبرا رہا ہے۔ تم ایسا کرو..... بچوں کو بھیج دو۔"

"تین بجے رات کو، بچوں کو بھیج دوں! کیا ہو گیا ہے تمھیں۔"

"تم ہی آجاؤ منگلو۔" اس کا جی چاہا کہے مگر الفاظ راستہ بھول چکے تھے۔

"بچوں کو ڈرائیور کے ساتھ بھیج دو..... بس....."

"کیا ہو گیا ہے جی، سوتے بچوں کو ہلکان کروں، صبح بھیج دوں گی۔"

"صبح کس نے دیکھی ہے۔"

منگلا نے پھر فون کیا، مگر انگیج تھا۔ سوچا وہ جاؤں دیکھوں کیا بات ہے۔ پھر خیال آیا۔ فون انگیج ہے کسی کو کر رہے ہوں گے فون۔

آخری پیگ۔ کتنی گولیاں؟ کون گنے کوئی نہیں، کوئی نہیں۔

اتنی لمبی چوڑی دنیا میں اکیلے کا کوئی نہیں۔

یار نہیں دوست نہیں،

بیوی بچے نہیں۔

چاند ——— تم بھی نہیں

فون ملایا ——— کوئی نہیں.....

صرف گولیاں،

دور خالی فلیٹ میں گھنٹی بجتی رہی،

بجتی رہی۔

خزاں کا پھول

ایم اے سوز



آیا بسنت سکھی

واجدہ تبسّم



چھپ کر تیّار ہے

گفتگو تقریر ایک فن

اس موضوع پر اردو میں پہلی عملی کتاب

ڈیل کارنیگی



بک کارنر پبلشرز بکسیلرز

فون نمبر ۲۸۸۵ چوک فیصل شہید مین بازار جہلم شہر پاکستان

تذکرۂ شہداء

سعید راشد

سعید راشد صاحب نے ملٹری کالج جہلم سے تعلق رکھنے والے پندرہ شہیدوں کے حالاتِ زندگی اور کارناموں پر مشتمل کتاب ترتیب دے کر ان کی ہی نہیں بری فوج اور ملک و قوم کی بھی خدمت کی ہے۔ زندہ قوم اپنے شہیدوں کو کبھی فراموش نہیں کرتی۔ ملک کے ان نامور فرزندوں نے میدانِ جنگ میں اپنی متاعِ جان اپنے وطنِ عزیز کی نذر کر کے ملک اور قوم پر ایک عظیم احسان کیا ہے۔ یہ ہمارے شہیدوں ہی کا اعجاز ہے کہ آج ہم آزادی کی فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ شہیدوں کی زندگی اور ان کے کارناموں کا مطالعہ کر کے ہمارے دل میں نہ صرف ان عظیم ہستیوں کے لئے تشکر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں بلکہ ملک کی آن پر قربان ہونے کی خواہش کو بھی نئی تحریک ملتی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو ملک و قوم کی خدمت کرنے اور اس کی عزت و آزادی کی حفاظت کرنے کی ہمت عطا فرمائے، آمین!

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب ملٹری کالج جہلم کے سابق اور موجودہ طالب علموں کے علاوہ دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے ان تمام قارئین میں بھی مقبول ہوگی جو تحفظِ آزادی اور دفاعِ وطن میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

محمد ضیاء الحق

(جنرل محمد ضیاء الحق)
چیف آف دی آرمی سٹاف
اور
صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان

۲۸/ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ
۱۲/ جون ۱۹۸۰ء

[م جہ ر ل]

بک کارنر پبلشرز بکسیلرز
فون نمبر ۲۸۸۵ چوک فیصل شہید مین بازار جہلم شہر پاکستان

انجام